

کو فیوں کی نوکِ سان کے بعد
خارجیوں کے دستہ قلم پر

WWW.RAZVINETWORK.NET
SAJJAD HUSSAIN RAZVI

حاشیہ نشینانِ یزید
کی نقاب کشائی

کربلا کا مسافر

جو، حکمتی خاک کے شعلوں پر سویا وہ حسین
جس نے اپنے خون عالم کو دھویا وہ حسین

وہ کہ شریحِ مصطفیٰ تفسیرِ حسین
لاکھ پر جسے سوئے بھاری بہتر وہ حسین

علامہ مشاق احمد نظامی
مدیر پاسبان الہ آباد

جو جوال بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین
جو کہ سب کچھ کھو کے لیکن کچھ نہ کھویا وہ حسین

مہربانِ سلام کا جس نے دو بال کر دیا
دین احمد کا جس میں بول بالا کر دیا

وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
سکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

علامہ ارشد القادری
سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن - انگلینڈ

مکتبہ نوریہ

لاؤ تو قتل نامہ ذرا ہم بھی دیکھ لیں
کس کس کی مہر ہے سرِ محضرت کی ہوتی

کوفیوں کی نوکِ سنان کے بعد خارِ جیوں کے دشتِ قلم پر

کر بلا کا مسافر

— مرتبہ —

علامہ مشاق احمد نظامی مدیرِ پاسبان الہ آباد

— مقدمہ —

علامہ ارشد القادری سیکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن۔ انگلینڈ

مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ۔ لاہور

”کربلا کا مسافر“ ایک نظر میں

نام کتاب	_____	کربلا کا مسافر
مرتبہ	_____	علامہ مشتاق احمد نظامی مرحوم، ایڈیٹر ماہنامہ پاساں الہ آباد
مقدمہ	_____	علامہ ارشد القادری مرحوم، ورلڈ اسلامک مشن بریڈفورڈ، برطانیہ
موضوع	_____	شہداء کربلا کی جانبازیاں
سالِ تالیف	_____	۱۹۷۸ء
سالِ طباعت اول	_____	۱۹۸۰ء / مطبوعہ لاہور
سالِ طباعت تازہ	_____	۲۰۰۶ء / ۱۴۲۶ھ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور
قیمت مجلد	_____	۱۲۰ روپے

ناشر

مکتبہ نبویہ۔ گنج بخش روڈ لاہور

فون: 7213560, 0300-4235658

عنوانات کتاب

۵	حاشیہ نشینانِ یزید کی نقاب کشائی
۲۱	غلط فہمیوں کا ازالہ
۲۷	وریائے فرات کی موجوں پر دو شہزادوں کا مدفن
۴۵	تاراجِ کاروانِ سادات
۴۵	میدانِ کربلا سے گنبدِ خضرا تک
۶۲	فور کے دو ٹکڑے
۷۳	زمینِ کربلا کا خوفی منظر
۹۲	زندہ جاوید شہزادہ
۹۷	خلافت معاویہ و یزید عقل و نقل کے پیمانے میں
۱۰۹	خارجی نظریات حقائق کے اُجالے میں
۱۲۰	خلافتِ علی عقیقہ کی روشنی میں
۱۲۸	ایک رسوائے عالم کتاب کا تحقیقی جائزہ
۱۳۹	خلافتِ معاویہ و یزید تحقیقی نظر میں
۱۷۸	فتنہ خوارج
۱۸۶	یزید اور اس کا کردار
۱۹۵	خلافت معاویہ و یزید تاریخ کی روشنی میں

حاشیہ نشینانِ یزید کی نقاب کشائی

تعزیراتِ قلم — علامہ ارشد القادری صاحب مدیر اعلیٰ جام نور حمسید پور

کچھ عرصہ سے پاک و ہند میں ایسی تحریریں کتابی اور رسالے کی شکل میں پھیلائی جا رہی ہیں۔ جن میں اہلبیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، خاندانِ نبوت اور مدحت سرایانِ اہلبیت کے خلاف بے سرو پا مواد جمع کر کے تاریخی تحقیق و تنقید کا منہ چڑانے کا کام لیا جا رہا ہے۔ نظریاتی فتوے کی ایک شکل تو تصدیقوں سے کام کر رہی تھی جس میں اہلبیتِ مصطفیٰ سے تمام افراد کو علیحدہ کر کے صرف پانچ نفوسِ قدسیہ کو مستحق عقیدت سمجھا جانے لگا۔ خاندانِ نبوت کے اکثر افراد کو مستثنیٰ قرار دے کر صرف چند حضرات کو ہی اس حلقہ میں رکھا گیا۔ پھر جب تک اہلبیت اور خاندانِ نبوت کے علیحدہ کردہ بزرگانِ ملت کو سب و شتم کا نشانہ نہیں بنایا جاتا تھا، مدحت سرانی اہلبیت کے فریضہ سے سبکدوش تصور نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس دینی فتنے نے پوری اسلامی تاریخ پر اپنے منحوس اثرات مرتب کیے اور صحابہ کرام، اہمات المؤمنین اور دیگر بزرگانِ دین پر بے پناہ الزامات گھڑے اور ہوسِ خبیثِ باطنی کی تسکین کی گئی۔ ایسے لٹریچر نے نیک لوگوں پر زبانِ درازی کی روایت قائم کی اور اسلامی دنیا میں گستاخانہ اندازِ تحریر کے دروازے کھول دیے۔ اب اس رجحان کو جب خارجی عناصر نے اپنی قلموں کی نوک پر رکھا تو وہ نوکِ سنان بن کر اہل ایمان کے جذبات کو مجروح کرتی گئیں۔ عالی شیعوں نے اپنی جارحانہ تحریروں سے ملت کے ان نیک دل قارئین کے جذبات کو پامال کرنے میں کبھی ندامت محسوس نہ کی تھی جنہیں صحابہ رسول سے محبت و عقیدت تھی اب ان کی رسوائی عالمِ عبادت کو خارجی اہل قلم نے اپنا لیا ہے اور وہ پاک و ہند میں اہلبیت، سادات کرام اور خصوصیت سے امام عالی مقام حضرت حسین علیہ السلام کی ذات کو نشانہ ستم بنا کر کتابیں لکھتے چلے جا رہے ہیں وہ

اپنے قارئین میں ایک غلط تاثر دے رہے ہیں کہ خاندانِ نبوت میں سے سید، بنو ہاشم اور امام حسین رضی اللہ عنہم کو اسلامی تاریخ میں کوئی ممتاز مقام حاصل نہیں۔ ان کے ہاں اسلام کی تاریخ میں فاتحین، شمشیر زن اور بادشاہوں کو تو ایک درجہ حاصل ہے مگر جس نے میدانِ کربلا میں حق و باطل کے معرکہ کو زندہ باوید بنا دیا تھا جس کی شمشیر پر دنیا کے تیغ زن فخر کرتے ہیں اور جس نے دنیا بھر کے بادشاہوں کو اصولِ حکمرانی سکھائے تھے کو اتنا بھی حق نہیں دیا جاسکتا کہ اس کے کردار کو احترام و عقیدت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔ اس سلسلہ میں محمود عباسی کی رسوائے عالم کتاب خلافت معاویہ و یزید، تحقیق سید و سادات، تحقیق مزید، پھر مولانا سلیمان کی سادات بنو امیہ اور ابو یزید محمد دین بٹ کی رشید ابن رشید اور اس جیسی چھوٹی موٹی کتابوں نے ان پاکیزہ ہستیوں کے تقدس کو سخت مجروح کیا۔ علماءِ اہلسنت نے ان ناپاک تحریروں کا بروقت اور سخت نوٹس لیا اور ان قلم کاروں کی ناپاک کوششوں کی ہمیشہ مذمت کی۔ ہندوستان کے علماءِ اہلسنت میں سے علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے اپنے ماہنامہ پاسبان کا ۱۹۶۰ء میں خصوصی نمبر ترتیب دیا جسے زیر نظر کتاب کربلا کا مسافر کی شکل میں بادی ترمیم پیش کیا جا رہا ہے اور خاریجوں کے ناپاک عزائم کو بے نقاب کرنے میں ایک کامیاب کوشش کی۔ دسمبر ۱۹۶۸ء جام نور جمشید پور بہار نے ان نقاب پوش مورخین کو اپنے قلم کی انی سے بے نقاب کر دیا۔ اور پھر اس ذہن کے محرکات اور اسباب کو سامنے لا رکھا ہے جو ان کے پیچھے کام کر رہا تھا۔ ان سارے ذرائع کی نشان دہی کر دی جو اپنے نظریات کے سائروں میں ایسی ناپاک تحریروں کو نشوونما دیتے رہے تھے۔

دراصل اس فکری رجحان کے پیچھے عقیدہ اور نظریہ کی پوری قوت کا رفرما ہے جس کے اسباب و علل پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے۔

خلافت معاویہ و یزید سے متعلق دیوبند کا جماعتی آرگن روزنامہ "الجمعیۃ" دہلی کے ایڈیٹر کا شذوہ غالباً آپ کی نظر سے گزرا ہوگا، اس کا اقتباس ملاحظہ فرمائیے:

"ابھی حال میں پاکستان سے معاویہ و یزید پر ایک کتاب شائع کی گئی ہے

جو ہماری نظر سے بھی گزری ہے اور جو اپنے مومنوع پر اس قدر مقتانہ اور مورخانہ ہے کہ اس سے بہتر ریسرچ کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

(۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

غور فرمائیے کیا اب بھی دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے؟ اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید و حمایت میں وہ پیش پیش نہیں ہیں؟

زخمی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

صوبہ بہار میں دیوبندی جماعت کی امارت شرعیہ پھلواڑی شریف کا آرگن پندرہ روزہ "نقیب" خلافت معاویہ و یزید کی تائید کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"علمائے دیوبند کی بدولت احادیث کی اشاعت نے بھی حقیقت پر سے پردہ اٹھایا۔ جناب محمد عباسی کی یہ کتاب 'خلافت معاویہ و یزید' اسی احتیاقِ حق کی آخری کوشش ہے۔" (۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

شبابائش! جاؤ وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ آپ ہی کیسے اب اس میں کیا شبہ رہ جاتا ہے کہ اس طرح کے احتیاقِ حق کی آخری کوشش نہ سہی اولین کوشش تو علمائے دیوبند کی طرف ضرور ہی منسوب ہے۔ انھوں نے بنیاد رکھی، عباسی نے ایوان کھڑا کیا۔ اول باآخر نیسے دارد۔ چند سطروں کے بعد پھر 'نقیب' لکھتا ہے:

"بیشک ہم امام حسین کی فضیلت کے قائل ہیں، اس لیے کہ وہ مسلمان تھے، تابعی تھے اور بعض دلائل کی بنا پر صحابی تھے اور جس بات کو حق سمجھا گو اس میں اجتہاد کی غلطی ہوئی اس بات کے لیے مروانہ و اربان دے دی۔" (۹ اکتوبر ۱۹۵۹ء)

اس سے بڑھ کر فضیلت کا اعتراف اور کیا ہو سکتا ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمان تھے۔ باقی رہا ان کا صحابی ہونا تو یہ متفقہ طور پر ثابت نہیں ہے۔ واللہ! حد ہو گئی کور چشمی اور عناد کی بھی!

امام کے متعلق جس طبقہ کے خیالات اس قدر جارحانہ ہیں کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ خلافت معاویہ و یزید کی تائید میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہو گئی ہوگی۔ حکم نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

بہت کم لوگوں کا ذہن اس طرف گیا ہوگا کہ "خلافت معاویہ و یزید" جیسی دل آزار کتاب کی طباعت و اشاعت میں درپردہ کن لوگوں کا ہاتھ ہے۔ حیرت زدہ ہو کر سنیے کہ وہ دیوبندی جماعت کے ایک مایہ ناز اہل قلم اور معتد عالم ہیں۔ دوسروں کی روایت نہیں خود عباسی نے اپنے دیباچہ میں ان لوگوں کی نقاب کشائی کی ہے۔ ملاحظہ ہو، عباسی لکھتا ہے:

"محبی و محترمی جناب مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی مدیر صدق جدید نے اپنے مکتوب مرقومہ ۱۰ فروری ۱۹۵۸ء موسومہ مدیر رسالہ "تذکرہ" میں فرمایا تھا کہ آپ کے "الحسین" پر تبصرہ کے عنوان سے جو مسلسل مقالہ نکل رہا ہے وہ بہت ہی جامع، نافع، بصیرت افروز ہے اسے کتابی شکل میں لائیے۔"

(دیباچہ خلافت معاویہ و یزید ص ۱۳)

"صدق جدید کے ایڈیٹر عبدالماجد دریا بادی ہمارے لیے کچھ اجنبی نہیں ہیں یہ شیخ دیوبند مولوی حسین احمد انجمنی کے جانے پہچانے مرید اور رئیس الطائفہ مولوی اشرف علی تھانوی کے مجاز و معتد خلیفہ ہیں۔ یہی حضرت ہیں جنہوں نے تھانوی صاحب کی منقبت میں "حکیم الامت" نام کی ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ تھانوی صاحب کی تربیت و صحبت میں اپنے مزاج کی تبدیلی کا حال ایک جگہ وہ خود اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں:

"ایک زمانہ تھا کہ بزرگوں کے کرامات اور کمالات اور ان کے مناقب کے کلام سے بڑی دلچسپی تھی اور توحیدی مضامین خشک و بے مزہ معلوم ہوتے تھے ایک عرصہ سے صورت حال بالکل برعکس ہے اب توحید ہی کے مضامین سننے اور پڑھنے کو دل چاہتا ہے اور بڑے سے بڑے بزرگ کے لیے ان کی

بشریت کا تصور اتنا غالب آجاتا ہے کہ ان کے کرامات و مناقب میں اب زیادہ جی نہیں لگتا۔ حدیث ہے کہ نعتیہ کلام میں بھی اب اگلی سی دل بستگی باقی نہیں۔ (حکیم الامت ص ۵۸۳)

تھانوی صاحب کی صحبت میں محبوبان الہی و مقربان حق سے بے تعلق و بیگانگی کا یہ جذبہ بیزاری و تنقیص کی حد تک پہنچ گیا ہے۔ چنانچہ اسی عبدالماجد دریابادی کا گستاخ قلم ایک جگہ صحابہ کرام پر یوں طعن کرتا ہے، پڑھیے اور سینہ پیٹئے کہ آپ کی آبادی میں کیسے کیسے جسراح پیدا ہو رہے ہیں؛

”جب حضرات صحابہ تک زعمی معصیتوں سے محفوظ رہے نہ اجتہادی لغزشوں سے تو دوسرے حضرات کا مرتبہ تو ان سے فروتر ہے۔“ (حکیم الامت ص ۲۰۶)

من لیا آپ نے؛ یہ ہیں دیوبندی تربیت گاہ کے سند یافتہ عارف! جن کی نگاہ میں معاذ اللہ صحابہ تک گنہگار ہیں وہ آج اگر امام حسین و اہلبیت رضی اللہ عنہم کی مذمت و تنقیص پر دشمن کو خراج تحسین پیش کر رہے ہیں تو اس میں تعجب و شکوہ ہی کیا ہے جبکہ صحابہ کرام کی حرمت خود ان کے ہاتھ سے گھائل ہے اور یہ سارا زہر تو اسی میکرہ کا ہے جس کے کلید بردار جناب تھانوی صاحب ہیں۔ دیوبندی تربیت گاہوں میں جب اس طرح کا زہر کشید کیا جاتا ہے تو آپ ہی غور فرمائیے کہ اس جماعت کے معتمد عبدالماجد دریابادی کی تحریک پر جو کتاب طبع ہو کر شائع ہوئی، کیا اب بھی ان کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے کسی رائے کا مزید ایشطار باقی ہے؛ اور کیا اس خوش فہمی کے لیے کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ ”خلافت معاویہ و یزید“ کی تائید میں ان کے قلم سے اتفاقاً لغزش ہو گئی۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

یہ معلوم کر کے آپ حیرت میں ڈوب جائیں گے کہ قاتل حسین یزید کی عظمت و فضیلت اور صداقت و بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ہم اسی نے اپنی کتاب میں مابین یزید کی جو شہادتیں پیش کی ہیں ان میں یورپ کے ناخدا ترس ملحدین اور اسلام دشمن مورخین کے علاوہ دیوبندی

جماعت کے شیخ المشائخ مولوی حسین احمد انجمانی کا نام نامی بھی ہے گویا دشمن کے ہاتھ میں جو

تلوار چمک رہی ہے وہ آپ ہی کی عطا کردہ ہے۔ ص
قاتل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو

عباسی کا پیش کردہ حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

”حضرت مولانا حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: تاریخ

شاہد ہے کہ معارکِ عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے خود یزید

کے متعلق بھی تاریخی روایات، مبالغہ اور آپس کے مخالف سے خالی نہیں؛

(مکتوبات جلد اول صفحہ ۲۴۲ و ۲۵۲، خلافت معاویہ و یزید صفحہ ۳۰)

ملاحظہ فرمائیے یہ ہیں یزید کی طرف سے صفائی کے گواہ شیخ دیوبند! ذرا جھلے پھر غور سے

پڑھیے گا:

”خود یزید کے متعلق بھی تاریخی روایات، مبالغہ اور آپس کے مخالف سے

خالی نہیں۔“

یزید کے متعلق تو تاریخی روایات میں شہادتِ امام حسین بھی ہے اور معرکہ کربلا کے دردناک مظالم

بھی! مخدراتِ اہلبیت کی اسیری و بے پردگی بھی ہے اور خانہ کعبہ کی بے حرمتی و اہل مدینہ کا قتل

عام بھی! ققتہ فتنے نوشی و سرود و نغمہ، ترکِ فرائض اور اشاعتِ منکرات! سبھی کچھ تاریخی روایات

میں ہیں لیکن مصلحتِ بالائے طاق رکھ کر اگر اس کی بھی نشان دہی کی گئی ہوتی کہ ان تاریخی روایات

میں مبالغہ اور مخالف کہاں کہاں ہے تو آج عباسی تشریح کی زحمت سے بچا جاتے۔ اس سے

زیادہ اور اس کینت کا تصور ہی کیا ہے کہ اس نے اسی اجمال کی تفصیل اور اسی متن کی شرح

کا نام ”خلافت معاویہ و یزید“ رکھ دیا ہے

حرم کی خاک پہ لات و منات کیا کم ہیں

یہ کیا ضرور کسی برہمن کی بات کریں

یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ اجمال و تفصیل اور متن و شرح دونوں جگہ قلم کے چمچے ایک ہی ارادہ،

ایک ہی مطلع نظر اور ایک ہی محرک کار فرما ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ عباسی کا قلم اپنی ناعاقبت اندیش

گستاخی کا شکار ہو کر رہ نہ ہو گیا ہے اور شیخ دیوبند اپنی مصلحت اندیش چالاک سے بے نقاب نہیں ہو سکے۔ لیکن سے

نزدیک ہیں وہ دن کہ پس پردہ حبلوہ

پابندی آداب تماشا نہ رہے گی

اب آپ ہی غور فرمائیے۔ اتنا سب کچھ ہو جانے کے بعد بھی دیوبندی جماعت کا مسلک و

عتیقہ معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور کیا اس خوش فہمی کے لیے اب

کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" ان کے جماعتی عقیدہ کی ترجمان نہیں ہے۔

نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زبان پر

ایک نیا انکشاف ملاحظہ فرمائیے اور خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس کی معنی تدریس مجربین کے چہرے

سے کتنے حیرت انگیز طریقے پر نقاب کشائی فرماتی ہے۔ عباسی نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ و

یزید" میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی تفسیر و خطا اور یزید کی

طہارت و بے گناہی ثابت کرنے کے لیے جو نشانے قائم کیے ہیں وہ دورِ حاضر کے طلحین کی زبان

میں ان کے ذہن و فکر کی کوئی نئی تخلیق نہیں ہے۔ آج سے پانچ سال پہلے اس کی بنیاد دیوبندی

جماعت کے مشہور مناظر اور ان کی تبلیغی جماعت کے موجودہ سربراہ مولوی منظور نعمانی کی ادارت

میں ان کے ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ کے صفحات پر پڑ چکی ہے۔ حوالہ کے لیے ماہنامہ "الفرقان"

اگست ۱۹۵۲ء صفحہ ۱۹ و ۲۰ اور "الفرقان" ستمبر ۱۹۵۲ء صفحہ ۲۴ کے مضامین کا خلاصہ ذیل میں

ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ اہلبیت کے سلسلہ میں مسلمان افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں اور اعتقاد

و عمل میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ چنانچہ ہزاروں بے بنیاد روایات اہلبیت

اور واقعہ کربلا کو اہمیت دینے کی غرض سے گھڑ لی گئی ہیں۔

ب۔ امام حسین محض اپنی ذاتی عزت کے سوال پر شہید ہوئے۔

ج۔ امام حسین کا خیال غلط اور باطل تھا۔

د - یزید کے خلاف امام حسین کا اقدام بغاوت و خروج تھا۔
 ۵ - صحابہ کرام نے یزید کی بیعت سے انکار کیا۔ یہ ان کا شخصی اجتہاد تھا۔
 ٹھیک اس کے ایک سال بعد نومبر ۱۹۵۵ء میں نکھٹو کے مشہور ادبی ماہنامہ "نگار" میں "الفرقان" کے مذکورہ بالا مضمون پر "واقعہ کربلا" کے عنوان سے کسی کسٹنی اہل قلم کی ایک تنقید شائع ہوئی تھی اس کی ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیے اور تاثرات کی یکسانیت کا تماشا دیکھیے:

"مضمون بالا کو بالاستیعاب پڑھنے کے بعد اور کئی ذی علم دوست اس نتیجہ پر پہنچے کہ مضمون نگار اول سے آخر تک حکومت بنی امیہ اور خصوصاً یزید کی پوزیشن صاف کرنے اور امام ہمام سیدنا حسین علیہ السلام کی مظلومانہ حیثیت اور اور اولوالعزما نہ شہادت کا مرتبہ گھٹانے میں ساعی رہے ہیں اس لیے اگر ان کے مضمون کو حمایتِ یزید (APOLOGY FOR YZID) کے نام سے موسوم کیا جائے تو بیجا نہیں۔ مضمون کے پہلے نمبر کو پڑھ کر بعض صاحبوں نے ان پر اعتراضات کیے تھے کہ حضرت امام حسین کے اقدام کے لیے بغاوت کا لفظ کیوں استعمال کیا نیز حضرت کا بیعتِ یزید کے لیے آمادہ ہو جانا، صحابہ کا یزید سے بیعت کر لینا اور یزید کا حادثہ کربلا پر رنج کرنا کس بنا پر لکھ دیا۔ ان اعتراضات کے جو جوابات انہوں نے دیے ہیں ان میں سے ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ وہ اموی سلطنت کے طرفداروں میں ہیں۔" (ماہنامہ نگار صفحہ ۹، نومبر ۱۹۵۵ء)

اس کے بعد کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیے۔ تنقید نگار لکھتا ہے:
 "انہوں نے اپنے نزدیک امام پر بڑا احسان کرتے ہوئے آپ کی شہادت کو تسلیم کر لیا ہے مگر اس کو محض ذاتی عزت کا سوال قرار دیا ہے حالانکہ دوسری جگہ خود ان کے خیال کو باطل ٹھہرایا ہے۔ اب کیسے کس کو صحیح مانا جائے؟" (نگار ص ۲۱ - ماہ ستمبر ۱۹۵۵ء)

اخیر کی ایک عبارت اور ملاحظہ فرمائیے:

” انھوں نے اپنے ضمن میں نہایت جسارت سے حضرت کے اقدام کے متعلق بغاوت کا لفظ استعمال کیا ہے اور حیب کسی شخص نے ٹوکا تو صاف صاف اظہارِ ندامت کے بجائے تاویلِ رکیک کی آڑ لی ہے۔“ (دیکھا ص ۲۲)

ستمبر ۱۹۵۵ء

اب آپ اپنا حافظہ ذرا تازہ کر لیجئے اور عباسی کی ”خلافتِ معاویہ و یزید“ اور تبلیغی جماعت کے آرگن ”الفرقان“ لکھنؤ بابت ماہ اگست و ستمبر ۱۹۵۵ء کے مضامین و اقتباسات پر ایک منصفانہ نظر ڈال کر فیصلہ کیجئے کہ یزید کی ظہارت و بے گناہی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی تعصیر و خطا ثابت کرنے کے لیے عباسی نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے کیا یہ وہی خیالات نہیں ہیں جنہیں آٹھ سے پانچ سال پیشتر دیوبندی جماعت کے ایک ذمہ دار حلقہ نے شائع کیا تھا۔ یہاں تک کہ ”الفرقان“ کے یہ مضامین پڑھنے کے بعد ٹھیک غم و غصہ کے یہی تاثرات اس وقت بھی ذہن میں پیدا ہوئے تھے جو آج ”خلافتِ معاویہ و یزید“ کے مطالعہ سے عام افہام میں پسپا ہو رہے ہیں۔

تجربات و تاثرات کی شہادت کے بعد اب اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے کہ دونوں تحریروں میں ایک ہی تخیل، ایک ہی طرزِ استدلال، ایک ہی اندازِ بیان، ایک ہی سب و لہجہ اجمال و تفصیل کے ساتھ مشترک ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ”الفرقان“ کی شقاوت کا احساس اس وقت ایک خاص حلقہ میں محدود ہو کر رہ گیا تھا اور آج عباسی کا فسائد بدبختی نگر میں پھیل گیا ہے۔

اب میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ یزید کی حمایت میں دیوبندی جماعت کے تبلیغی آرگن ”الفرقان“ کی گرم جوش سبقت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جارحانہ شہادت کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور پھر کیا اس خوش فہمی کے لیے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ ”خلافتِ معاویہ و یزید“ ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں ہے۔

زنتھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

دیوبندی جماعت کی طرف سے یزید کی حمایت اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جارحانہ خیالات کا قصہ اتنے پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس جذبہ میں وہ اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ انہوں نے امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقدام سے بیزاری و ناراضی کا رشتہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑ دیا ہے الامان والحفیظ۔

ملاحظہ فرمائیے اخبار ”النجم“ لکھنؤ جس کے ایڈیٹر دیوبندی جماعت کے امام مولوی عبدالشکور کاکوری ہیں۔ ۱۰ محرم ۱۳۵۶ھ کو ایک کربلا نمبر شائع ہوا تھا اس میں مضمون نگار باغیانِ خلافت کے خلاف وعیدِ عذاب اور عقوبت و سزا والی حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

”بقیہ تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرح یزید کی مخالفت پر رضامند نہ تھے۔“ (النجم، لکھنؤ صفحہ ۲۵)

معاذ اللہ! یزید کی حمایت میں ذرا اس تحریر و افراط پر دازی کی ناپاک جسارت ملاحظہ فرمائیے۔ اس مفتری و کذاب کا مقصد یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کی مخالفت کر کے اپنے نانا جان سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کر دیا۔ ذرا غور فرمائیے، امام حسین رضی اللہ عنہ کے قلبِ نازک پر اس سے بھی زیادہ دردناک اذیت کی کوئی چوٹ لگانی جا سکتی ہے؟ نعوذ باللہ من شرور انفسہم۔

آگے چل کر مضمون نگار نے چند وہ حدیثیں نقل کی ہیں جن کا مفاد یہ ہے کہ جب بندوں میں اللہ کی نافرمانی بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بادشاہوں کے دلوں کو قہر و غضب اور سخت گیری کے ساتھ ان کی طرف پھیر دیتا ہے اور وہ انہیں طرح طرح کے عذاب میں مبتلا کرتا رہتا ہے۔

ان حدیثوں کے بیان کرنے کے بعد نتیجہ کے طور پر اخیر میں لکھتا ہے:

”یزید کو جو اس وقت کے مسلمانوں پر ایک عذابِ الہی کا نمونہ تھا برگز
برگز برا کہنے کی اجازت نہیں۔“ (النجم صفحہ ۲۶)

اس عبارت سے نامراد کی مراد یہ ہے کہ معاذ اللہ اس وقت صحابہ کرام اور اہلبیت میں خدا کی نافرمانی اس قدر بڑھ گئی تھی کہ خدا نے ان کی تعزیر و عتاب کے لیے یزید کو ان پر مستط کر دیا تھا۔

ایمان و عقیدت کی اسپرٹ میں غور فرمائیے! یہ ہیں دیوبندی جماعت کے وہ جارحانہ خیالات جن کے آگے عباسی کی شقاوت بھی ہاتھ باندھے کھڑی ہے اور یہ جلد تو بار بار پڑھنے کا ہے کہ:

”یزید کو برگزبرگز برا کہنے کی اجازت نہیں“

بے لاگ ہو کر اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اتنا سب کچھ منظر عام پر آ جانے کے بعد بھی کیا اس باب میں دیوبندی جماعت کا مسلک و عقیدہ معلوم کرنے کے لیے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ ”خلافت معاویہ و یزید“ ان کے جماعتی مسلک و اعتقاد کی ترجمان نہیں؛ ضرور نہ تھی دل میں تو کیوں آئی زباں پر

شہید کر بلا شہزاد و گنگووں قبائلینا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق دیوبندی جماعت کے یہ جارحانہ خیالات کچھ نئے نہیں ہیں ان کے مذہبی اکابر و اسانغرنے اپنی تسنیفات میں نہایت شد و مد کے ساتھ اپنے تابعین کو امام عالی مقام کی بارگاہ اطہر میں خراج ثواب و نذر عقیدت تک پیش کرنے سے منع کیا ہے۔

جدبہ شقاوت کی انتہا یہ ہے کہ یہ لوگ عشرہ محرم میں امام عالی مقام کی صحیح سرگزشت تسلیم و رضا اور تذکرہ واقعات کر بلا کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھتے ہیں۔

توالد کے لیے دیکھئے دیوبندی جماعت کے امام اعظم مولوی رشید احمد گنگوہی کی فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم صفحہ ۱۵۳ و حصہ سوم صفحہ ۱۱۔

خالی الذہن ہو کر غور کرنے کے بعد اس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یا تو یہ لوگ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم المرتبت شہادت کو شہادت ہی نہیں سمجھتے بلکہ خروج و بغاوت کی شرعی تعزیر گردانتے ہیں یا پھر یزید کے جدبہ حمایت میں یہ اتنا بھی برداشت نہیں کر سکتے

کہ امام واجب الاحترام کی دردناک مظلومی اور رقت انگیز واقعہ شہادت کا اظہار کر کے یزید کے مظالم و شقاوت کی داستان منظر عام پر لائی جائے۔

بہر حال جو وجہ بھی ہو اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ان لوگوں نے اپنے اس جذبے کی شدت میں اتنا غلو کر لیا ہے کہ اب یہ ان کا مذہبی عقیدہ بن چکا ہے جس پر یہ مسلح ہو کر خانہ جنگی تو کر سکتے ہیں لیکن رجوع نہیں کر سکتے۔

غور فرمائیے حضرت امام حسین و اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق ان کا یہ جارحانہ عقیدہ جسے سلف سے لے کر خلف تک سب نے اپنا مذہبی شعار بنا لیا ہے۔ واضح طور پر معلوم ہو جانے کے بعد بھی کیا اس بات میں ان کا اعتنادی موقف معلوم کرنے کے لیے اب مزید کسی رائے کا انتظار باقی ہے اور پھر کیا اس خروش فہمی کے لیے اب بھی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ "خلافت معاویہ و یزید" ان کے جماعتی عقیدہ کی ترجمان نہیں ہے؟

اس حقیقت سے غالباً آپ بھی اختلاف نہیں کریں گے کہ حالات کے دباؤ سے رائے عامہ کی تائید کو مسک و عقیدہ نہیں کہا جاسکتا البتہ وقت کے تقاضوں کے مطابق اسے عاقبت اندیش اقدام کہنا صورت حال کی صحیح تعبیر ہو سکتی ہے۔

مثال کے طور پر حکومت دہلی اور ریاست بنگال کے جن غیر مسلم سربراہوں نے کتاب "خلافت معاویہ و یزید" کو ضبط کر کے نفرت اور ندمت کا اظہار کیا ہے ان کے متعلق یہ کہنا فاش غلطی ہے کہ یہی ان کا عقیدہ و مسک بھی ہے۔

اس سلسلہ میں زیادہ سے زیادہ صحیح بات جو کہی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے کتاب کو ضبط کر کے رائے عامہ کے جذبات کا احترام کیا ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ہے، جب دیوبند کے کتب فروشوں نے جو عقیدتا بھی دیوبندی ہیں کتاب کی اشاعت میں حصہ دار بن کر مارکیٹ تک اسے پہنچایا تو اس وقت یہ خاموش تھے جب دیوبند کے ماہناموں "تجلی" اور "اسلامی دنیا" نے اس کی تائید میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے تو اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔ جب دیوبندی جماعت کے آرگن "الجمعیۃ" دہلی نے کتاب کی حمایت میں اپنا گراہ کن تبصرہ شائع کیا تو

اس وقت بھی یہ خاموش رہے۔

غرض دارالعلوم دیوبند کے پس دیوار سے لے کر لکھنؤ تک شہید کربلا کے خلاف جارحانہ نعرے بلند ہوتے رہے اور ان کے قلم کو جنبش تک نہ ہوئی اور نہ ہی ان کے عقیدے کو ٹھیس لگی بلکہ پورے سکون قلب کے ساتھ یہ آل رسول کی بھیمتی کا تماشا دیکھتے رہے۔

لیکن کتاب کی اشاعت میں دیوبند کے کتب فروشوں، دیوبند کے ماہناموں تبلیغی جماعت کے آرگن "الفرقان" اور روزنامہ "الجمعیۃ" کی سرگرمیوں کے نتیجے میں جب رائے عامہ دیوبندی مکتبہ خیال کے حق میں مشتعل ہونے لگی تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم صاحب کو اپنے ادارے کا مفاد خطرے میں نظر آیا اور فوراً انہوں نے اپنے عقیدہ و مسلک کی صفائی میں ایک قرارداد منظور کر کے ملک میں شائع کر دیا قرارداد کی عبارت پڑھنے کے بعد ہر شخص یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گا کہ اس کے پس منظر میں حمایت حق کی بجائے اپنی صفائی کا جذبہ واضح طور پر کارفرم قرار داد کا یہ جھٹہ غور سے پڑھیے جو ۲۴ نومبر ۱۹۵۹ء کو دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ میں منظور کی گئی :-

" دارالعلوم دیوبند کا یہ شاندار اجلاس جہاں اس کتاب کی اپنی بیزارگی کا اظہار کرتا ہے وہیں وہ ان مضمریوں کے خلاف بھی نفرت و بیزارگی کا اعلان کرتا ہے جنہوں نے اپنی کذب بیانی سے اس کتاب کی تصنیف و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ دکھلا کر اور اسے علمائے دیوبند کی تصنیف باور کرانے کی سعی کر کے انتہائی دیدہ دلیری سے "دروغ گویم پر رومے تو" کا ثبوت دیا ہے اور اس حیلہ سے علمائے دیوبند کی پوزیشن کو مجروح کرنے کی ناپاک سعی کی ہے " (پیام مشرق ۲۱ نومبر ۱۹۵۹ء دہلی)

اگر واقعی کتاب کی طباعت و اشاعت میں علمائے دیوبند کا ہاتھ نہیں ہے اور فی الحقیقت وہ اسے اپنے مسلک و عقیدہ کے خلاف سمجھتے ہیں تو حق کی حمیت کے نام پر قاری طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اسباب جرم کی فراہمی اور اس کی تائید بھی جرم ہے :- کے اصول پر لکھے ہاتھوں بھٹانوی صاحب کے خلیفہ مولوی عبدالماجد دریا بادی —

مکتوبات مولوی حسین احمد صدر دیوبند، نجم لکھنؤ، نقیب پھلواری شریف پٹنہ، الفرقان لکھنؤ،
الجمعیۃ دہلی، فتاویٰ رشیدیہ، ماہنامہ تجلی اور اسلامی دنیا دیوبند کے خلاف بھی اسی طرح اپنی
نفرت و بیزاری اور غم و غصہ کی ایک قرارداد منظور کر کے ملک میں شائع کر دیں کیونکہ ان میں
سے بعض نے کتاب کی ترتیب و تدوین، مواد کی فراہمی، طباعت، اشاعت، تائید میں بعنوان
مختلف حصہ لیا ہے اور بعضوں نے اس طرح کے جارحانہ خیالات اپنی تحریروں میں پیش کیے
ہیں جیسا کہ ان کی تفصیلات گزشتہ اوراق میں سپرد قلم کر چکا ہوں۔

اگر مہتمم صاحب ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں
کر سکیں گے تو انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ زیادہ دنوں تک وہ عوام کی آنکھوں میں دھول نہیں
تھوبک سکتے۔ کتاب سے بیزاری کے نتیجے میں یہ لازمی مطالبہ پورا نہ ہوا تو عوام یہ فیصلہ کرنے
میں قطعاً حق بجانب ہوں گے کہ قرارداد کا مقصد حمایت حق میں نہیں ہے بلکہ محض دارالعلوم
دیوبند کے مالی مفاد کی خاطر عوام کی توجہات کو ٹوٹنے سے بچانا ہے جیسا کہ پڑوس میں رہنے
والے ایک واقف کار دیوبندی فاضل نے خود اس کی شہادت دی ہے۔ والفضل ما
شہدت بہ الاعداء۔

”ظاہر ہے کہ جس ادارے کا مدار ہی قوم کے چندے پر ہوا سے حکمت و
مصلحت کی نوک پلک درست رکھنی ہی چاہیے۔“ ماہنامہ تجلی دیوبند،

دسمبر ۱۹۵۶ء صفحہ ۱۹

یہی نہیں دارالعلوم دیوبند کے مزاج شناس حلقوں کا تو یہاں تک کہنا ہے کہ آج
رے عام امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت میں ہے، اس لیے مصلحت کا تقاضا یہ ہے
کہ مزید کے حامیوں کی مذمت میں قرارداد شائع کی جائے۔ کل اگر خدا نخواستہ رائے عامہ مزید
کی حمایت میں پلٹ جائے تو دارالعلوم کے ارباب حل و عقد کے لیے قطعاً کوئی امر مانع نہ ہوگا
۔ وہ اسی لب و لہجہ کے ساتھ حامیان حسین کی مذمت میں قرارداد منظور کر لیں۔ حوالے کیلئے
ذیل کا اقتباس پڑھیے :

”وہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نہایت ضابط و متحمل ہیں انہیں جذبات پر

حیرت انگیز حد تک قابو ہے۔ وہ جب چاہیں، جس موضوع پر چاہیں ایک ہی لب و لہجہ میں بات کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ کل اگر مصالِح کا تقاضا یہ ہو کہ اس قرارِ داد کے بالکل برعکس تجویزِ پاس کی جائے تو ان کا قابو یافتہ قلم اسے بھی نہایت اطمینان سے اسی خوشگوار لب و لہجہ میں مثبت قرطاس کر دینگا۔
(ماہنامہ تجلی، دسمبر ۵۹ء، ص ۹ دیوبند)

شائبش! اسلام میں جس خصمت کو منافقت سے تعبیر کیا گیا ہے اسے دیوبندی فاضل اپنے مہتمم صاحب کے محاسن میں شمار کر رہے ہیں۔ کا

خیال کن زگلستاں من بہار مرا

ویسے بھی ان حضرات کے یہاں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دارالعلوم دیوبند کے مفاد اور جماعت کی مصلحت پر وہ اپنے مسلک و عقیدہ کا خون کرنے کے عادی ہیں۔ حد یہ ہے کہ فریب خوردہ عوام کے دلوں پر اپنا قبضہ باقی رکھنے کے لیے منہ بولا شرک و بدعت تک وہ خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کر لیتے ہیں۔

ویسے عام حالات میں تو وہ مومنین کے آقا سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کے اعتراف میں اپنا دل صاف نہیں رکھتے لیکن جب کبھی جماعت کی مصلحت داغی ہوتی ہے تو ان کی توصیف و ثنا کے لیے اپنے دل پر جبر بھی کر لیتے ہیں۔

چھوٹوں کی نہیں ان کے بڑوں کی باتیں کر رہا ہوں۔ اشرف السوانح کے مؤلف دارالعلوم دیوبند کے ایک جلسہ دستار بندی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے پیر مغال مولوی اشرف علی تھانوی کے متعلق لکھتے ہیں:

دارالعلوم دیوبند کے بڑے جلسہ دستار بندی میں بعض حضرات اکابر نے ارشاد فرمایا کہ اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے حضور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل بیان کیے جائیں تاکہ اپنے مجمع پر جو دہابیت کا شبہ ہے وہ دور ہو یہ موقع بھی اچھا ہے کیونکہ اس وقت مختلف طبقات کے لوگ موجود ہیں۔ حضرت والا (تھانوی صاحب) سے باادب عرض کیا کہ اس کے لیے روایات کی ضرورت ہے

اور وہ آیات مجھ کو مستحضر نہیں، (اشرف السوانح ج ۱ ص ۷۶)

”ذرا اپنی جماعت کی مصلحت کے لیے“ کا فقرہ ذہن پر زور دے کر پڑھیے اور سوچیے کہ یہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر کے ہمارے ساتھ کتنا سنگین مذاق کر رہے ہیں۔ بے چارہ عجاسی تو بے نقاب ہو کر منظر عام پر آیا اور پٹ گیا۔ ہندوپاک کی کئی کروڑ مسلم آبادی اس کے منہ پر تھوک چئی اور آپ بھی ”کربلا کا مسافر“ کے ذریعہ اس کی گھائل پشت پر تازیانے رسید کر رہے ہیں لیکن دیوبند کے یہ بازگیر جو اپنے چہروں پر خوبصورت نقاب ڈالے مسلم آبادیوں میں پھر رہے ہیں کوئی انہیں کیوں نہیں چوراسے پرکھڑا کر دیتا۔

رسول اور آل رسول کی حرمت والے مرٹنے والے اگر شخصیت سے مرعوب نہیں ہیں تو ان کا کریماں کیوں نہیں تھامتے۔ ایک طرف یزید کے حامیوں سے ان کے ساز باز ہیں دوسری طرف امام حسین رضی اللہ عنہ کے نیاز مندوں میں بیٹھ کر یہ آنسو بہاتے ہیں۔ ایک طرف یہ صحابہ و اہلبیت کے مزارات سمار کر دینے پر صحرائے نجد کے درندوں کو مبارکباد پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف درگاہوں کی مجاوری کے لیے ہر جگہ سازشوں کا جال بچھاتے پھرتے ہیں۔ آخر مکر و فریب کی یہ تجارت کب تک نفع بخش رہے گی اور پس پردہ منافقت کا یہ کھیل کب تک کھیلا جاتا رہے گا۔

برصغیر ہند کی ساڑھے سترہ کروڑ مسلم آبادی میں سے کوئی بے لاگ صاحب نظر جوان کے نفاق کا دامن چاک کر کے انہیں بے پردہ کر دے؟

شدتِ غم سے چھلک آئے ہیں آنسو ورنہ

مدعا میرا نہیں آپ سے شکوہ کرنا

غلط فہمیوں کا ازالہ

منظور ہے گزارش احوال واقعی اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے
 محمود عباسی کی رسوائے زمانہ کتاب "خلافت معاویہ و یزید" نظریاتی دنیا میں موضوع
 بحث بن چکی ہے۔ درس گاہ۔ خانقاہ۔ کالج اور یونیورسٹی سے لے کر قہوہ خانہ۔ ہوٹل
 اور بازار کے چوراہے تک اس کا تذکرہ ہے۔ حد تو یہ ہے کہ چند خانہ کے افسی اور
 پھڑپھڑ باز بھی اسی کو تختہ مشق بناتے ہیں جس کو دیکھ کر عام ذہنوں پر یہ دباؤ پڑ رہا ہے کہ
 ہونہ ہو کوئی بہت ہی معرکہ آلا تصنیف ہے بعض سطح بین حضرات تو یہاں تک کہ
 گزرتے ہیں کہ آج تک ایسی مدلل و محقق کتاب لکھی ہی نہیں گئی جس نے بڑی
 دیدہ ریزی اور کاوش نظری کا مظاہرہ کیا ہے۔ ہر چند سطر بعد تاریخ و احادیث کی
 شہادت موجود ہے وغیرہ وغیرہ گویا یہ ہے اس کتاب کے بارے میں ایک رائے عامہ۔
 ۱۱ دوستو! یہ سراسر دھوکا ہے آپ کی مثال تو ایسی ہی ہے جس نے دُور سے ساحل
 کی ریت کو بہتا ہوا پانی اور دیکتے ہوئے انکارے کو شاداب پھول سمجھ رکھا ہو۔ لیکن
 حقیقت اس وقت بے نقاب ہوتی ہے جب انکارے کو ہتھیلی پر رکھا جائے اور ریت
 کو گلے سے نیچے اتارنے کی کوشش کی جائے۔ بالکل یہی حال اس رسوائے عالم کتاب
 کا ہے! فارسی و عربی سے نا آشنا یا سطحی نظر سے مطالعہ کرنے والا حوالہ جاست کی
 کثرت و بہتات دیکھ کر مرعوب ہو جاتا ہے۔ یہ تو آپ کا روزمرہ ہے کہ دھات کے
 سنہرے ٹکڑے پر عوام ہی کی نہیں بلکہ خواص کی نظریں بھی دھوکا جاتی ہیں یہ پرکھنا آسان
 نہیں ہوتا کہ یہ ٹکڑا پتیل ہے یا سونا تا وقتیکہ کسوٹی پر اس کو پرکھ نہ لیا جائے ایسے ہی
 ہر وہ کتاب جس میں آیات قرآنی، احادیث نبوی، تاریخی روایات اور اقوال ائمہ کی شہادتوں

کا ایک سیل رواں ہو۔ محض اتنی سی بات اس کتاب کی حقانیت و صداقت کی ضمانت نہیں تا وقتیکہ اس کو عقل کے ترازو پر تول نہ لیا جائے اور نقل کی کسوٹی پر پرکھ نہ لیا جائے کیا ایک واعظ کا یہ پسند و موافقت آپ کے ایمان کو مطمئن کر سکے گا کہ تم لوگ نماز مت پڑھو کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے "لا تقربوا الصلوٰۃ" اسے لوگو نماز کے قریب مت جاؤ۔ یہ سن کر آپ کا ایمان سہم جائے گا اور مساجد کو آپ مقفل کر دیں گے یا آپ کے جو خش اسلام کو غیرت آئے گی اور آگے بڑھ کر آپ واعظ کا گریبان ہتھام کر یہ فرمائیں گے کہ اے ناصح محترم ہمیں قرآن کی عظمت و حرمت کا اعتراف مگر اللہ قرآن اور نماز کا مذاق نہ اڑائیے اگر آپ کو نماز نہیں پڑھنی ہے تو کھلے بندوں اور علی الاعلان اپنے بے نمازی ہونے کا ڈھنڈورا پیٹیں لیکن قرآن حکیم کی آیت کریمہ کو تو مروڑ کر یا اس میں کتر بیونت کر کے اپنی بے عملی کی دلیل نہ بنائیے۔

اب اس کے بعد آپ قرآن مجید کی پوری آیت پڑھ کر اصلاح فرمائیں گے کہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتوسکارسى۔ یعنی تم لوگ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جانا۔ اب میں آپ کا انصاف چاہتا ہوں کہ واعظ نے اپنے دعویٰ کی دلیل میں قرآن ہی کا ایک ٹکڑا پیش کیا تھا مگر آپ قرآن کا نام سن کر مرعوب نہ ہوئے۔ آخر آج آپ کی غیرت ایمانی کہاں سوکئی ہے کہ علم و ادب کی بھرپور محفل میں حدیث و تاریخ کا سہارا لے کر کٹ جھتی اور بے حیائی کا سنگنا چھو رہا ہے اور آپ کی عقل محو تماشہ ہے۔

یزید کو متقی و پرہیزگار اور سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ کو باغی ثابت کرنے کیلئے تاریخی روایات کا انبار اکٹھا کر کے آپ کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے اور آپ ہیں کہ اس کو تحقیق و ریسرچ کا مرتبہ دے رہے ہیں آپ کیوں نہیں کہہ دیتے کہ اگر تم یزید ہی کے ساتھ اپنا حشر چاہتے ہو تو ڈنکے کی چوڑ پر کھو مگر اپنے جھوٹے اور بے بنیاد دعوے کی دلیل میں تاریخ و سنت کو نہ پیش کرو۔ چند صفحات پر پھیلی ہوئی کتاب کی سٹری گلی روایتوں کو دیکھ کر آپ کا ذہن بو جھل ہو گیا اور نہ جانے کتنوں کے دماغ کی چول کھسک گئی اور وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ عباسی نے تحقیق و ریسرچ کا حق ادا کر دیا ہے۔ تحقیق و تدقیق کا حق

تو نہ ادا ہوا البتہ دروغ بیانی، افتزار پرداز، بہتان تراشی اور جعل سازی میں مؤلف نے اپنی مثال قائم کر دی اب آگے عام مزیدی جیسے نہ جانے کتنے اس طرز تحریر اور اسلوب بیان کو اپنانے کی کوشش کریں گے۔

مصنّف سے ایک بھڑول ہوئی اگر وہ کتاب کے سرورق پر لکھ دیتا کہ اس میں جتنے بھی نام اور جس قدر حوالہ جات ہیں وہ سب فرضی اور اختراعی ہیں تو آج اس کی کتاب تیر ملامت کا نشانہ نہ بنتی بلکہ الف بیلی، کھیلہ دمنہ اور طلسم جوٹہ یا جیسی کتابوں کی صفت میں رکھی جاتی اور آج کلکتہ اور ممبئی کی اصطلاح میں ایسے مصنّف کو بندل باز کہنے کی بجائے افسانہ نویس اور ناول نگار کہا جاتا۔ پہلی غلطی تو اس کتاب کے بارے میں یہ ہے کہ حوالہ جات کی کثرت سے ذہن مرعوب ہوا ہے۔

اور دوسری غلطی یہ ہے کہ کتاب کی شہرت سے بعض لوگوں کا ذہن وسکرتا ہے۔ ایسے سادہ لوح حضرات سے بس اتنی سی بات، عن کرنی ہے کہ اگر کسی کتاب کی شہرت اس کے حق بجانب اور عمدہ تحقیق ہونے کی ضمانت ہے تو اب سے تقریباً نصف صدی پیشتر، زکیلا رسول جیسی رسوائے عالم کتاب لکھی گئی تھی جس کی اشاعت پر ہندوستان کا غیرت مند مسلمان ہتھیلی پر سر لیے کفن بردوش میدان میں اتر آیا تھا اور ملک کے طول و عرض میں اس کتاب نے تہلکہ مچا دیا تھا آخرش اس کتاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ دور نہ جائیے ابھی چند برس کی بات ہے، "ریپبلکس میڈرس" نامی رسوائے عالم کتاب کی اشاعت پر ملک کے گوشے گوشے میں احتجاجی جلسے ہوئے، ایچی ٹیشن کیا گیا اور حکومت سے اس کی ضبطی کا مطالبہ کیا گیا جس کی پاداش میں جناب کے یہ مسٹی کر اتر پردیش کی گورنری سے ہاتھ دھونا پڑے اور بھارت کی سیکولر حکومت نے اس کتاب کو غیر آئینی قرار دے کر اپنی انصاف پسندی اور جمہوریت نوازی کا ثبوت دیا۔ اب آپ فرمائیں "ریپبلکس میڈرس" نامی کتاب کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا وہ یہی ریسرچ اور تحقیق جدید کا اعلیٰ نمونہ تھی اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً ہے تو کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر فرمائیے کہ خلافت معاویہ و یزید جیسی چھوٹے اور گندہ کتاب کے بارے میں آپ کی سر د مہری

کے کیا معنی ہیں؟ کیا کوئی مسلمان اہل بیت کے بارے میں ایسی ناروا جسارت برداشت کر سکتا ہے جس کو عباسی کے آوارہ قلم نے تحریر کر کے تحقیق کے نام سے پیش کیا ہے؟ اگر اس کے باوجود کوئی اس کتاب کو شاہکار قلم سمجھے تو اس کے سوا اور کیا کہا جائے؟

خرد کا نام جنوں پڑ گیا جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز مئے
اب ایک ڈھکی چھپی حقیقت کی طرف آپ کی توجہ دلائی جاتی ہے جس پر وقت کی
بجا ہی اور شورش پسندوں کے شور و غوغا نے ایک دبیز پردہ ڈال رکھا ہے۔ اے کاش
اس ملعون کتاب پر نعرہ تحسین و مرجا بلند کرنے والے کبھی اپنی حق پسند نگاہوں سے
واقعات و حالات کا صحیح جائزہ لیتے اور یہ سوچتے کہ اس کتاب کی اشاعت پر جس قدر
احتجاجی کاروائی ہو رہی ہے وہ کس بات کی ضمانت ہے؟

کیا اس بات کی کہ اس کا مصنف کوئی محقق یا مؤرخ ہے؟
نہیں اور ہرگز نہیں۔ البتہ اس کتاب کی اشاعت پر ملک کے آہ و فغاں نے یہ
ثابت کر دکھایا کہ پوری کائنات امام حسین کے غم میں مبتلا ہے۔ امام حسین کی شخصیت عظمیٰ
ہر مرد مسلم کے دل میں اپنا گھر بنا چکی ہے۔

ہم بوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے سبھی اس زلف کے اسیر ہوئے
عباسی کوئی نئی کوڑی نہیں لائے۔ اپنے ہی بزرگوں کی شطرنجی چال کو اپنا یا ہے۔
مولوی عبدالشکور لکھنوی نے جو آگ لگائی تھی اس کی دبی ہوئی چنگاریوں کو عباسی
نے ہوادی ہے۔

یہ تو ان کے اسلاف کا دستور رہا ہے کہ اگر نام پیدا کرنا ہے تو کسی بڑی شخصیت
سے ٹکراؤ دامن تاریخ پر اس کی ایک دو نہیں صد ہا مثالیں موجود ہیں۔

ابو لؤلؤ، خولی اور ابن کلبجہ وغیرہ کا نام اس لیے نہیں لیا جاتا کہ ان میں کوئی اپنے
وقت کا مفسر، محدث اور مؤرخ یا فقہیہ اعظم تھا بلکہ یہ سب کے سب ان قائدین اسلام
کے قاتل ہیں جن کی عظمت و بزرگی کا پرچم آج بھی قصر تاریخ پر لہرا رہا ہے۔ کیا ہندو پاک
کی تاریخ آپ بھول گئے؟ آخرش دونوں مملکت میں گوڈ سے اور اکبر کا نام کیوں لیا

جاتا ہے؛ کیا یہ دونوں ہندو پاک کے کوئی ممتاز لیڈر گزر سکتے ہیں؛ جو اب یقیناً نفی میں ہوگا۔ اب تو آپ نے اندازہ کر لیا کہ نام پیدا کرنے کا یہ کس قدر آسان طریقہ ہے۔ وقت کا مورخ جب کبھی بھی گاندھی جی اور نوابزادہ لیاقت علی خاں کی تاریخ مرتب کرے گا تو یہ سوانح مکمل نہ ہو سکے گی تا وقتیکہ دونوں لیڈروں کے قاتل گودسے اور اکبر کا تذکرہ نہ کیا جائے گا۔

ایسے ہی زید کی شہرت کا باعث اس کی امارت صالحہ یا اس کی معدلت گستری اور انصاف پروری نہیں ہے بلکہ اس کے دامن پر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے اور لاڈلے نواسے سرکار حسین کے خون کی چھینٹیں ہیں اور آج بھی کائنات کی نگاہ بصیرت بنو امیہ کی تلوار سے امام حسین کا ٹپکتا ہوا لہو دیکھ رہی ہے۔ صدیاں گزر گئیں مگر زیدی فوج کے ہاتھ سے خون کی وہ لالی نہ گئی جس سے کبھی وحشیوں نے میدان کربلا کو لالہ گون بنا دیا تھا۔

اب عباسی کا قلم اپنے چہیتے زید کی صفائی میں بہکا بہکا پھر رہا ہے۔ قرآن و حدیث نے تو اس کو اپنے دامن میں پناہ دی البتہ کذب و افتراء نے اس کے نوک قلم کو چرما اور مکرو فریب کی ہر روایت کو قرآن و سنت کی طرف منسوب کر دیا یا قرآن و سنت کی ہر روایت کو اپنی من گھڑت تحقیق سے داغدار کر دیا۔ یہ ہے اس کتاب کا پس منظر، ابھی نہیں یہ فیصلہ تو قیامت کے ہاتھ ہے جب حسینی قافلے کے سامنے زیدی لشکر مجرمانہ کھڑے ہو کر یہ کہتا ہوگا۔

دامن کو لیے ہاتھ میں کہتا ہے یہ قاتل کب تک اسے دھویا کروں لالی نہیں جاتی مجھے افسوس ہے کہ بات بہت پھیل گئی، خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ خلافت معاویہ و یزید وقت کی ایک انتہائی مسلم آزار دہن خراش، غیر مستند، ساقط الاعتبار اور کذب افتراء سے بھرپور کتاب ہے۔ محض کستی شہرت کمانے کی خاطر یا چاندی کے چند سکوں کی حرص و طمع میں یہ ڈراما کھیلا گیا ہے۔

اب جن کو زیدی فہرست میں اپنا نام درج کرانا ہو وہ اس کتاب کی ہاں میں ہاں

ملائیں اور جنہیں کل قیامت کی ہولناکیوں میں آل پیغمبر کے دامن میں پناہ لینی ہو وہ اس کتاب پر نفرس و ملامت کریں۔ مجھے تو ایک عاشق رسول حضرت نیاز بریلوی قدس سرہ کی یہ ادا بہت ہی پسند آئی۔ کسی نے حضرت موصوف سے عرض کی کہ یزید کے بارے میں حضرت کی کیا رائے ہے تو جواباً آپ نے فرمایا جتنی دیر یزید کے بارے میں اظہار خیال کیا جائے اس سے کہیں بہتر یہ ہے کہ اتنی دیر تک حسین حسین کہا جائے جو باعث سعادت اور موجب نجات ہے۔ اس کے باوجود اگر آج کا خارجی طبقہ آپ سے الجھتا ہے تو یہ کہہ کر آپ ان سے الگ ہو جائیے کہ

موقنا میں کسی کے دخل دینے کی ضرورت کیا قیامت پر بھی رہنے دو گے کوئی فیصلہ باقی
تم اپنی راہ چلو مجھے اپنی راہ جانے دو۔

سبُو اپنا اپنا ہے حُبام اپنا اپنا کیے جاؤئے خوار و کام اپنا اپنا
اگر یزیدیت تمہارے غرور کی شان ہے تو حسینیت ہمارے آبرو کی آن۔

★

فرات کی لہروں پر دو تہیوں کا مدفن

آج خانوان نبوت کے چشم و چراغ حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدس خون سے کونے کی سرزمین سُرخ ہو گئی تھی۔ نبی زادے کے خیر مقدم کے لیے آنکھوں کا فرش بچھانے والی آبادی اب اس کی تڑپتی ہوئی لاش کے سامنے مُسکرا رہی تھی۔

تلواروں کی دھار، برچھیوں کی انی اور تیروں کی نوک پر اب بھی خون کے نشانات موجود تھے۔ ابن زیاد کے حکم سے حضرت امام کی مقدس نعش شاہراہِ عام پر لٹکا دی گئی تھی کئی دن تک سُکتی رہی۔ نبی کا کلمہ پڑھنے والے ٹھہلی آنکھوں سے یہ ہولناک منظر دیکھتے رہے۔ آل رسول کی جان لے کر بھی شقاوتوں کی پیاس نہیں بجھ سکی۔ ہائے رے نیرنگی عامِ بزمین و آسمان کی وسعت کائنات جس کے گھر کی ملکیت تھی آج اس کی تربت کے لیے کونے میں گز بھر زمین نہیں مل رہی تھی۔

جس کی رحمتوں کے فیضان نے اہل ایمان کی جانوں کا نرخ اونچا کر دیا تھا آج اسی کے نورِ نظر کا خون ارزاں ہو گیا تھا۔ شرم سے سورج نے منہ چھپا لیا۔ فضاؤں نے سوگ کی چادر اوڑھ لی اور جب شام آئی تو کوفہ ایک بھیانک تاریکی میں ڈوب گیا تھا۔ مہمان کے ساتھ کونے والوں کی وفا قیامت تک کے لیے ضرب المثل بن گئی۔

شقاوتوں کی انتہا ابھی نہیں ہوئی تھی۔ جو رستم کی دادی میں بد بختیوں کا گھناؤنا اندھیرا اور بڑھتا جا رہا تھا۔

اچانک رات کے سناٹے میں ابن زیاد کی حکومت کے ایک منادی نے اعلان کیا۔ ”مسلم کے دونوں بچے جو ہمراہ آئے تھے کہیں روپوش ہو گئے ہیں۔ حکومت کی طرف سے ہر خاص و عام کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ جو بھی انہیں اپنے گھر میں پناہ دے گا اسے

عبرت ناک سزا دی جائے گی اور جو انہیں گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا جائے گا۔

حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دونوں یتیم بچے جن میں سے ایک کا نام محمد تھا اور ان کی عمر آٹھ سال کی تھی اور دوسرے کا نام ابراہیم تھا اور ان کی عمر چھ سال کی تھی۔ کوفے کے مشہور عاشق رسول قاضی شریح کے گھر میں پناہ گزیں تھے۔ یہ اعلان سن کر قاضی شریح کا کلیجہ ہل گیا۔ حضرت مسلم کے جگر گوشوں کا درد ناک انجام ہوں کے سامنے ناچنے لگا۔ دیر تک اسی فکر میں غلطاں رہے کہ کس طرح انہیں ظالموں کے چنگل سے بچایا جائے۔

کافی غور و خوض کے بعد یہ صورت سمجھ میں آئی کہ راتوں رات بچوں کو کوفے سے باہر منتقل کر دیا جائے۔ اضطراب کی حالت میں اپنے بیٹے کو آواز دی۔

”نہایت احتیاط کے ساتھ کسی محفوظ راستے سے بچوں کو شہر پناہ کے باہر پنچا دو۔ رات کو مدینے کی طرف جانے والا ایک قافلہ آبادی کے قریب سے گزر رہا ہے انہیں کسی طرح ان کے ساتھ لگا دو۔“

زادِ راہ مکمل ہو جانے کے بعد رخصت کرنے کے لیے دونوں بچوں کو سامنے بلایا جو بہی ان پر نظر پڑی فرطِ غم سے آنکھیں مھیک گئیں ضبط کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ منہ سے ایک چیخ نکلی اور بے تاب ہو کر دونوں بچوں کو سینے سے لگا لیا۔ پیشانی چومی، سر پر ہاتھ رکھا اور سکتے کی حالت میں دیر تک دم بخود رہے۔

باپ کی شہادت کے واقعہ سے بچے اب تک بے خبر رکھے گئے تھے۔ نہ انہیں یہی بتایا گیا تھا کہ اب خود ان کی ننھی گردنیں بھی خون آشام تلواروں کی زد پر ہیں۔ قاضی شریح کی اس کیفیت پر بچے حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے لگے۔ بڑے بھائی نے حیرانی کے عالم میں دریافت کیا۔

”ہمیں دیکھ کر گریہ بے اختیار کی وجہ سمجھ میں نہیں آرہی ہے۔ اچانک اتنی رات کو پاس بلا کر ہمارے سروں پر شفقت کا ہاتھ رکھنا بے سبب نہیں ہے۔ اس طرح کی پھوٹ پڑنے

والی ہمدردی تو ہمارے خاندان میں یتیموں کے سٹھ کی جاتی ہے۔
تیز نشتر کی طرح دل میں آر پار ہونے والا یہ جملہ ابھی ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ پھر فضا
میں ایک چرخ بند ہوئی اور قاضی شریح نے برستی ہوئی آنکھوں کے سٹھ گلوگیر آواز میں
بچوں کو جواب دیا۔

”گلشن رسول کے مکے پینچو! کلیجہ منہ کو آ رہا ہے زبان میں تاب گویائی نہیں ہے کس
طرح خبر دوں کہ تمہارے ناز کا چمن اُجڑ گیا اور تمہاری امیدوں کا آشیانہ دن دہاڑے
ظالموں نے لوٹ لیا۔“

ہائے! پردیس میں تم یتیم ہو گئے۔ تمہارے باپ کو کوفیوں نے شہید کر ڈالا اور
اب تمہاری ننھی جان بھی خطرے میں ہے آج شام ہی سے خون کے پیاسے تمہاری تلاش
میں ہیں ننھی تلواریں لیے ہوئے حکومت کے جاسوس تمہارے پیچھے لگ گئے ہیں۔
یہ خبر سن کر دونوں بچے ہیبت و خوف سے کانپنے لگے۔ ننھا سا کلیجہ سہم گیا پھولوں
کی شاداب پنکھڑی مر جھاگئی۔ منہ سے ایک چرخ نکلی اور غنش کھا کر زمین پر گر پڑے۔
ہائے رے تقدیر کا تماشہ! ابھی چند ہی دن ہوئے کہ ماں کی مامتانے پیار کی ٹھنڈی
چھاؤں میں مدینے سے رخصت کیا تھا۔ ناز اٹھانے کے لیے باپ کی شفقتوں کا قافلہ
ساتھ چل رہا تھا۔ اب نہ باپ کا دامن ہے کہ پکڑ کر محل جائیں نہ ماں کا آنچل ہے کہ سہم
جائیں تو منہ چھپالیں۔ کچی نیند سو کر اٹھنے والے اب کسے آواز دیں۔ کون ان کی پلکوں
کا آنسو اپنی آستین میں جذب کرے۔

آہ! غینچوں کی وہ نازک پنکھڑی جو شبنم کا بار بھی نہیں اٹھا سکتی آج اس پر غم کا
پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔

پردیس میں ننھی جانوں کے لیے باپ کی شہادت ہی کی خبر کیا کم قیامت تھی کہ
اب خود اپنی جان کے بھی لالے پڑ گئے تھے۔ فضائیں برہنہ لیے سر پر کھڑی تھی۔ آنکھوں کے
سامنے امیدوں کا چراغ گل ہو رہا تھا۔ قاضی شریح سے بچوں کا بلک بلک کر رونا اور
پچھاڑیں کھا کھا کر تڑپنا دیکھا نہیں جا رہا تھا بڑی مشکل سے انہوں نے تسلی دیتے ہوئے کہا

”بنو ہاشم کے نو نھالو! اس طرح پھوٹ پھوٹ کر مت روؤ۔ دشمن دیو اسے کان لگائے
 کھڑے ہیں تم اپنے باپ کی ایک مظلوم یادگار ہو۔ تاجدار عرب کی ایک مقدس امانت ہو۔
 نازک آبگینوں کو کھیں ٹھیس لگ گئی تو میں عرصہ محشر میں منہ دکھانے کے لائق نہیں ہوں گا
 اس لیے میری خواہش یہ ہے کہ کسی طرح تمہیں مدینے کے دارالامان تک پہنچا دیا جائے“
 ”اسی وقت تم دونوں رات کے سناٹے میں ہمارے بیٹے کے ہمراہ کوفے سے باہر
 نکل جاؤ اور جو قافلہ مدینے کی طرف جا رہا ہے اس میں شامل ہو جاؤ۔ اپنے نانا جان کے
 جوار رحمت میں پہنچ کر ہماری طرف سے درود و سلام کی نذر پیش کر دینا“
 ”اچھا جاؤ خدا تمہیں اپنے حفظ و امان میں رکھے“

بھگی پلوں کے سائے میں قاضی شریح نے بچوں کو رخصت کیا۔ پاسبانوں اور جاسوسوں
 کی نگاہوں سے بچھپ چھپا کر قاضی شریح کے بیٹے نے بحفاظت تمام انہیں کوفہ کی شہرینہ
 سے باہر پہنچا دیا۔ سامنے کچھ ہی فاصلے پر ایک گزرتے ہوئے قافلے کی گرد نظر آئی۔ انگلی کے
 اشارے سے بچوں کو دکھلایا۔ اشارہ پاتے ہی تیزی سے بچے قافلے کی طرف دوڑے اور
 نگاہوں سے ادھل ہو گئے۔

رات کا وقت دہشت خیز ستا، جیسا کہ اندھیرا، خوف و ہیبت میں ڈوبا ہوا ماحول
 اور آغوشِ مادر کی تازہ بچھڑی ہوئی دو جانیں، نہ ہاتھ میں عقل و شعور کا چراغ نہ ساتھ
 میں کوئی رشتہ و رہبر تھوڑی دُور چل کر راستہ بھول گئے۔

ہائے رے گردشِ ایام! کل تک جن لاڈلوں کا قدم پھولوں کی سیج پر تھا آج انہی
 کی راہ میں کانٹوں کی برچھیاں کھڑی تھیں جو اپنے نانا جان کے مزار تک بھی باپ کی انگلیوں کا
 سہارا لیے بغیر نہیں جاسکتے تھے۔ آج وہ یکہ و تنہا دشتِ غربت میں بھٹکتے پھر رہے تھے کبھی چلنے
 کی عادت نہیں تھی چلتے چلتے گر پڑتے۔ قدم قدم پر بھٹو کر لگتی، تلوؤں میں کانٹے چبھتے تو
 اُف کر کے بیٹھ جاتے۔ ہوا سنساتی تو دہشت سے کانپنے لگتے۔ پتے کھڑکتے تو نھاسا۔
 کلیجہ سہم جاتا۔ درندوں کی آواز آتی تو چونک کر ایک دوسرے سے پیٹ جاتے۔ ڈر لگتا

تو ٹھٹھک جاتے۔ پھر چلنے لگتے، کبھی ہلکے ہلکے کر ماں کو یاد کرتے۔ کبھی محل محل کر باپ کو آواز دیتے۔ کبھی حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکتے اور کبھی ڈبڈبانی آنکھوں سے آسمان کی طرف دیکھتے۔

جب تک پاؤں میں سکت رہی اسی کیفیت کے ساتھ چلتے رہے جب مایوس ہو گئے تو ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے۔

ذرا تقدیر کا تماشہ دیکھیے! کہ رات کا پچھلا پہر تھا۔ ڈھلتی ہوئی چاندنی ہر طرف بکھر گئی تھی۔ ابن زیاد کی پولیس کا ایک دستہ جو ان بچوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ گشت کرتا ہوا ٹھیک وہیں آکر رُکا جو وہی بچوں پر نظر پڑی قریب آیا اور دریافت کیا۔

تم کون ہو؟

بچوں نے یہ سمجھ کر کہ یتیموں کے تھے ہر شخص کو سہار دی ہوتی ہے اپنا سارا حاصل صاف صاف بیان کر دیا۔

ہائے رے بچپن کی معصومی! ان بھولے بھالے نونہالوں کو کیا خبر تھی کہ وہ خون کے پیاسوں کو اپنا پتہ بتا رہے ہیں؟

یہ معلوم ہونے کے بعد کہ یہی حضرت مسلم کے دونوں بچے ہیں۔ جلادوں نے انہیں گرفتار کر لیا۔ مشکیں کھیں اور گھیسٹے ہوئے اپنے ہمراہ لے چلے۔

یہ دردناک منظر دیکھ کر ڈوبتے ہوئے تاروں کی آنکھیں جھپک گئیں۔ چاند کا چہرہ فق ہو گیا۔ شدت کرب سے ابن عقیل کے یتیم بلبلا اٹھے۔ دل بلا دینے والی ایک فریاد صحرا میں گونجی۔

”ہم ابن باپ کے بچے ہیں۔ ہماری یتیمی پر رحم کرو۔ رات بھر چلتے چلتے پاؤں میں پھالے پڑ گئے۔ ہماری مشکیں کھول دو۔ اب اذیت برداشت کرنے کی سکت باقی نہیں ہے۔ نانا جان کا واسطہ ہمارے گھائل جسم پر ترس کھاؤ۔ سنسان جنگل میں یتیموں کی فریاد سن لو“

اس نالہ درد سے دھرتی کا کلیجہ بل گیا۔ لیکن سنگ دل اشیقار ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔ ترس کھانے کے بجائے ظالموں نے فرط غضب میں پھول جیسے رخساروں

پر طمانچہ مارتے ہوئے جواب دیا۔

”تمہاری تلاش میں کئی دن سے آنکھوں کی نیند اڑ گئی ہے۔ کھانا پینا حرام ہو گیا ہے اور تم راہ فرار اختیار کرنے کے لیے جنگل جنگل پھرتے پھر رہے ہو جب تک تم کیف کر دو اور تک پہنچ جاتے تم پر رحم نہیں کیا جائے گا“

طمانچوں کی ضرب سے نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی صورتیں ماند پڑ گئیں اور چہرے پر انگلیوں کے نشانات ابھر آئے۔

رونے کی بھی اجازت نہیں تھی کہ دل کا بوجھ ہلکا ہوتا۔ ایک گرفتار بچی کی طرح سسکتے، لوزتے، کانپتے، سر جھکائے شکنجے میں کسے قدم قدم پر جفا کاروں کے ظلم و ستم کی چوٹ کھاتے رہے۔

اب امید کا چراغ گل ہو چکا تھا، دل کی آس ٹوٹ چکی تھی۔ سب کو آواز دے کر تھک چکے تھے کہیں سے کوئی چارہ گر نہ آیا۔ بالآخر ننھا سا دل مایوسیوں کے ساتھ ساتھ اٹھا ہا ساگر میں ڈوب گیا۔

اب موت کا بھیانک سایہ دن کے اجالے میں نظر آ رہا تھا۔ اسی عام یا س میں وہ کشاں کشاں خوف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اپنے مستقر پر پہنچ کر سپاہیوں نے ابن زیاد کو خبر دی۔

حکم ہو تو بچوں کو قید خانے میں ڈال دیا جائے اور جب تک دمشق سے کوئی اطلاع نہیں آ جاتی کڑی نگرانی رکھی جائے۔

حکومت کے سپاہی ابن زیاد کی ہدایت کے بموجب دونوں بچوں کو داروغہ جیل کے حوالے کر کے چلے گئے۔ داروغہ نہایت شریف النفس اور دل سے جاں نثار اہل بیت تھا اس نے نہایت عقیدت و محبت کے ساتھ ہاشمی شہزادوں کی راحت و آسائش کا انتظام کیا۔

دو پہر رات گذر جانے کے بعد اپنی جان پر پھیل کر اس نے دونوں شہزادوں کو جیل سے باہر نکالا اور اپنی حفاظت میں قادیسیہ جانے والی سڑک پر انہیں پہنچا کر ایک انگوٹھی

دی اور اپنے بھائی کا پتہ بتاتے ہوئے کہا کہ قادیسیہ پہنچ کر تم اس سے ملاقات کرنا اور بطور نشانی یہ انگوٹھی دکھانا وہ بحفاظت تمام مدینہ پہنچا دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے پتھوں کو رخصت کیا۔

قادیسیہ کی طرف جانے والا کارواں کچھ ہی دور پر تیار کھڑا تھا۔ بچے بے تسماشا اس کی طرف دوڑے، لیکن نوشتہ تقدیر نے پھر یہاں اپنا کرشمہ دکھایا۔ پھر گھٹا کی اوٹ سے نکلا ہوا سورج گہنا گیا۔ پھر مدینہ کے ان ننھے مسافروں کو دشتِ غربت کی بلاؤں نے آگے گھیر لیا۔

پھر کچھ دور چل کر راستہ بھٹک گئے۔ قافلہ نظر سے اوجھل ہو گیا۔ پھر رات کا وہی بھیانک سناٹا، وہی خوفناک تاریکی، وہی سُتھان جنگل، وہی شامِ غربت کا ڈراؤنا خواب، ہر طرف خونِ آشام تلواروں کا پہرہ قدم قدم پر دہشتوں کا سایہ! چلتے چلتے پاؤں شل ہو گئے۔ تلوؤں کے آبلے پھوٹ پھوٹ کر بہنے لگے۔ روتے روتے آنکھوں کا چشمہ سوکھ گیا۔

صبح ہوئی تو دیکھا کہ جہاں سے رات کو چلے تھے گھوم پھر کر وہیں موجود ہیں۔ ہائے بے تقدیر کا چکر! اس دنیا سے کیرے مکوڑے اور چرند پرند تک کا اپنا رین بسیرا ہے لیکن خاندانِ نبوت کے دو ننھے یتیموں کے لئے کہیں پناہ کی جگہ نہیں ہے۔ جب سویا ہو گیا اور ہر طرف لوگوں کی آمدورفت شروع ہو گئی تو کل کی گرفتاری کا واقعہ یاد کر کے بچے بے قرار ہو گئے۔ دشمن کی نظر سے چھپنے کے لئے ہر طرف نظر دوڑائی لیکن چٹیل میدان میں کوئی محفوظ جگہ نہیں مل سکی۔

حیرانی بے چارگی، بالوسی اور خوف دہرا اس کے عالم میں دونوں بھائی حسرت سے ایک دوسرے کا منہ تکیے لگے۔

تھکا سادہ۔ کم سنی کی عقل، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں جائیں؟ کیا کریں؟ اشجہام سوچ کر آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

تھوڑی ہی دور پر ایک چشمہ بہ رہا تھا۔ بڑے بھائی نے چھوٹے سے کہا۔

”چلو وہاں ہاتھ مٹھ دھولیں۔ نسا زنجیر کا وقت بھی ہو گیا ہے خدا کی طرف سے
 اگر ہمارا آخری وقت آبی گیا ہے تو اب اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔“
 پستھے کے قریب پہنچ کر انہیں ایک بہت پُرانا درخت نظر آیا اس کا تنا اندر سے
 کھوکھلا تھا۔ پناہ کی جگہ سمجھ کر دونوں بھائی اسی میں چھپ کے بیٹھ رہے۔
 ذرا سی آہٹ ہوتی تو دل دھڑکنے لگتا۔ کوئی راہ گیر گزرتا تو دشمن سمجھ کر سہم جاتے۔
 ایک پردن چڑھنے کے بعد کوفہ کی طرف سے ایک لونڈی پانی بھرنے کی غرض سے
 پستھے کے کنارے آئی پانی میں برتن ڈبونا ہی چاہتی تھی کہ اسے سطح آب پر آدمی کا عکس
 نظر آیا۔ پلٹ کر دیکھا تو دو ننھے بچے درخت کی کھوہ میں سے ہونے بیٹھے تھے۔
 سفید پشانی سے نور کی کرن پھوٹ رہی تھی۔ لالہ کی طرح دیکھتے عارض پر موسم خزاں
 کی اُداسی چھا گئی تھی۔

لونڈی نے حیرانی کے عالم میں دریافت کیا۔ اسے گلشنِ دل ربائی کے نوشگفتہ پھولو!
 تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو؟
 ایک بار کے ڈسے ہوئے تھے۔ کچھ جواب دینے کے بجائے خوف و دہشت سے لرزنے
 لگے۔ پھوٹ پھوٹ کر بہنے والے آنسوؤں سے چہرہ شراور ہو گیا۔
 لونڈی نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔ ناز کے پلے ہوئے لاڈلو! کسی طرح کا اندیشہ نہ کرو۔
 دل سے دہشت نکال دو! یقین کرو میں تمہارے گھر کی بکارن ہوں۔ دشمن نہیں ہوں۔
 تم نہ بھی اپنا پتہ ٹھکانہ بتاؤ جب بھی تمہارا یہ نورانی چہرہ یہ سمجھنے کے لئے کافی ہے کہ
 تم بی بی فاطمہ کی جنت کے پھول ہو۔
 سچ بتاؤ! کیا تم ہی دونوں امامِ مسلم کے نونہال ہو؟ لونڈی نے چہرے کی بلائیں بیٹے
 ہونے کہا؟ فلک نشین شہزادو! کیڑے مکوڑوں کے بھٹ سے باہر نکلو۔ آؤ! میرے دل میں
 بیٹھو، آنکھوں میں سما جاؤ۔
 لونڈی کے اسرار پر بچے درخت کی کھوہ سے باہر نکلے اور ہمدرد و غم گساہ سمجھ کر اس سے
 اپنا سارا حال بیان کر دیا۔

ان کی دردناک سرگذشت سن کر لوٹدی کا دل ہل گیا۔ آنکھیں ساون بھادوں کی طرح
 بسنے لگیں۔ دل کی بے قرار کیفیت پر قابو پانے کے بعد بچوں کو چشموں کے کنارے لے گئی
 آنسو پونچھے، منہ دھلایا بالوں کا غبار صاف کیا اور انہیں دلاسا دیتے ہوئے محفوظ راستے
 سے اپنے گھر لائی۔ اس کی مالکہ بھی خاندان اہل بیت سے والہانہ عقیدت رکھتی تھی۔
 اپنی مالکہ کے سامنے دونوں بچوں کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

خوش نصیب بی بی! چمنستانِ فاطمی کے دو پھول لے کر آئی ہوں۔ یہ دونوں امامِ مسلم
 کے لاڈلے ہیں۔ بن باپ کے یتیم بچے ہیں، پر دیس میں ان کا کوئی نہیں ہے۔ ان کی بے کسی اور
 یتیمی پر ترس کھانے کے بجائے ظالم اب ان بے گناہوں کے خون کے درپے ہیں۔ خوف و
 دہشت سے ننھا سا کلیجہ سوکھ گیا ہے۔ ہاشمی گھرانے کے یہ دونوں لال ڈر کے مارے درخت
 کی ایک کھوہ میں چھپے ہوئے تھے۔

بی بی! سورج سوا نیرے پہ آگیا ہے لیکن گہوارہٴ مادر سے نکلے ہوئے ان شیر خوار
 بچوں کے منہ میں ایک کھیل بھی ابھی تک نہیں پڑی ہے۔

مالکہ یہ سارا ماجرہ سن کر تڑپ گئی۔ گریہ بے اختیار سے اس کے آنچل کا دامن بھیک گیا
 وارفتگی شوق میں بچوں کو گود میں بٹھا لیا۔ چہرے کی بلائیں لیں۔ سر پہ ہاتھ پھیرا اور نہلا دھلا
 کر کپڑے بدلوائے۔ آنکھوں میں سرمہ لگایا، زلفیں ستواریں اور کھلا پلا کر ایک محفوظ
 کوٹھڑی میں آرام کرنے کے لئے بستر لگایا۔

قدم قدم پر شفقت و پیار کا پھوٹتا ہوا سیلاب دیکھ کر غریب الوطن بچوں کو ماں
 یاد آگئی۔ یکایک ماتنا کی گود کا پلا ہوا ارمان مچل اٹھا۔ بے تاب ہو کر رونے لگے۔

پھول جیسے رخساروں پر ڈھلکنے ہوئے آنسو دیکھ کر مالکہ بے چین ہو گئی دوڑ کر سینے
 سے لپٹا لیا۔ اپنے آنچل کے پتوں سے آنسو پونچھے اور تسلی دیتے ہوئے کہا۔

آنکھ کے تاروں! اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھو! تمہارے قدموں پر میری جان نثار میری
 روح صدف ہے۔ میں جب تک زندہ رہوں گی تمہارا ہر تار اٹھاؤں گی۔ تمہارے دم قدم سے
 میرے ارمانوں کا چمن کھل گیا ہے میرے آنکھ میں چھا پھم نور کی بارش ہو رہی ہے۔

رات کی بھیانک سیاہی ہر طرف پھیل گئی تھی۔ امام مسلم کے تیمم بچوں کی تلاش میں حکومت کے باسوس اور دنیا کے لالچی کتے گلی گلی پھر رہے تھے۔ کافی دیر تک گھر کی مانگ اپنے شوہر "حارث" کے انتظار میں جاگتی رہی۔ ایک پہر رات ڈھل جانے کے بعد وہ ہانپتا کاپتا تھکا ماندہ گھر واپس آیا۔

بیوی نے حال دیکھ کر اچھینے سے پوچھا "آج اتنے پریشان و بے حال کیوں نظر آتے ہیں آپ؟"

کچھ دم لینے کے بعد جواب دیا۔

تمہیں شاید خبر نہیں ہے کہ باغی مسلم کے ہمراہ اس کے دو بچے بھی آئے تھے۔ کئی دن تک وہ کوفہ میں روپوش رہے۔ پوسوں صبح کو مدینے کی طرف جانے والے راستے کے قریب انہیں گرفتار کر کے جیل میں ڈال دیا گیا۔ کل رات کے کسی جھٹے میں واروغہ جیل کی سازش سے وہ فرار ہو گئے۔

ابن زیاد کی طرف سے عام منادی کر دی گئی ہے کہ جو انہیں پکڑ کر لایگا اسے منہ مانگا انعام دیا جائے گا۔

وقت کا سب سے بڑا اعزاز حاصل کرنے کے لئے اس سے زیادہ اچھا موقع اب ہاتھ نہیں آئے گا بیگم؟

صبح سے انہی بچوں کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ دوڑتے دوڑتے بُرا حال ہے ابھی تک کوئی سراغ نہیں لگ سکا۔

حارث کی بات سن کر بیوی کا کلیجہ دھک سے ہو گیا۔ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھانے لگی۔ مسور کر دینے والی ایک ادائے دلبرانہ کے ساتھ اس نے اپنے شوہر کو سمجھانا شروع کیا۔

"ابن زیاد آل رسول کا خون ناحق بہا کر اپنی عاقبت برباد کر رہا ہے۔ دنیا کی آسائش چند روزہ ہے۔ انعام کی لالچ میں جہنم کا ہولناک عذاب مت خریدیے!"

ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنے اکل میدانِ حشر میں رسولِ خدا کو ہم کیا منہ دکھائیں گے۔

حادث کا دل پوری طرح سیاہ ہو چکا تھا بیوی کی باتوں کا کوئی اثر اس کے دل پر نہیں ہوا۔
بھنبھلاتے ہوئے جواب دیا۔

” نصیحت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ عاقبت کا نفع نقصان میں خود سمجھتا ہوں
میرا ارادہ اٹل ہے۔ اپنی جگہ سے کوئی بھی مجھے نہیں ہٹا سکتا۔“

سنگِ دل شوہر کی نیتِ بد معلوم ہونے کے بعد منٹ منٹ پر دل دھڑک رہا
تھا کہ مبادا ظالم کو کہیں بچوں کی بھینک نہ لگ جائے۔ اس لئے جلد ہی اسے کھلا پلا کر
سُلا دیا اور جب تک نیند نہیں آگئی، بالیں پر بیٹھی اسے باتوں میں بہلاتی رہی۔ جب وہ
سو گیا تو دسے پاؤں اٹھی اور بچوں کو کوٹھڑی پہ تالا ڈال دیا۔

فکر سے آنکھوں کی نیند اڑ گئی تھی۔ رہ رہ کر دل میں ہوک اٹھتی تھی۔
” ہائے اللہ! حرمِ نبوت کے ان راجِ دلاڑوں کو کچھ یوگیا تو حشر کے دن سیدہ کو
کیا منہ دکھاؤں گی۔؟“

دنیا قیامت تک میرے منہ پر تھوکے گی کہ میں نے نبی زادوں کے ساتھ دغا
کی۔ انہیں جھوٹا دلا سادے کر مقتل کی رہ گزرتک لے آئی۔ آہ! میرے عشقِ پارسا کا
سارا بھرم ٹٹ گیا۔ میرے حسین خوابوں کا تار تار بکھر گیا۔

ہائے! افسوس! اس گھر کو معصوم بچے اپنا ہی گھر سمجھ رہے ہوں گے کہیں یہ راز فاش
ہو گیا تو ان کے ننھے دل پر کیا گزرے گی۔ وہ مجھے اپنے تئیں کیا سمجھیں گے؟ لیکن میرے دل
کا حال تو خدا اور اس کے رسول سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ کچھ بھی ہو جیتے جی لاڈلوں کی جان
پر کوئی آفت نہیں آنے دوں گی۔

یا اللہ! مجھے اپنے محبوبوں کے عشق میں ثابت قدم رکھ، ان کے آنسوؤں کا گوہر
ٹپکنے سے پہلے میرے جگر کا خون ارزاں کر دے۔“

رات کا پچھلہ پہر تھا۔ کونے کی بد نصیب آبادی پر ہر طرف نیند کی خموشی چھائی ہوئی تھی
حادث بھی اپنے گھر میں بے خبر سو رہا تھا۔

دونوں بچے بند کوٹھڑی میں محو خواب نازتھے کہ اسی درمیان انہوں نے ایک نہایت درد

ناک اور سیمان انگیز خواب دیکھا۔

پشتمہ کوثر کی سفید موتوں سے نور کی کرن پھوٹ رہی ہے بلخ فردوس کی شاہراہوں پر چاندنی کا غلات بچھا دیا گیا ہے۔ قریب ہی کچھ فاصلے پر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مولائے کائنات حضرت حیدر، بنت رسول حضرت فاطمہ زہرا اور شہید مظلوم حضرت امام مسلم رضوان اللہ علیہم جلوہ فرمایا ہیں۔

دونوں بچوں پر نظر پڑتے ہی سرکار نے امام مسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

مُسلم! تم خود تو آگے اور جو رو ستم کائنات بننے کے لئے ہمارے جگر پاؤں کو اشتیاق کے ہاتھوں میں چھوڑ آئے؛

حضرت مسلم نے نیچی نگاہ کئے جواب دیا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے آرہے ہیں حضور! بہت قریب آچکے ہیں۔ بس دو چار قدم کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ خدا نے چاہا تو کل کا سورج طلوع ہوتے ہی وہ دامن رحمت کی ٹھنڈی چھائل میں چل رہے ہوں گے۔

یہ خواب دیکھ کر دونوں بھائی چونک پڑے۔ بڑے نے چھوٹے کو بھنبھوڑتے ہوئے کہا۔ اب سونے کا وقت نہیں ہے۔ ہماری شب زندگی کی سحر ہو گئی۔

”بھتیبا! اٹھو! بابا جان نے خبر دی ہے کہ اب ہم چند گھنٹے کے مہمان ہیں۔ توجہ کوثر پر نانا حضور ہمارے انتظار میں کھڑے ہیں۔ دادی اماں نہایت بے تابی کے ساتھ ہماری راہ دیکھ رہی ہیں۔“

”بھتیبا! صبر کر لو! اب دشمنوں کی خون آشام تلواروں کی زد سے بچ نکلنا بہت مشکل ہے اب مدینے لوٹ کر جانا نصیب نہیں ہوگا۔ ہائے! امی جان۔ اب آخری وقت میں بھی ملاقات نہ ہو سکے گی!“

چھوٹے بھائی نے ڈبڈبانی آواز میں جواب دیا۔

”بھائی جان! میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے۔ کیا پیر پیر ہم لوگ کل صبح کو قتل کر دیئے جائیں گے۔“

ہائے! ایک دوسرے کو ذبح ہوتے ہم کیسے دیکھ سکیں گے بھتیبا؟

یہ کہہ کر دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

قضا بھی تاک ہی میں تھی۔ ناٹہ بے اختیار کی آواز سے جلاو عارث کی آنکھ کھل گئی
آہ۔ سوتی ہوئی قیامت اٹھی۔

ظالم نے بیوی کو جگا کر پوچھا۔

”یہ بچوں کے رونے کی آواز کہاں سے آرہی ہے؟“

صورتِ حال کی نزاکت سے بیوی کا کلیجہ سُکھ گیا۔

اس نے ٹالتے ہوئے جواب دیا۔

”سو جائیے! کہیں پڑوس کے بچے رورہے ہوں گے۔“

سنگِ دل نے تیور بدل کر کہا۔

پڑوس سے نہیں، ہمارے گھر سے یہ آواز آرہی ہے۔ ہونہ ہو یہ وہی مسلم کے بچے ہیں جن کی تلاش میں کئی دن سے میں سرگرداں ہوں۔“ یہ کہتے ہوئے اٹھا اور اس کو ٹھٹھری کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ تالا توڑ کر دروازہ کھولا اندر جا کر دیکھا تو دونوں بچے روتے روتے بے حال ہو گئے تھے۔

گرفتار لہجے میں دریافت کیا۔ تم کون ہو؟ اچانک اس اجنبی آواز سے بچے سہم گئے لیکن چونکہ اس گھر کو اپنا دارالامان سمجھے ہوئے تھے یہ کہتے ہوئے ذرا بھی تاثر نہ ہوا کہ ہم امامِ مسلم کے یتیم بچے ہیں۔“

یہ سن کر ظالم غصے سے دیوانہ ہو گیا: ”میں تو چاروں طرف ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلکان ہو رہا ہوں اور آپ لوگوں نے ہمارے ہی گھر میں عیش کا بستر لگایا ہے۔“

یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا اور نہایت ہی بے رحمی سے ان ننھے یتیموں کے رخساروں پر طمانچہ برسانا شروع کئے۔ شدتِ کرب سے دونوں بھائی بلبلا اٹھے۔ بے تماشاً بیوی دوڑی اور یہ کہتے ہوئے درمیان میں حائل ہو گئی۔

ارے ظالم! یہ کیا کر رہا ہے؟ ارے یہ فاطمہ کے راجِ دُلا سے ہیں ان کی چاند

جیسی صورتوں پر ترس کھا۔

ہاتھ روک لے ستمگر! جنت کے پھولوں کا سہاگ مت لوٹ! چمنستانِ قدس
کی نازک کلیوں کو گھائل مت کر!

بن باپ کے دکھیاروں کا کچھ تو خیال کر ظالم! پھر مامتا کی جھونک میں اٹھی اور
اس کے قدموں پر اپنا سر شکنے لگی۔ لے! میرا سر کچل کر اپنی ہوس کی آگ بجھالے لیکن
فاطمہ کے جگر پاروں کو بخش دے۔“

غصے میں چور سنگِ دل شوہر نے اُسے اتنے زور سے مٹھو کر ماری کہ وہ پتھر کے
ایک ستون سے ٹکرا کر لہو لہان ہو گئی۔

طمانچہ مارتے مارتے جب تھک گیا تو شقیٰ انلی نے دونوں بھائیوں کی مشکیں
کسیں اور غلاب کعبہ کی سی بھکتی ہوئی زلفوں کو زور سے کھینچا اور آپس میں ایک دوسرے
سے باندھ دیا۔

مارے دہشت کے بچوں کا خون سوکھ گیا۔ حلق کی آواز پھنس گئی۔ آنکھوں کے آنسو
جسل گئے۔

اس کے بعد یہ بخت یہ کہتا بٹوا کو ٹھڑی کے ہاہرنکل آیا۔ جس قدر تڑپنا ہے صبح
تک تڑپ لو، دن نکلنے ہی میری چمکتی ہوئی تلوار تمہیں ہمیشہ کے لئے چین کی نیند سلا
دے گی۔“

دردازہ مقفل تھا۔ اندر کا حال خدا جانے، ویسے ننھی جانوں میں اب تاب ہی کہاں
بھتی کہ نالوں کا شور بلند ہوتا، البتہ زنداں کی کوٹھڑی سے مٹھورے مٹھورے وقفے پر آہستہ
آہستہ کراہنے کی آواز سنائی پڑتی تھی۔

بلا لاؤ قیامت کو! بڑا ناز ہے اسے مناظر کی ہولناکی پر، سوائیزے والے آفتاب
کی روشنی میں اور وہ بھی سیدہ کے شیرخوار بچوں کی ابیری کا تماشہ دیکھے!
اور ذرا محشر لوں کو بڑھ کر آواز دو! وہ بھی گواہ ہو جائیں کہ جس محمدؐ نے ان کے اشارے
ابرو پر کل ان کی بیڑیاں لوٹ کے گرنے والی ہیں آج انہی کی گود کے لاڈ سے زنجیروں میں

سک رہے ہیں۔

ہائے رے! مقام بلند کی قیامت آریاں! بڑے بڑے لالہ رخنوں، مرہ حبیبیوں اور گل رویوں کا نگار خانہ جمال تو نے دن دھاڑے لوٹ لیا ہے اور تیرے خلاف کہیں داد و فریاد بھی نہیں ہو سکی ہے۔

ارمانوں کے خون کی سُرخیاں لئے ہوئے لرزتی کانپتی سحر طلوع ہوئی، گھنے بادلوں کی اوٹ میں منہ چھپائے سورج نکلا، جو نہی دشمن ایمان نے اپنی خوں آشام تلوار اٹھائی۔ زہر میں بچھا ہوا خنجر سنبھالا اور خونخوار درندے کی طرح کوٹھڑی کی طرف لپکا۔ نیک بخت بیوی نے دوڑ کر پیچھے سے اس کی کمر تھام لی۔ جفاکار نے اتنے زور سے اُسے جھٹکا دیا کہ سر ایک دیوار سے ٹکرا گیا اور وہ آہ کر کے زمین پر گر پڑی۔

بیوی کو گھائل کرنے کے بعد جوش غضب میں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ ہاتھ میں ننگی تلوار اور چمکتا ہوا خنجر دیکھ کر دونوں بھائی لرز گئے۔ خوف سے زرگی آنکھیں بند ہو گئیں۔ ابھی وہ اس ہولناک دہشت سے کانپ ہی رہے تھے کہ سید بخت نے آگے بڑھ کر دونوں بھائیوں کی زلفیں پکڑیں اور نہایت بے دردی کے ساتھ انہیں گھسیٹتا ہوا باہر لایا۔ تکلیف کی شدت سے معصوم بچے تلملا اٹھے۔ پچھاڑیں کھا کھا کر اس کے قدموں پر سر پکھنے لگے۔ لوٹ لوٹ کر آہ و فریاد کرنے لگے لیکن ظالم کو نہ ترس آنا تھا نہ آیا۔

لہو میں شرابور پاک طینت بیوی پھر اٹھی اور پھری ہوئی شیرنی کی طرح گرجتے بھونٹے کہا۔ آخر گھسیٹ کر کہاں سے جا رہا ہے ان بے گناہ مسافروں کو؟ دشمنی تھی تو ان کے باپ سے تھی۔ چار دن کے معصوم بچوں سے کیا دشمنی ہے جو تو ان کا خون بہانے پر تلا ہوا ہے؟ ساری دنیا یتیم بچوں پر ترس کھاتی ہے اور تو رات سے انہیں ٹسکنے میں کسے ہوئے ہے۔ تپھروں سے مار مار کر تو نے ان کا پھول سا چہرہ لہو لہان کر دیا ہے۔ رجموں کی گھٹاکی طرح لٹکتی ہوئی زلفوں کو تو اتنی بے دردی کے ساتھ گھسیٹ رہا ہے کہ بالوں کی جڑوں سے خون بہنے لگا۔

رات سے اب تک مدینے کے یہ نازنین بے آب و دانہ لگاتار تیرے ظلم و ستم کی چوٹ کھا رہے ہیں اور تجھے ان کی کم سنی پر بھی ترس نہیں آتا۔ پرولیس میں ان کا حامی مددگار نہیں ہے اس لئے بے سہارا سمجھ کر تو انہیں تڑپا تڑپا کے مار رہا ہے۔ جس نبی کا کلمہ پڑھتا ہے وہ اگر اپنی تربت سے نکل آئیں تو کیا ان کے رُو برو بھی ان کے نازنین شہزادوں کے ساتھ تو ایسا سلوک کر سکے گا؟

تیرے بازوؤں میں بڑا کس بل ہے تو کسی کزیل جوان سے پنجرہ لڑا۔ دودھ پیتے بچوں پہ کیا اپنی شہ زوری دکھلاتا ہے؟

اس کے سینے میں غیرتِ ایمانی کا جوش اُبل پڑا تھا۔ اپنی جان پر کھیل کر اب وہ رفاقتِ حق کا آخری فیصلہ کر دینا چاہتی تھی۔

جذبات میں بے قابو ہو کر اس نے جیسے ہی بچوں کو اس کے ہاتھ سے چھڑانے کی کوشش کی، اس بد بخت نے ایک بھر پور ہاتھ کا گھونسا اس کے سینے پہ مارا اور وہ غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ لونڈی سامنے آئی تو وہ بھی اس کے تیغِ ستم سے گھائل ہوئی۔ اس کے بعد شیکھنے میں کسے ہونے دونوں بھائیوں کو گھسیٹ کر وہ باہر لایا اور سلمان کی طرح ایک خچر پر لاد کر دریائے فرات کی طرف چل پڑا۔

رستوں میں جکڑے ہوئے مسلم یتیم زندانی اب مقتل کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ مایوس چہرے پہ بے بسی کی حسرت بس رہی تھی۔ دم بہ دم دل کی دھڑکن تیز ہوتی جاتی تھی۔

رہ رہ کر بچھڑی ہوئی ماں کی آغوشِ شفقت و پیار کا گہوارہ مدینے کا دارالامان اور حجرہ عائشہ میں گیتی کی آخری پناہ گاہ یاد آرہی تھی۔

کچلے ہوئے ارمانوں کے جھوم میں چھوٹے بھائی کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ طویل خاموشی کے بعد اب آنسوؤں کا تھا ہوا طوفان اُبل پڑا۔ بڑے بھائی نے آستین سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

جان عزیز صبر کرو! ہمت سے کام لو! اب زندگی کی گنتی کے چند سانسیں باقی رہ گئی

پس انہیں بے تابیوں کے پہچان سے رائیگاں مت کرو۔
 وہ دیکھو دریائے فرات کی سطح پر چھٹہ کوثر کی سفید موجیں ہمیں سر اٹھائے دیکھ
 رہی ہیں اب اس جہان بے وفا سے اپنا لنگرا اٹھا لو۔ چند قدم کے بعد عالم جاوید
 کی سرحد شروع ہو رہی ہے بس دو گھر ہی میں اس جفا پیشہ دنیا کی دسترس سے باہر
 نکل جائیں گے۔“

مھوڑی دُور چلنے کے بعد دریائے فرات نظر آنے لگا۔ جلا د نے اپنی تلوار
 چمکاتے ہوئے کہا۔

”سانپ کے بچو! دیکھ لو اپنا مقتل! یہیں تمہارا سر قلم کر کے سارے جہان کے
 لئے ایک عبرت ناک تماشہ چھوڑ جاؤں گا۔“

یہ سن کر بچوں کا خون سوکھ گیا۔ کنارے پہنچ کر شقی اذلی نے انہیں خچر سے اتارا
 مشکیں کھولیں اور سامنے کھڑا کیا۔

اب دونوں کھلی آنکھوں سے سر پہ منڈلائی ہوئی قسنا دیکھ رہے تھے۔ بے بسی کے
 عالم میں ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے آسمان کی طرف تکیے لگے۔

جو مٹی بھویں تانے، تیور چڑھائے قتل کے ارادے سے اس نے اپنی تلوار بے
 نیام کی، مظلوم بچوں نے اپنے ننھے ننھے ہاتھ اٹھا کر رحم کی درخواست کی۔

اتنے میں ہانپتی کانپتی، گرتی پڑتی پیکرِ دُعا بی بی آ پہنچی۔ آتے ہی اس نے پیچھے
 سے اپنے شوہر کا ہاتھ پکڑ لیا اور ایک عاجز دور ماندہ کی طرح خوشامد کرتے ہوئے کہا

”خدا کے لئے اب بھی مان جاؤ۔ آل رسول کے خون سے اپنا ہاتھ رنگین مت کرو۔
 رحم و غم گساری کے جذبے میں ذرا ایک بار آنکھ اٹھا کر دیکھو! بچوں کی ننھی جان سوکھی جا
 رہی ہے تلوار سامنے سے ہٹا لو۔“

نفس کا شیطان پوری طرح مستط ہو چکا تھا۔ ساری منت و سماجت بیکار چلی گئی۔
 غصے میں بھر پور تلوار کا ایک وار ہوئی پر چلایا وہ پیکرِ ایمان گھائل ہو کر تڑپنے لگی۔

بچے یہ دروناک منظر دیکھ کر سہم گئے۔ اب سیہ سخت جلا د اپنی خون آلود تلوار سے

کہ بچوں کی طرف بڑھا۔ چھوٹے بھائی پر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ بڑا بھائی صحیح اٹھا۔
 ”خدا را پہلے مجھے ذبح کرو۔ جان سے زیادہ عزیز بھائی کی تڑپتی ہوئی لاش میں
 نہیں دیکھ سکوں گا۔“

چھوٹے بھائی نے سر جھکائے ہوئے خوشامد کی: ”بڑے بھائی کا قتل کا منظر مجھ سے ہرگز
 نہ دیکھا جائیگا۔ خدا کے لئے پہلے میرا سر قلم کرو۔“

اس رزہ خیز منظر پر عالمِ قدس میں ایک ہنگامہ برپا تھا۔ شہنشاہِ کونین کلیجہ تھامے ہوئے
 مشیت کی ادا پر سا بر و ثنا کرتے۔ سیدہ کی روح مچل مچل کر عرشِ الہی کی طرف بڑھ رہی
 تھی کہ عالمِ گیتی کو تہ و بالا کر دے لیکن قدم قدم پر سرکار کی پُرفم آنکھیں کا اشارہ انہیں
 روک رہا تھا۔

حیدر خیر شکن اپنی تیغِ ذوالفقار لئے ہوئے سرکار کی جنبشِ لب کے منتظر تھے کہ
 آن واحد میں بفا شعاروں کو کیفر کردار تک پہنچادیں۔ روح الامین بال و پر گرامے دم بخود
 تھے۔ رضوان کوثر و تسنیم کا سامنے لئے انتظار میں کھڑا تھا۔ عالمِ برزخ میں بل چل چلی ہوئی تھی
 ملکوتِ اعلیٰ پر سکنہ طاری تھا کہ ایک مرتبہ سجلی چمکی، ستارہ ٹوٹا اور فضا میں دو ننھی صحنیں
 بلند ہوئیں۔

مرکزِ عالم بل گیا۔ چشمِ فلک بھپک گئی۔ ہوائیں رُک گئیں دھارے تھم گئے اور دھرتی
 کا کلیجہ شق ہو گیا۔ حیرت کا طلسم ٹوٹا تو امامِ مسلم کے یتیم بچوں کے کٹے ہوئے سرخون میں
 تڑپ رہے تھے اور لاشیں دریائے فرات کی لہروں کی گود میں ڈوبتی جا رہی تھیں۔

سلام ہو تم پر لے محمد و ابراہیم لے امامِ مسلم کے راجِ دلار و تمہارے مقدس
 خون کی سُرخھی سے آج تک گلشنِ اسلام کی بہاروں کا سہاگ قائم ہے۔

خدا سے غافر و قدیر تمہاری ننھی تڑپوں پر شام و سحر رحمت و نور کی بارش برمائے ہے
 پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک سے اہلِ نظر

اکہ شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا عشق بھی ہوا اور مسر بھی گیا
 نوٹ: اس مضمون میں ”معصوم“ کا لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں ہے جن معنوں میں شیعہ حضرات کے یہاں رائج ہے۔
 (علامہ ارشد القادری)

تاریخ کاروانِ شادوات

میدانِ کربلا سے گنبدِ خضرِ اتمک

کربلا کی دوپہر کے بعد کی رقت انگیز داستان سننے سے پہلے ایک روزہ خیر اور درد ناک منظر نگاہوں کے سامنے لائیے۔

صبح سے دوپہر تک خاندانِ نبوت کے تمام چہرے و چراغِ جملہ اخوان و انصار ایک ایک کر کے شدید ہو گئے۔ سب نے دمِ رخصتِ دل کی زخمی سطح پر ایک نئے وارغ کا اضافہ کیا۔ برتر شہیدی ہوئی لاش کی آخری بچکیوں پر امامِ عالی مقام میدان میں پہنچے، گود میں اٹھایا، خیمے تک لائے۔ زالو پہ سر رکھا اور جاں نثار نے دم توڑ دیا۔

نظر کے سامنے جن لاشوں کا انبار ہے ان میں جگر کے ٹکڑے بھی ہیں اور آنکھ کے تارے بھی۔ بھائی اور بہن کے لاڈلے بھی اور باپ کی نشانیاں بھی۔ ان بے گور و کفن جناروں پر کون ماتم کرے، کون آنسو بہائے اور کون جلتی ہوئی آنکھوں پر تسکین کا مہم رکھے۔ تنہا ایک "حسین" اور دونوں جہان کی امیدوں کا ہجوم ایک عجیب درد انگیز بے بسی کا عالم ہے۔ قدم قدم پر نئی قیامت کھڑی ہوتی ہے۔ نفسِ نفس میں الم و اندوہ کے نئے نئے پہاڑ لوٹتے ہیں۔

دوسری طرف حرمِ نبوت کی خواتین ہیں۔ رسول اللہ کی بیٹیاں ہیں، سوگوار مائیں اور آشفٹہ حال بہنیں ہیں ان میں وہ بھی ہیں جن کی گودیں خالی ہو چکی ہیں جن کے سینے سے اولاد کی جدائی کا زخم رس رہا ہے۔ جن کی گود سے شیرِ خوار بچہ بھی چھین لیا گیا ہے اور جن کے بھائیوں بھینچوں اور بھانجیوں کے بے گور و کفن لاشے سامنے پڑے ہوئے ہیں۔

روتے روتے آنکھوں کا چہرہ سوکھ گیا ہے۔ تن نیم جاں میں اب تڑپنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی ہے۔ عورت ذات کے دل کا ابجگینہ بونہی نازک ہوتا ہے ذرا سی ٹھیس جو

برداشت نہیں کر سکتا آہ! اُس پر آج پہاڑ ٹوٹ پڑے ہیں۔
 سب کے سب جامِ شہادت نوش کر چکے اب تنہا ایک ابنِ حیدر کی ذات باقی
 رہ گئی ہے جو لٹے ہوئے قافلے کی آخری امید گاہ ہیں۔ آہ! اب وہ بھی رختِ سفر باندھ رہے
 ہیں۔ شیخے میں ایک کہرام مچا ہے۔ کبھی مہن کو تسکین دیتے ہیں۔ کبھی شہر بانو کو تلقین فرما رہے
 ہیں۔ کبھی لختِ جگر غائبِ بہار کو گلے سے لگاتے ہیں اور کبھی کسں بہنوں اور لاڈلی شہزادیوں
 کو یاس بھری نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ امید و بیم کی کش مکش ہے۔ فرض کا تصادم ہے
 خون کا رشتہ دامن کھینچتا ہے۔ ایمان کا اشتیاقِ مقتل کی طرف سے جانا چاہتا ہے۔
 کبھی یہ خیال آتا ہے کہ ہمارے بعد اہل خیمہ کا کیا حال ہوگا۔ پردیس میں حرم کے بیٹیوں
 اور بیواؤں کے ساتھ دشمن کیا سلوک کریں گے۔

دوسری طرف شوقِ شہادت دامن گیر ہے ملت کی تظہیر اور حمایتِ حق کا فرض نبروں
 پر چڑھ کے آواز دے رہا ہے۔

بالآخر اہل بیت کے ناخدا، کعبہ کے پاسبان نانا جان کی شریعت کے محافظ حضرت
 امام بھی اب سر کے کفن باندھ کر رن میں جانے کے لئے تیار ہو گئے۔
 اہل حرم کو تڑپتا بلکتا اور سسکتا چھوڑ کر حضرت امام خیمہ سے باہر نکلے اور لشکرِ اعداء
 کے سامنے کھڑے ہو گئے۔

اب ذرا سا ٹھہر جائیے اور آنکھیں بند کر کے منظر کا جائزہ لیجئے۔ ساری داستان
 میں یہی وہ مقام ہے جہاں انسان کا کلیجہ شق ہو جاتا ہے بلکہ پتھروں کا جگر پانی ہو کر بہنے
 لگتا ہے۔ تین دن کا ایک بھوکا پیاسا مسافر تن تنہا بائیس ہزار تلواروں کے نرغے میں ہے
 دشمنوں کی خونریز یلغار چاروں طرف سے بڑھتی چلی آرہی ہے، دروازے پر اہل بیت
 کی مستورات اشکبار آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہی ہیں منٹ منٹ پر درد و غم کے اتھا
 ساگ میں دل ڈوبتا جا رہا ہے۔ کبھی منہ سے چیخ نکلتی ہے کبھی آنکھیں جھپک جاتی ہے
 ہاٹے سے! تسلیم و رضا کی دادی بے امان! پھولوں کی پکھڑی پہ قدم رکھنے والی
 شہزادیاں آج انگاروں پہ لوٹ رہی ہیں جن کے اشارہ ابرو سے ڈوبا ہوا سورج پلٹ

آتا ہے آج انہیں کے ارمانوں کا سفینہ نظر کے سامنے ڈوب رہا ہے اور زبان نہیں کھلتی۔
 دیکھنے والی آنکھیں اپنے امیر کشور کو، اپنے مرکز امید کو، اپنے پیارے حسین کو
 حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں کہ ایک نشانے پر ہزاروں تیر چلے۔ تلواریں
 بے نیام ہوئیں فسنا میں نیزوں کی انی چمکی اور دیکھتے دیکھتے فاطمہ کا چاند گہن میں
 آگیا۔ زخموں سے پورے خون میں شرابور۔ سیدہ کا راجہ ڈلارا جیسے ہی فرش زمین پر گر اکانات
 کا سینہ دہل گیا، کعبے کی دیواریں بل گئیں۔ چشم فلک نے خون برسایا۔ خورشید نے شرم
 سے منہ ڈھانپ لیا اور گیتی کی ساری فسنا ماتم و اندوہ سے بھر گئی۔

ادھر ارواحِ طیبات اور ملائکہ رحمت کے جلو میں جب شہیدِ اعظم کی مقدس روح
 عالم بالا میں پہنچی اور ہر طرف ابنِ حیدر کی امامت دیکھائی کا غلغلہ بلند ہوا بگھٹا۔
 ادھر نیچے میں ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ صبر و شکیب کا خرمن جل رہا تھا۔ تپتیوں
 پھاؤں اور سوگواروں کی آہ و فغاں سے دھرتی کا کلیجہ پھٹ گیا۔ امیدوں کی دنیا لٹ
 گئی۔ آہ۔ بیچ منجھار میں کشتی کا ناخدا بھی چل بسا۔

اب بنو ہاشم کے یتیم کہاں جائیں؟ کس کا منہ حکمیں؟ کاشانہ نبوت کی وہ شہزادیاں جن
 کی عنقت مراہیں روح الامین بھی بغیر اجازت کے داخل نہ ہوں۔ نسیم صبا بھی جن کے آنچلوں
 کے قریب پہنچ کر ادب کے سانچے میں ڈھل جائے۔ آج کربلا کے میدان میں کون ان کا محرم
 ہے جس سے اپنے دکھ درد کی بات کہیں۔

ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچنے کہ ہمارے یہاں ایک میت ہو جاتی ہے تو
 گھر والوں کا کیا حال ہوتا ہے؟ غم گساہوں کی بھیر اور چارہ گردوں کی تلقین صبر کے باوجود آنسو
 نہیں تھمتتے۔ اضطراب کی آگ نہیں بجھتی اور نالہ و فریاد کا شور نہیں کم ہوتا۔ پھر کربلا کے میدان
 میں حرم کی ان سوگوار عورتوں پر کیا گزری ہوگی جن کے سامنے بیٹوں۔ شوہروں اور عزیزوں
 کی لاشوں کا انبار لگا ہوا تھا جو غم گساہوں اور شریک حال بہر دوں کے جھرمٹ میں منہیں
 خوشخوار دشمنوں اور سفاک دزدوں کے زرخے میں تھیں۔

امام عالی مقام کا سر تلم کرنے کے بعد کوفیوں نے بدن کے پیراہن اتار لئے۔ جسم طہر پر نیزے کے ۳۲ زخم اور تلوار کے ۳۲ گھاؤ تھے ابن سعد کے حکم پر یزیدی فوج کے دس نابکاروں نے سیدہ کے تحت جگر کی لعش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا۔

حضرت زینبؓ اور شہر بانوؓ خیمے سے یہ رزہ خیز منظر دیکھ کر بلبلا اٹھیں اور چیخ مار کر زمین پر گر پڑیں۔ اس کے بعد شمر اور ابن سعد دندناتے ہوئے خیمے کی طرف بڑھے بد بخت شمر نے اندر گھس کر پردگیان حرم کی چادریں چھین لیں۔ سامان لوٹ لیا۔ حضرت زینبؓ بنت علیؓ نے غیرت و اضطراب کی آگ میں سُلتے ہوئے کہا:

”شمر! تیری آنکھیں پھوٹ جائیں تو رسول اللہؐ کی بیٹیوں کو بے پردہ کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے چہروں کے محافظ شہید ہو گئے۔ اب دنیا میں ہمارا کوئی نہیں ہے۔ یہ مانا کہ ہماری بے بسی نے تجھے دلیر بنا دیا ہے لیکن کیا کلمہ پڑھانے کا احسان بھی تو بھول گیا؟ سنگ دل ظالم! ناموس محمدؐ کی بے حرمتی کر کے قہر خداوندی کو حرکت میں نہ لا۔ تجھے اتنا بھی لحاظ نہیں ہے کہ ہم اسی رسول کی نوایاں ہیں جس نے حاتم طائیؓ کی قیدی لٹکی کو اپنی سپادر اڑھائی تھی۔“

حضرت زینبؓ کی گرجتی ہوئی آواز سن کر عابد بیمار لڑکھڑاتے ہوئے اپنے بستر سے اٹھے اور شمر پر تلوار اٹھانا چاہتے تھے کہ صنعت و نقابت سے زمین پر گر پڑے۔ شمر نے یہ معلوم کرنے کے بعد کہ یہ امام حسینؓ کی آخری نشانی ہے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اسے بھی قتل کر ڈالو تاکہ حسینؓ کا نام و نشان دنیا سے بالکل مٹ جائے لیکن ابن سعد نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا اور یہ معاملہ یزید کے حکم پر منحصر رکھا۔

شام ہو چکی تھی۔ یزیدی فوج کے سردار جشن فتح میں مشغول ہو گئے۔ ایک رات پہر گئے تک سرور دنشاط کی مجلس گرم رہی۔

ادھر خیمے والوں کی یہ شام غریباں قیامت سے کم نہیں تھی۔ حرم کے پاسبانوں کے گھر میں چپاغ بھی نہیں جل سکا تھا۔ ساری فضا سوگ میں ڈوب گئی تھی۔ مقتل میں امام کا کپلا ہوا لاشہ بے گور و کفن پڑا تھا۔ خیمے کے قریب گلشن زہرا کے پامال پھولوں پر درد

ناک حسرت برس رہی تھی۔ رات کی بھیانک اور وحشت خیز تاریکی میں اہل خیمہ چونک پڑتے تھے۔ زندگی کی یہ پہلی سوگوار اور اس رات حضرت زینب اور حضرت شہر بانو سے کاٹے نہیں کٹ رہی تھی۔ رات بھر خیمے سے سسکیوں کی آواز آتی رہی۔ آہوں کا دھواں اٹھتا رہا اور روتوں کے قافلے اترتے رہے آج پہلی رات تھی کہ خدا کا گھر بسانے کے لیے اہل حرم نے اپنا سب کچھ لٹا دیا تھا۔

پرویس، چٹیل میدان، مقتل کی زمین، خاک و خون میں لپٹے ہوئے چہرے، میت کا گھر، بالیں کے قریب ہی بیمار کے کراہنے کی آواز، بھوک اور پیاس کی ناتوانی، خونخوار درندوں کا نرغہ، مستقبل کا اندیشہ، ہجر و فراق کی آگ، آہ، کلیجہ شق کر دینے والے سارے اسباب مقتل کی پہلی رات میں جمع ہو گئے تھے۔

بڑی مشکل سے صبح ہوئی، اجالا پھیلا اور دن چڑھنے پر ابن سعد اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ اونٹنی لے کر اس کی ننگی پیٹھ پر حضرت زینب، حضرت شہر بانو اور حضرت زین العابدین سوار کرائے گئے۔ بھول کی طرح نرم و نازک ہاتھوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا عابد بیمار اپنی والدہ اور پھوپھی کے ساتھ اس طرح باندھ دیئے گئے کہ ذرا سا جنبش بھی نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے اونٹوں پر باقی خواتین اور بچیاں اسی طرح رسیوں میں بندھی ہوئی سوار کرائی گئیں۔ اہل بیت کا یہ لٹا پٹا قافلہ جس وقت کربلا کے میدان سے رخصت ہوا اس وقت قیامت خیز منظر ضبط تحریر سے باہر ہے۔

واقعہ کربلا کے ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ خولی جگر گوشہ بتول کا سر مبارک نیزے پر لٹکانے ہوئے اسیران حرم کے اونٹ کے آگے آگے تھاپھیچھے، ۲، شہداء کے کٹے ہوئے سر دوسرے اشیاء لیے ہوئے تھے۔

خاندان رسالت کا یہ تاراج قافلہ جب مقتل کے قریب سے گذرنے لگا تو حضرت امام کی بے گورد کفن نعش اور دیگر شہدائے حرم کے جنازوں پر نظر پڑتے ہی خواتین اہل بیت بیتاب ہو گئیں۔ دل کی چوٹ ضبط نہ ہو سکی۔ آہ و فریاد کی صدا سے کربلا کی زمین ہل گئی۔

عابد بیمار شدت اضطراب سے غش پر غش کھا رہے تھے اور حضرت شہر بانو انہیں کسی طرح سنبھالا دے رہی تھیں۔ قیامت کا یہ دل گداز منظر دیکھ کر پتھروں کی آنکھیں بھی ڈبڈبا آئیں۔

حضرت فاطمہ الزہرا کی لاڈلی بیٹی حضرت زینب کا حال سب سے زیادہ رقت انگیز تھا۔ صدمہ جانکاہ کی بے خودی میں انہوں نے مدینے کی طرف رخ کر لیا اور دل ہلا دینے والی آواز میں اپنے نانا جان کو مخاطب کیا۔

یا محمد! آپ پر آسمان کے فرشتوں کا سلام ہو۔ یہ دیکھئے آپ کا لاڈلا حسین ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون میں آلودہ، تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ بغش کو گورو کفن بھی میسر نہیں ہے۔ نانا جان! آپ کی تمام اولاد قتل کر دی گئی۔ ہوا ان پر خاک اڑا رہی ہے آپ کی بیٹیاں قید ہیں۔ ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ مشکیں کسی ہوئی ہیں۔ پردیس میں کوئی ان کا یاورشنا سا نہیں۔ نانا جان! اپنے یتیموں کی فریاد کو پہنچئے۔

ابن جریر کا بیان ہے کہ دوست دشمن کوئی ایسا نہ تھا جو حضرت زینب کے اس بیان پر آبدیدہ نہ ہو گیا ہو۔

اسیرانِ حرم کا قافلہ اشکبار آنکھوں اور جگر گداز سسکیوں کے ساتھ کربلا سے رخصت ہو کر کوفے کی طرف روانہ ہو گیا۔ شام ہو چکی تھی ایک پہاڑ کے دامن میں یزیدی فوج کے سرداروں نے پڑاؤ ڈالا۔ اسیرانِ اہل بیت اپنی اپنی سواریوں سے اتار لیے گئے۔

چاندنی رات تھی۔ رسیوں میں جکڑے ہوئے حرم کے یہ قیدی رات بھر سکے ترہے پیشانی میں مچلتے ہوئے سجدوں کے لیے بھی ظالموں نے رسیوں کی بندھن ڈھیلی نہ کی۔ پچھلے پہر حضرت زینب مناجات میں مشغول تھیں کہ ابن سعد قریب آیا اور اس نے طنز کرتے ہوئے دریافت کیا۔ قیدیوں کا کیا حال ہے؟ کئی بار پوچھنے کے بعد حضرت زینب نے منہ ڈھانپ کر جواب دیا خدا کا شکر ہے۔ نبی کا چمن تاراج ہو گیا۔ ان کی اولاد قید کر لی گئی۔ رسیوں سے تمام جسم نیلے پڑ گئے ہیں۔ ایک بیمار جو نیم جاں ہو چکا ہے اس پر بھی تجھ کو ترس نہیں آتا۔ اور نہیں تو ہماری بے کسی بہ ماشہ دکھانے اب تو ہمیں ابن زیاد اور یزید کی قربان گاہ میں لے جا

رہا ہے۔

اتنا بچتے بچتے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں حضرت زین العابدین نے پھوپھی کو تسلی دی اور کہا: خون کے قاتلوں سے جو دستم کا شکوہ ہی کیا ہے۔ پھوپھی جان! بس ایک آرزو ہے کہ بابا جان کا سرمیری گود میں کوئی لاکر ڈال دے اور میں اسے اپنے سینے سے لگا لوں۔

ابن سعد نے کہا: گود میں نہیں تیرے قدموں کی ٹھوٹھ پر ڈال سکتا ہوں تو اگر راضی ہو تو اتر کر۔

ظالم نے پھر زخموں پر ننگ چھڑکا۔ پھر حرم کے قیدی تمللا اسٹھ۔ اضطراب میں کبھی ہوئی ایک آواز کان میں آئی۔

بد بخت! نوجوانانِ حبت کے سردار سے گستاخی کرتا ہے۔ کیا تجھے خبر نہیں ہے کہ یہ کٹا ہوا سراب بھی دو جہان کا مالک ہے۔ ذرا غور سے دیکھ! بوسہ گاہ رسول پر انوار و تجلیات کی کیسی بارش ہو رہی ہے؟ صرف جسم سے رابطہ ٹوٹ گیا ہے۔ عرش کا رابطہ اب بھی قائم ہے۔

اس آواز پر ہر طرف ستاٹا چھا گیا۔ اسی عالم اندوہ میں اسیرانِ اہل بیت کا یہ تاراج قافلہ کوفہ پہنچا۔ مارے شرم و ہیبت کے ابن سعد نے شہر کے باہر جنگل میں قیام کیا۔ رات کے سناٹے میں حضرت زینب مناجات و دعا میں مشغول تھیں۔ ایک ہلکی آواز کان میں آئی۔

”بی بی میں حاضر ہو سکتی ہوں؟“

نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ایک بڑھیا سر پر چادر ڈالے منہ چھپائے سامنے کھڑی ہے۔ اجازت ملے ہی قدموں پر گر پڑی اور دست بستہ عرض کی۔

میں ایک غریب و محتاج عورت ہوں، بھوکے پیاسے آل رسول کے لیے تھوڑا سا کھانا لے پانی لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ بی بی میں غیر نہیں ہوں۔ ایک مدت تک شہزادی رسول حضرت سیدہ فاطمہ الزہرا کی کنیزی کا شرف حاصل رہا ہے یہ اس نے

کی بات ہے جبکہ سیدہ کی گود میں ایک ننھی منھی بچی تھی جس کا نام زینب تھا۔
حضرت زینب نے ابلتے ہوئے جذبات پر قابو پا کر جواب دیا۔ تو نے اس جنگل اور
پردیس میں ہم مظلوموں کی مہمان نوازی کی ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔ خدا تجھے دارین
میں خوشی عطا فرمائے۔

بڑھیا کو جب معلوم ہوا کہ یہی حضرت زینب ہیں تو چیخ مار کر گلے سے لپٹ گئی اور
اپنی جان بنت رسول کے قدموں پر نثار کر دی۔
عشق و اخلاص کی تاریخ میں ایک نئے شہید کا اضافہ ہوا۔

دوسرے دن ظہر کے وقت اہل بیت کا لٹا ہوا کارواں کوفے کی آبادی میں داخل
ہوا۔ بازار میں دونوں طرف سنگ دل تماشائیوں کے گھٹ گلے ہوئے تھے۔
خاندان نبوت کی بیبیاں شرم و غیرت سے گڑھی جا رہی تھیں۔ مسجد سے سر جھکا
لیا تھا کہ معصوم چہروں پر غیر محرم کی نظر نہ پڑ سکے۔ و فوراً غم سے آنکھیں اشکبار
تھیں۔ دل رو رہے تھے۔ اس احساس سے زخموں کی ٹیس اور بڑھ گئی تھی کہ کربلا کے
میدان میں جو قیامت ٹوٹنا تھی ٹوٹ گئی اب محمد عربی کے ناموس کو گلی گلی بھرایا جا رہا ہے۔
کلمہ پڑھنے والی امت کی غیرت دفن ہو گئی تھی۔ خوشی کے جشن میں سارا کوفہ تنگا
ناچ رہا تھا۔ ابن زیاد کے بے غیرت سپاہی فتح کا نعرہ بلند کرتے ہوئے آگے آگے
چل رہے تھے۔ جب اہل بیت کی سواری قلعہ کے قریب پہنچی تو ابن زیاد کی بیٹی فاطمہ
اپنے منہ پر نقاب ڈالے ہوئے باہر نکل اور خاموش دور کھڑی حسرت کی نظر
سے یہ منظر دیکھتی رہی۔

ابن زیاد اور شمر کے حکم سے سیدانیاں اتاری گئیں۔ عابد بیمار اپنی والدہ اور
پھوپھی کے ساتھ بندھے ہوئے تھے ادھر بخار کی شدت سے ضعف و ناتوانی انتہا کو پہنچ گئی
تھی۔ اونٹ سے اترتے وقت عیش آگیا اور بے حال ہو کر زمین پر گر پڑے۔ سر زخمی
ہو گیا۔ خون کا فوارہ پھوٹنے لگا۔ یہ دیکھ کر حضرت زینب بے تاب ہو گئیں۔ دل بھر آیا

ڈبڈباتی ہوئی آنکھوں کے ستھابنے لگیں۔

”آلِ فاطمہ میں ایک عابد بیمار ہی کا خون محفوظ رہ گیا تھا چلو اچھا ہوا کونے کی زمین پر یہ فرض بھی ادا ہو گیا۔“

ابن زیاد کا دربار نہایت تزک و احتشام سے آراستہ کیا گیا تھا۔ فتح کے نشے میں سرشار، تخت پر بیٹھا ہوا ابن زیاد اپنی فوج کے سرداروں سے کہنے کے واقعات سن رہا تھا۔

سامنے ایک طشت میں امام عالی مقام کا سر مبارک رکھا ہوا تھا۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی وہ بار بار حضرت امام کے لبہاں مبارک کے ساتھ گستاخی کرتا تھا اور کہتا جاتا تھا کہ اسی منہ سے خلافت کا دعویٰ رہا تھا۔ دیکھ لیا قدرت کا فیصلہ۔ حق سر بلند ہوا باطل کو ذلت نصیب ہوئی۔

صحابی رسول حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت دربار میں موجود تھے۔ ان سے یہ گستاخی دیکھی نہ گئی۔ جوش عقیقت میں چیخ پڑے۔

”ظالم! یہ کیا کرتا ہے؟ چھڑی ہٹالے! نسبت رسول کا احترام کر! میں نے بار بار سرکار کو اس چہرے کا بوسہ لیتے ہوئے دیکھا ہے۔“

ابن زیاد نے غصہ سے بیچ دتا بکھاتے ہوئے کہا: ”تو اگر صحابی رسول نہ ہوتا تو میں تیرا سر قلم کر دیتا۔“

حضرت ارقم نے حالت غیظ میں جواب دیا۔ اتنا ہی تجھے رسول اللہ کی نسبت کا لحاظ ہوتا تو ان کے جگر گوشوں کو تو کبھی قتل نہ کرتا۔ تجھے ذرا بھی غیرت نہ آئی کہ جس رسول کا تو کلمہ پڑھتا ہے انہی کی اولاد کو تہ تیغ کرایا ہے اور اب ان کی عفت ماب بیٹیوں کو قیدی بنا کر گلی گلی پھرا رہا ہے۔

ابن زیاد یہ زلزلہ خیز جواب سن کر تلملا گیا۔ لیکن مصلحتاً خون کا گھونٹ پی کے رہ گیا۔ اسیرانِ حرم کے ساتھ ایک چادر میں لپیٹی ہوئی حضرت زینب ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کی کینزوں نے انہیں اپنے بھرمت میں لے لیا تھا۔ ابن زیاد کی

نظر پڑی تو دریافت کیا یہ عورت کون ہے؟ کئی بار پوچھنے کے بعد ایک کینز نے جواب دیا۔
 ”حضرت زینب بنت حضرت علی“

ابن زیاد نے حضرت زینب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، خدا نے تیرے سرکشن سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا ہے۔
 اس اذیت ناک جملے پر حضرت زینب اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں، بے اختیار رو پڑیں۔
 واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا، میرے خاندان کا نشان مٹایا میری شاخیں کاٹ دیں۔
 میری جڑ اکھاڑ دی، اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ہو جائے۔

اس کے بعد ابن زیاد کی نظر عابد بیمار پر پڑی وہ انہیں بھی قتل کرنا ہی چاہتا تھا کہ
 حضرت زینب بے قرار ہو کر چیخ اٹھیں، میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو اس بچے کو
 قتل کرنا ہی چاہتا ہے تو مجھے بھی اس کے ساتھ قتل کر ڈال؟

ابن زیاد پر دیر تک سکتے کا عالم طاری رہا، اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا،
 ”خون کا رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ بچے کے ساتھ سچے دل
 سے قتل ہونا چاہتی ہے، اچھا اسے چھوڑ دو، یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے
 ساتھ جسے“ (ابن جریر و کامل)

اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو حسمع کیا اور خطبہ
 دیتے ہوئے کہا:-

”اس خدا کی حمد و ستائش جس نے امیر المؤمنین یزید بن معاویہ کو غالب کیا اور
 کذاب ابن کذاب حسین بن علی کو ہلاک کر ڈالا۔“

اس اجتماع میں مشہور محب اہل بیت حضرت ابن عقیف بھی موجود تھے ان سے خطبے
 کے یہ الفاظ سن کر رہا نہ گیا، فرط غضب میں کانپتے ہوئے کھڑے ہو گئے اور ابن زیاد کو
 للکارتے ہوئے کہا۔

خدا کی قسم تو ہی کذاب ابن کذاب ہے، حسین سچا اس کا باپ سچا اور اس کا نام سچے
 ابن زیاد اس جواب سے تمللا اٹھا اور جلاؤ کو حکم دیا کہ شاہراہ عام پر لے جا کر

کے اس بڑھے کا سر تسلیم کر دو۔

ابن عقیف شوق شہادت میں پھلتے ہوئے اٹھے اور مقتل میں پہنچ کر جھکتی ہوئی تلوار کا مسکراتے ہوئے خیر مقدم کیا خون بہا۔ لاش تڑپی اور ٹھنڈی ہو گئی۔ کوثر کے ساحل پر جاں نثاروں کی تعداد میں ایک عدد کا اور اضافہ ہوا۔

دوسرے دن ابن زیاد نے اہل بیت کا تاراج قافلہ ابن سعد کی سرکردگی میں دمشق کی طرف روانہ کر دیا۔ حضرت امام کا سبر مبارک نیزے پر آگے آگے چل رہا تھا پیچھے اہل بیت کے اونٹ تھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ امام عالی مقام اب بھی اپنے حرم کے قافلے کی نگرانی فرما رہے تھے۔

اثنائے سفر مبارک سے عجیب عجیب خوارق و کرامات کا ظہور ہوا۔ رات کے سناٹے میں ماتم و نغاں کی رقت انگریز صدائیں فضا میں گونجتی تھیں کبھی کبھی سر مبارک کے ارد گرد نور کی کرن پھونٹی ہوئی محسوس ہوتی۔

جس آبادی سے یہ قافلہ گذرتا تھا ایک کہرام بپا ہو جاتا تھا۔ دمشق کا شہر نظر آتے ہی یزیدی فوج کے سردار خوشی سے ناچنے لگے۔ فتح کی خوش خبری سنانے کے لیے ہر قاتل اپنی جگہ بے فتہ دار تھا۔

سب سے پہلے زحر بن قیس نے یزید کو فتح کی خبر سنائی۔

حسین ابن علی اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ساٹھ اعوان و انصار کے ساتھ ہم تک پہنچے ہم نے چند گھنٹوں میں ان کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت کربلا کے ریگستان میں ان کے لاشے برہنہ پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں تر ہر ہیں۔ ان کے رخسار گرد و غبار سے میلے ہوئے ہیں۔ ان کے جسم دھوپ کی تمازت اور ہوا کی شدت سے خشک ہو گئے ہیں۔

پہلے تو فتح کی خوش خبری سن کر یزید بھوم اٹھا لیکن اس زلزلہ خیز اور ہلاکت آفریں اقدام کا ہولناک انجام جب نظر کے سامنے آیا تو کانپ گیا۔ بار بار چھاتی پٹیتا تھا کہ ہائے اس واقعہ نے ہمیشہ کے لیے ننگ اسلام بنا دیا۔ مسلمانوں کے دلوں میں میرے لیے نفرت

اور دشمنی کی آگ ہمیشہ سلگتی رہے گی۔ قاتل کی پیشانی مقتول کی اہمیت تو بڑھا سکتی ہے پر قتل کا الزام نہیں اٹھا سکتی۔ اس مقام پر بہت سے لوگوں نے دھوکا کھایا ہے۔ انہیں نفسیاتی طور پر صورت حال کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ اس کے بعد یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی جمع کیا اور امام زین العابدین سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔

اے علی! تمہارے ہی باپ نے میرا رشتہ کاٹا۔ میری حکومت چھیننا چاہی اس پر خدا نے جو کچھ کیا وہ تم دیکھ رہے ہو۔ اس کے جواب میں امام زین العابدین نے قرآن کی ایک آیت پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ تمہاری کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو پہلے سے نہ لکھی ہو۔

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید نے شامی سرداروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ اہل بیت کے ان اسیروں کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟

بعضوں نے نہایت سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نفعسمان ابن بشیر نے کہا کہ ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے۔

یزید نے حکم دیا کہ اسیروں کی رسیاں کھول دی جائیں اور سیدانیوں کو شاہی محل میں پسپا کیا جائے۔

یہ سن کر حضرت زینب رو پڑیں اور انہوں نے گلوگیر آواز میں کہا: تو اپنی حکومت میں رسول زاد یوں کو گلی گلی بھرا چکا اب ہماری بے بسی کا تماشا اپنی عورتوں کو نہ دکھا۔ ہم خاک نشینوں کو کوئی ٹوٹی بھوٹی جگہ دے دے جہاں سر چھپالیں۔

بالآخر یزید نے ان کے قیام کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کیا۔

امام کا سر مبارک یزید کے سامنے رکھا ہوا تھا اور وہ بد بخت اپنے ہاتھ کی چھڑی سے پیشانی کے ساتھ گستاخی کر رہا تھا۔ صحابی رسول حضرت سلمیٰ نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”ظالم! یہ بوسہ گاہ رسول ہے اس کا احترام کر۔“

یزید یسُن کر تملگا گیا۔ صحابی رسول کے خلاف کچھ کرنے کی بہت نہ ہو سکی۔
 حضرت زینب کی خواہش پر سر مبارک ان کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ سامنے رکھ کر
 روتی رہتی تھیں۔ کبھی حضرت شہر بانو اور ام رباب سینے سے لگائے بیٹے ہوئے دنوں
 کی یاد میں کھو جاتیں۔ ایک رات کا ذکر ہے نصف شب گزر چکی تھی سارے دمشق
 پر نیند کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اہل بیت کے مصائب پر ستاروں کی آنکھیں بھی بھر آئی
 تھیں۔ اچانک سادات کی قیام گاہ سے کسی عورت کا نالہ بلند ہوا۔ محل کی دیوار بل گئی۔
 دل کی آگ سے فضا میں چنگاریاں اڑنے لگیں۔ یزید دہشت سے کانپنے لگا۔ جا کر دیکھا تو
 حضرت زینب بھائی کا سر گود میں لیے ہوئے بلبلا رہی تھیں۔ درد و کرب کی ایک قیامت
 جاگ اٹھی ہے اس درد انگیز نالے سے اس کے دل میں جو دہشت سمائی تو عسر کی
 آخری سانس تک نہیں نکلی۔

اسے اندیشہ ہو گیا کہ کلیجہ توڑ دینے والی یہ فریاد اگر دمشق کے در و دیوار سے ٹکرائی
 تو شاہی محل کی اینٹ سے اینٹ بچ جائے گی۔ کیونکہ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت امام زین العابدین
 نے اہل بیت کے فضائل و مناقب اور یزید کے مظالم پر مشتمل جو تاریخی خطبہ دیا تھا اس نے
 لوگوں کے دل ہلا دیئے تھے اور ماحول میں اس کی اثر انگیزی اب تک باقی تھی۔
 اگر تقریر کا سلسلہ کچھ دیر اور جاری رہتا اور یزید نے گھبرا کر اذان نہ دلوادی ہوتی تو
 اسی دن یزید کے شاہی اقتدار کی اینٹ سے اینٹ بچ جاتی۔ اور اس کے خلاف
 عام بغاوت پھیل جاتی۔

اس لیے دوسرے ہی دن نعمان ابن بشیر کی سرکردگی میں مع تیس سواروں کے
 اہل بیت کا یہ تاراج کارواں مدینے کی طرف روانہ کر دیا گیا۔
 ہزار گوشش کی کہ کربلا کی دہکتی ہوئی چنگاری کسی طرح ٹھنڈی ہو جائے لیکن جو
 آگ بھرو بر میں لگ چکی تھی اس کا سرد ہونا ممکن نہیں تھا۔ صبح کی نماز کے بعد اہل بیت
 کا دل گداز قافلہ مدینے کے لیے روانہ ہو گیا۔

حضرت نعمان ابن بشیر بہت رفیق القلب، پاکیزہ اور محبت اہل بیت تھے۔ دمشق کی آبادی سے جو نسبی قافلہ باہر نکلا حضرت نعمان، امام زین العابدین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دست بستہ عرض کیا۔ یہ نیاز مند حکم کا غلام ہے جہاں جی چاہے تشریف لے جائے۔ میری تکلیف کا خیال نہ کیجئے۔ جہاں حکم دیجئے گا پڑاؤ کروں گا جب فرمائیے گا کوچ کر دوں گا۔

کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ امام زین العابدین وہیں سے کربلا واپس ہوئے اور شہدائے اہل بیت کو دفن کیا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آس پاس کی آبادیوں کو جب خبر ہوئی تو وہ آئے اور شہیدوں کی تجیز و تحفین کا فرض انجام دیا۔ آخر الذکر روایت زیادہ قابل اعتماد ہے۔

حضرت امام عرش مقام کا سر مبارک اب نیزے پر نہیں تھا۔ حضرت زینب، حضرت شہربانو اور عابد بیار کی گود میں تھا۔ پہاڑوں، صحراؤں اور ریگستانوں کو عبور کرتا ہوا قافلہ مدینے کی طرف بڑھتا رہا۔ منزلیں بڑھتی رہیں اور سینے کے جذبات پھلتے رہے۔ یہاں تک کہ کئی دنوں کے بعد اب حجاز کی سرحد شروع ہو گئی۔ اچانک سویا ہوا دروازہ جاگ اٹھا۔ رحمت دنور کی شہزادیاں اپنے چمن کا موسم بہا یاد کر کے مچل گئیں۔ کربلا جاتے ہوئے انہی راہوں سے کبھی گذرے تھے۔ کشورِ امامت کی یہ رانیاں اس وقت اپنے تاجداروں اور ناز بڑاؤں کے نعلِ عاطفت میں تھیں۔ زندگی شام و سحر کی مسکراہٹوں سے معمور تھی۔ کلیوں سے لے کر غنچوں تک سارا چمن ہرا بھرا تھا۔ ذرا چہرہ ادا اس ہوا چارہ گردوں کا ہجوم لگ گیا۔ پلکوں پہ ننھا سا قطرہ چمکا اور پیار کے ساگر میں طوفان امنڈنے لگا۔ سوتے میں ذرا سا چونک گئے اور آنکھوں کی نیند اڑ گئی۔ اب اسی راہ سے لوٹ رہے ہیں تو قدموں کے نیچے کانٹوں کی برچھیاں کھڑی ہیں۔ تڑپ تڑپ کر قیامت بھی سر پہ اٹھالی تو کوئی تسکین دینے والا نہیں۔ خمیہ اجاڑ پڑا ہے۔ ست فلہ دیران ہو چکا ہے۔ شہزادوں اور رانیوں کی جہگہ اب آشفٹہ حال تیبوں اور بواؤں کی ایک جماعت ہے جس کے سر پہ اب صرف آسمان کا سایہ رہ گیا ہے۔ لبوں کی جنبش اور آبرو کے اشاروں سے ایسوں کی زنجیر توڑنے

وہ آج خود اسیر کرب و بلا میں۔

مدینے کی مسافت گھٹتے گھٹتے اب چند منزل رہ گئی ہے ابھی سے پہاڑوں کا جگر کانپ رہا ہے زمین کی چھاتی ابل رہی ہے۔ قیامت کو سپینہ آ رہا ہے کہ کربلا کے فریادی مالک کونین کے پاس جا رہے ہیں قافلے میں حسین نہیں ہے اس کا کٹا ہوا سر چل رہا ہے۔ استغاثے کے ثبوت کے لیے کہیں سے گواہ لانا نہیں ہے۔ بغیر دھڑکا حسین جب اپنے نانا جان کی تربت پر حاضر ہونے جائے گا تو خاک دان گیتی کا انجام دیکھنے کے لیے کس کے ہوش سلامت رہ جائیں گے۔

پرویس میں کربلا کے مسافروں کی آج آخری رات تھی نہایت بے قراری میں کٹی۔ انگاروں پر کروٹ بدلتے رہے۔ صبح تڑکے ہی کوچ کے لیے تیار ہو گئے۔ نعمان بن بشیر آگے آگے چل رہے تھے ان کے پیچھے اہل بیت کی سواریاں تھیں۔ سب سے آخر میں تیس محافظ سپاہیوں کا مسلح دستہ تھا۔

دوپہر کے بعد مدینے کی سرحد شروع ہو گئی۔ اب فریادیوں کا حال بدلنے لگا سینے کی آگ تیز ہونے لگی۔ جیسے جیسے مدینہ قریب آتا جا رہا تھا جذبات کے سمندر میں طوفان کا تلام بڑھتا جاتا تھا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد اب پہاڑیاں نظر آنے لگیں۔ بھجوروں کی قطار اور سبزہ زاروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

جونہی مدینے کی آبادی چمکی صبر و شکیب کا پیمانہ چھلک اٹھا۔ کلیجہ توڑ کر آہوں کا دھواں نکلا اور ساری فضا پر چھا گیا۔ ارمانوں کا گوارہ دیکھ کر دل کی چوٹ ابھر آئی حضرت زینب، حضرت شہربانو اور حضرت عابد بیمار ابلتے ہوئے جذبات کی تاب نہ لاسکے۔ اہل حرم کے دردناک نالوں سے زمین کانپنے لگی۔ پتھروں کا کلیجہ بھٹ گیا۔

ایک سانڈنی سوار نے بجلی کی طرح سارے مدینے میں خبر دوڑا دی کہ کربلا سے نبی زادوں کا کٹا ہوا قافلہ آ رہا ہے۔ شہزادہ رسول کا کٹا ہوا سر بھی ان کے ساتھ ہے۔ یہ خبر سننے ہی ہر طرف کھرام مچ گیا۔ قیامت سے پہلے قیامت آگئی۔ دفورِ عشم اور جذبہ بے خودی میں اہل مدینہ آبادی سے باہر نکل آئے۔ جیسے ہی آمناسا منا ہوا اور نگاہیں

چار ہوئیں دونوں طرف شورشِ علم کی قیامت ٹوٹ پڑی۔ آہ و فغاں کے شور سے مدینے کا آسمان دہل گیا۔ حضرت امام کا کٹا ہوا سر دیکھ کر لوگ بے متابو ہو گئے۔ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے ہر گھر میں صاف ماتم بچھ گئی۔ حضرت زینبؓ فریاد کرتی ہوئی مدینہ میں داخل ہوئیں۔

نانا جان! اُٹھیے! اب کوئی قیامت کا دن نہیں آئے گا۔ آپ کا سارا کنسٹیٹ گیا آپ کے لاڈلے شہید ہو گئے۔ آپ کے بعد آپ کی امت نے ہمارا سہاگ پھین لیا، بے آب و دانہ آپ کے بچوں کو تڑپا تڑپا کے مارا۔ آپ کا لاڈلا حسین آپ کے نام کی دہائی دیتا ہوا چل بسا۔ کربلا کے میدان میں ہمارے جگر کے ٹکڑے ہماری نگاہوں کے سامنے ذبح کیے گئے۔ آپ کے پیار کا سینچا ہوا چمن تاراج ہو گیا نانا جان!

نانا جان یہ حسین کا کٹا ہوا سر لیجئے۔ آپ کے انتظار میں اس کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں ذرا مرقد سے نکل کر اپنی آشفقتہ نصیب بیٹیوں کا دردناک حال دیکھیے۔

حضرت زینب کی اس فریاد سے سننے والوں کے کلیجے پھٹ گئے۔ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت عبداللہ ابن جعفر طیار اور حضرت عبداللہ ابن زبیر کی رقت انگیز کیفیت تاب ضبط سے باہر تھی۔

حضرت عقیل کے گھر کے بچے یہ مرثیہ پڑھ رہے تھے: قیامت کے دن وہ امت کیا جواب دے گی جب اس کا رسول پوچھے گا کہ تم نے ہمارے بعد ہماری اولاد کے ساتھ یہی سلوک کیا کہ ان میں سے بعض خاک و خون میں لپٹے ہوئے ہیں تلواروں، تیروں اور نیزوں سے ان کے جسم گھائل۔ ان کی لاشیں بے آب و گیاہ وادی میں پڑی ہوئی ہیں اور ان میں سے بعض قیدی ہیں۔ رسیوں کے بندھن سے ہاتھ نیلے پڑ گئے ہیں۔

حضرت صفیری پچھاڑیں کھا کھا کر گر رہی تھیں۔ بار بار اپنی والدہ اور چھوٹی سے لپٹ لپٹ کر پوچھتی تھیں۔ ہمارے بابا جان کہاں ہیں، ہمارے ننھے علی اصغر کو کہاں چھوڑ آئے۔ بابا جان وعدہ کر گئے تھے کہ جلد ہی وہ واپس آئیں گے جس طرح ہو انہیں منا کے لائیے۔

اپنے امام کا کٹا ہوا سر لیے اہل بیت کا یہ تاراج کارواں جس دم روضہ رسول پر حاضر ہوا۔ ہوائیں رک گئیں۔ گردش وقت ٹھہر گئی۔ بہتے ہوئے دھارے ٹھم گئے۔ آسمانوں میں بل چل پھل گئی۔ پوری کائنات دم بخود تھی کہ کہیں آج ہی قیامت نہ آجائے۔

اس وقت کا دلگداز اور روح فرسا منظر ضبط تحریر سے باہر ہے۔ قلم کو یارا نہیں کہ دردِ عالم کی وہ تصویر کھینچ سکے جس کی یاد اہل مدینہ کو صدیوں تڑپاتی رہی۔ اہل حرم کے سوا کسی کو نہیں معلوم کہ حجرہ عائشہ میں کیا ہوا۔ کربلا کے مسافر اپنے نانا جان کی تربت سے کس طرح واپس لوٹے۔ پروردگار کا سر مرقد انور کے باہر تھا۔ رحمت کی جلوہ گاہِ خالص میں جب جنت کے پھول ہی ٹھہرے تو نرگس کی چشمِ محرم سے اہل چمن کا کیا پردہ ہے۔

برزخ کی دیوار تو غیروں پر حائل ہوتی ہے۔ اپنی ہی گود کے پروردگاروں سے کیا حجاب !

حضرت زینب۔ حضرت شہر بانو۔ حضرت ام رباب۔ عابد بیمار اور ام کلثوم و سکینہ یہ سب کے سب محرم اسرار ہی تھے۔ اندرونِ خانہ کیا واقعہ پیش آیا کون جانے ! اشکبار آنکھوں پر رحمت کی آستین کس طرح رکھی گئی۔ کربلا کے پس منظر میں مشیتِ الہی کا سر بستہ راز کن لفظوں میں سمجھایا گیا ؟ پس دیوار کھڑے رہنے والوں کو عالمِ غیب کی ان سرگذشتوں کا حال کیا معلوم ؟

مرقد رسول سے سیدہ کی خواب گاہ بھی دو ہی قدم کے فاصلے پر تھی۔ کون جانتا ہے۔ لاڈلے کو سینے سے لگانے اور اپنے یتیموں کا آنسو آنچل میں جذب کرنے کے لیے ماتا کے اضطراب میں وہ بھی کسی مخفی گذرگاہ سے اپنے بابا جان کی صریم پاک تک آگئی ہوں۔

تاریخ صرف اتنا بتاتی ہے کہ حضرت زینب نے بلک بلک کر کربلا کی زلزلہ خیز داستان سنائی۔ شہر بانو نے کہا : "خاندان رسالت کی بیوہ اپنا سہاگ لٹا کر در دولت پہ حاضر ہے۔ عابد بیمار نے عرض کیا !

"یتیمی کا داغ لیے، حسین کی آہ سردی نشانی ایک بیمار نیم جان شفقت و کرم اور صبر و ضبط کی بھیک مانگتا ہے"

آہ و فغاں کا اہلتا ہوا سا گرجم جانے کے بعد شہزادہ کونین حضرت امام عالی مقام کا سر مبارک ماورِ مشفقہ حضرت سیدہ کے پہلو میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

نور کے دو ٹکڑے

انفرون چہرے، بکھرے ہوئے بال اور بوسیلہ پیراہن میں نور کی "دو ٹکڑے" ایک مسلمان رئیس کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

گردش آیام کے ہاتھوں ستائے ہوئے یہ دو نمسن بچے تھے۔ غیرت جیسا سے آنکھیں جھکی ہوتی تھیں۔ اظہارِ مدعا کے لیے زبان نہیں کھل رہی تھی۔

بڑی مشکل سے بڑے بھائی نے یہ الفاظ ادا کیے۔

"کر بلا کے مقتل سے خاندان رسالت کا جو ٹٹا ہوا قافلہ مدینے کو واپس ہوا تھا ہم دونوں بھائی اسی قافلے کی نسل سے ہیں۔ وقت کی بات ہے بچپن ہی میں ہم دونوں یتیم ہو گئے۔ قسمت نے در در کی ٹھوکریں کھلائیں۔ کسی دن ہوئے کہ ایک قافلے کے ساتھ بھٹک کر ہم اس شہر میں آ گئے۔ نہ کہیں سر چھپانے کی جگہ ہے نہ رات بسر کرنے کا ٹھکانہ۔ تین دن کے فاقوں نے جگر کا خون تک جلا ڈالا ہے۔ خاندانی غیرت کسی کے آگے زبان نہیں کھولنے دیتی۔ اب تکلیف ضبط سے باہر ہو گئی ہے۔"

جس ہاشمی رسول کا خون ہماری رگوں میں موجزن ہے ان کے تعلق سے ہمارے حال زار پر تمہیں رحم آجائے تو ہمیں کچھ سہارا دے دو۔

آج تمہارے لیے سوائے پُر خلوص دعاؤں کے ہمارے پاس کچھ نہیں ہے لیکن قیامت کے دن ہم نانا جان سے تمہاری ننگسار ہمدلیوں کا پورا پورا جملہ دلوائیں گے۔

رئیس نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ بس تمہارا مدعا میں نے سمجھ لیا۔ لیکن اس کا کیا ثبوت ہے کہ تم سیدزادے ہو۔ لاؤ کوئی سند پیش کرو۔ آل رسول کا لبادہ اوڑھ کر بھیک مانگنے کا یہ ڈھونگ بہت فرسودہ ہو چکا ہے۔

”تم کوئی دوسرا گھر دیکھو! یہاں تمہیں کوئی سہارا نہیں مل سکتا۔“
 رئیس کے جواب سے تیموں کا چہرہ اتر گیا، آنکھیں پُرم ہو گئیں۔ یونہی غریب الوطنی،
 یتیمی، بے کسی اور کسی دن کی فاقہ کشی نے انہیں نڈھال کر دیا تھا۔ اب لفظوں کی چوٹ سے
 دل کا نرم و نازک آگینہ بھی ٹوٹ گیا۔

یاس کے عالم میں دونوں ایک دوسرے کا منہ تکیے لگے۔ بڑے بھائی نے چھوٹے
 بھائی کی آنکھ کا آنسو اپنی آستین سے جذب کرتے ہوئے کہا۔
 ”پیارے مت روؤ! گھائل ہو کر مسکرانا اور فاقہ کر کے شکر ادا کرنا ہمارے گھر کی
 پُرانی بریت ہے۔“

دھوپ کا موسم تھا۔ قیامت کی گرمی پڑ رہی تھی۔ آدمی سے لے کر چرند و پرند تک
 سبھی اپنی اپنی پناہ گاہوں میں جا چھپے تھے لیکن چمنستانِ فاطمی کے یہ دو کلاسے ہوئے
 پھول کھلے آسمان کے نیچے بے یار و مددگار کھڑے تھے ان کے لیے کہیں کوئی آسائش
 کی جگہ نہیں تھی۔ دھوپ کی شدت سے جب بے تاب ہو گئے تو سامنے ایک دیوار
 کے سامنے میں بیٹھ گئے۔

یہ ایک مجوسی کا گھر تھا۔ عمارت کے رُخ سے شان ریاست ٹپک رہی تھی۔ مھوڑی دیر
 دم لینے کے بعد چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا۔

”بھائی جان! جس دیوار کے سامنے میں ہم لوگ بیٹھے ہیں معلوم نہیں یہ کس کا گھر
 ہے۔ اس نے بھی کہیں آکر اٹھا دیا تو اب پاؤں میں چلنے کی سکت باقی نہیں ہے۔ زمین
 کی تپش سے تلواروں میں آبلے پڑ گئے ہیں۔ کھڑا ہونا مشکل ہے۔ آنکھوں تلے اندھیرا چھا جاتا
 ہے۔ یہاں سے کیسے اٹھیں گے؟“

بڑے بھائی نے جواب دیا: ”ہم اس کی دیوار کا کیا نقصان کر رہے ہیں۔ صرف
 سامنے میں بیٹھے ہیں۔ ویسے ہر شخص کا دل پھتر نہیں ہوتا۔ پیارے! ہو سکتا ہے اُسے ہماری
 حالت زار پر ترس آجائے اور وہ ہمیں اپنے سامنے سے نہ اٹھائے اور اگر اٹھا بھی دیا
 تو دلوں کی آبادی تنگ نہیں ہے۔ انگاروں پر چلنے والے تپتی ہوئی زمین سے نہیں ڈرتے۔“

فکر مت کرو، میں تمہیں اپنی پیٹھ پر لاد لوں گا۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد چھوٹے بھائی نے نہایت معصومانہ انداز میں ایک سوال پوچھا: "بھائی جان! آپ کو یاد ہوگا۔ اس دن جب ہم لوگ جنگل میں راستہ بھول گئے تھے۔ ہر طرف آندھیوں کا طوفان اٹھا ہوا تھا اور آسمان سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی ہم لوگوں نے پہاڑ کی ایک کھوہ میں پناہ لی تھی۔ شام تک طوفان نہیں تھا تھا رات ہو گئی اور ہم لوگوں کو اسی کھوہ میں ساری رات بسر کرنا پڑی۔ آدھی رات کو جب ایک شیر چنکھاڑتا ہوا ہماری طرف آ رہا تھا تو گھوڑے پر سوار جو ایک نقاب پوش بزرگ بجلی کی طرح نمودار ہوئے اور چند ہی لمحوں کے بعد غائب ہو گئے وہ کون تھے؟ آج تک یہ راز آپ نے نہیں بتایا۔"

بڑے بھائی نے سوالیہ لہجے میں کہا: "شیر کی خوفناک آواز سن کر ہمارے منہ سے چیخ نکلی تھی؟ اور تم نے دہشت زدہ ہو کر کسی کو پکارا تھا؟ یاد کرو بس وہ وہی تھے۔ ہمارے دل کی دھڑکنوں سے بہت قریب رہتے ہیں وہ! ہماری ذرا سی تکلیف ان سے دکھی نہیں جاتی۔ انہی کا خون ہماری رگوں میں بہتا ہے۔"

ابا جان کما کرتے تھے کہ پہلی بار جب وہ سپر خاکی میں بیاں آئے تھے تو ان کے چہرے سے نور کی اتنی تیز کرن پھوٹی تھی کہ نگاہ اٹھانا مشکل تھا اب تو خاکی پیرا ہن بھی نہیں ہے کہ حجاب کے اوٹ سے کوئی انہیں دیکھ لے اس لیے اب چہرے پر خود ہی نقاب ڈال کر آتے ہیں تاکہ کائنات ہستی کا نظام زندگی درہم برہم نہ ہو جائے۔ ابا جان یہ بھی کما کرتے تھے کہ دیکھنے والوں نے ہمیشہ انہیں نقاب ہی میں دیکھا ہے۔ بشریت کی یہ ساری بحثیں نقاب ہی سے متعلق ہیں۔ حقیقت کا چہرہ الفاظ و بیان کی دسترس سے ہمیشہ باہر رہتا ہے۔

چشمہ کوثر کی معصوم لہروں کی طرح سلسلہ بیاں جاری تھا اور "گھر کا بھیدی" گھر کا راز و اشکاف کر رہا تھا کہ اتنے میں پس دیوار آواز سن کر مجوسی گھر سے باہر نکلا۔ اس کی نیند میں خلل پڑ گیا تھا۔ وہ غصے میں شرابور تھا لیکن جو نہی گلشن نور کے ان حسین پھولوں

پر نظر پڑی اس کا سارا غصہ کا فور ہو گیا۔

نہایت نرمی سے دریافت کیا۔

”تم لوگ کون ہو؟ کہاں سے آئے ہو؟ بعینہ یہی سوال اس رئیس نے کیا تھا اور جواب

سننے کے بعد اپنے دروازے سے اٹھا دیا تھا۔

سوال کا انجام سوچ کر چھوٹے بھائی کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔

بڑے بھائی نے ایک مایوس غمزہ کی طرح جواب دیا۔

”ہم لوگ آل رسول ہیں۔ یتیم بھی ہیں اور غریب الوطن بھی ہیں۔ دن کے فائقے سے نیم جان

ہیں۔ تکلیف کی شدت برداشت نہ ہو سکی تو آج جگر کی آگ بجھانے نکلے ہیں۔ وہ سامنے

والے رئیس کے گھر پر گئے تھے۔ اس نے ہمیں اپنے دروازے سے اٹھا دیا۔ دھوپ بہت

تیز ہے زمین تپ گئی ہے۔ ننھے پاؤں چلتے چلتے پاؤں میں آبلے پڑ گئے ہیں بھٹوری دیر کیلئے

تمہاری دیوار کے سامنے میں بیٹھ گئے ہیں۔ شام ہوتے ہی یہاں سے اٹھ جائیں گے۔“

مجوسی نے کہا: ”سامنے والا رئیس تو اسی نبی کا کلمہ پڑھتا ہے جس کی تم اولاد ہو۔ اس نے

اس رشتے کا خیال بھی نہیں کیا؟“

بڑے بھائی نے جواب دیا: ”وہ یہ کہتا ہے کہ تم آل رسول ہو تو اس کا ثبوت پیش کرو۔

ہم نے ہزار اس سے کہا کہ غریب الوطنی میں ہم کیا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔ تم اس کا ثبوت قیامت

کے دن پہ اٹھا رکھو جب کہ تانا جان بھی دہاں موجود ہوں گے۔“

قیامت کا تذکرہ سن کر مجوسی کی آنکھیں چمک اٹھیں اس نے حیرت آمیز لہجے میں کہا۔

”تمہاری پیشانیوں میں عالم قدس کا جو نور جھلک رہا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت

چاہئے تھا اُسے؟“

اور یہ بھی کسی کو چشم کو نظر نہ آئے تو قدموں کے نیچے بچھ جانے کے لیے اپنے رسول

کا نام ہی کیا کم ہے۔ آخرت کی سرفرازی کا دار و مدار تو نسبت کی توقیر پر ہے۔ نسبت نہ بھی

واقعہ کے مطابق ہو جب بھی جزا کا استحقاق کہیں نہیں جاتا۔ دل کی نسبت بخیر ہے تو اس راہ

کی ٹھوکر بھی لائق تحسین ہے۔

بہر حال میں تمہارے نانا جان کا کلمہ گو تو نہیں ہوں لیکن ان کی پاکیزہ اور با عظمت زندگی سے دل ہمیشہ متاثر رہا ہے ان کی نسبت سے تم نونہالوں کے لیے اپنے اندر ایک عجیب کشش محسوس کر رہا ہوں۔

ویسے ایک با عظمت رسول کے ساتھ نہ بھی تمہارا نسبتی تعلق ہوتا جب بھی تمہاری بیٹی، عزیز الوطنی اور اس کے ساتھ تمہارا یہ معصوم چہرہ دونوں کو پگھلا دینے کے لیے کافی ہے۔

اب تم ایک معزز مہمان کی طرح میرے گھر کو اپنے قدموں کا اعزاز مرحمت کرو اور جب تک اطمینان بخش صورت نہ پیدا ہو جائے اس گھر سے کہیں جانے کا قصد نہ کرو۔ اس کے بعد وہ مجوسی رئیس دونوں بچوں کو اپنے ہمراہ گھر کے اندر لے گیا اور بیوی سے کہا۔

”دیکھو! یہ نازوں کے پلے ہوئے محمد عربی کے شہزادے ہیں۔ ان کے گھر کی چو کھٹ کا اقبال تمہیں معلوم بھی ہے۔ چارہ گری اور سفیض بخشی میں ان کا آستانہ ہمیشہ سے درد مندوں کی کائنات کا مرکز رہا ہے وہ واقعہ غالباً تمہیں یاد ہو گا جب کہ تمہاری گود خالی تھی گھر اندھیرا تھا۔ ایک چراغ آرزو کی تناسل میں کتنی بار تمہاری پلکیں بوجھل ہو چکی تھیں بالآخر اضطراب شوق میں ایک دن ہم دونوں گھر سے نکل پڑے اور کئی ہفتے کی راہ طے کر کے ایک گاؤں میں پہنچے تھے۔

جس خواجہ کارساز کی چو کھٹ پر کھڑے ہو کر تمہیں ایک ”لحنت جگر“ کی بشارت ملی تھی! معلوم ہے تمہیں وہ کون سی جگہ تھی؟ وہ انہی دو شہزادوں کے خانوادے کی ایک دل نواز بارگاہ تھی۔

لیکن یہ بھی وقت کا ماتم ہے بیگم! کہ لالہ کا جگر چن کے کھٹ پاکی ٹھنڈک سے شاداب رہا ہے آج وہ کانٹوں کی نوک سے گھائل ہیں اور جن کی پلکیوں کے سائے میں یہ جہان خاکی چین کی نیند سوتا ہے۔ آج وہ خود دیواروں کا سایہ تلاش کر رہے ہیں۔

بیگم! ان کے بزرگوں کا احسان تمہیں یاد نہ ہو جب بھی کم از کم اتنا ضرور یاد رکھنا

کہ یتیموں کی ناز برداری اور بے سہارا بچوں کی دل جوئی انسانی احسناق کا بہت ہی
دیکش نمونہ ہے۔“

مجوسی کی بیوی ایک رقیق القلب عورت تھی۔ ذرا سی دیر میں اس کی ماتا جاگ اٹھی۔
جذبہ اختیار میں دونوں بھائیوں کو اپنے قریب بٹھایا۔ سر پر ہاتھ پھیرا، نہسلا یا
کپڑے بدلوائے، بالوں پہ تیل رکھا، آنکھوں میں سرمہ لگایا اور بنا سنوار کر شوہر
کے سامنے لائی۔

فاطمی شہزادوں کی بلائیں لیتے ہوئے اس کے یہ رقت انگیز الفاظ ہمیشہ کے لیے گیتی
کے سینے میں جذب ہو گئے۔

”ذرا دیکھیے! یہ کالی گھٹاؤں کی طرح کاکل، یہ چاند کی طرح درخشاں پیشانی، یہ
نور کی موجوں میں نکھرا ہوا چہرہ، یہ پردے ہوئے موتیوں کی طرح دانتوں کی قطار، یہ
بھولوں کی پنکھڑی کی طرح پتلے پتلے ہونٹ۔ یہ گل ریز تبسم، یہ گہر بار تکلم، یہ رحمتوں
کا سویرا، یہ سرمگیں آنکھیں، یہ معصوم اداؤں کا چشمہ سیال! پرچ بتائیے، کیا یتیموں کی
یہی سچ دھج ہوتی ہے؟ خبردار آج سے میرے ان حسبگاروں کو جو یتیم کہے گا میں
اس کا منہ نوچ لوں گی“

ان کے گھر کا بنشا ہوا ایک چراغ پہلے ہی سے گھر میں تھا۔ دو چراغ اور آگئے۔
”جس گھر میں تین چراغوں کا نور برستا ہو وہ خاکیوں کا گھر نہیں ہے۔ وہ
ستاروں کی انجمن ہے۔“

پیار کی ٹھنڈی چھاؤں میں سپنج کر کلائے ہوئے پھول پھر سے تازہ ہو گئے۔ دونوں
بھائی سارا غم بھول گئے۔ اب جسم کا بال بال اور خون کا قطرہ قطرہ ان غمگسار شفقتوں کے لیے
دعا کی زبان بن چکا تھا۔

آج مسلمان رئیس کی قسمت کا آفتاب گہن میں آگیا تھا وہ بھی جلد سو گیا۔ بھوڑی
ہی دیر کے بعد گھبرا کے اٹھ بیٹھا اور سر پیٹنے لگا۔ گھر میں ایک کھرام چم گیا۔ سب لوگ
ارد گرد جمع ہو گئے۔

رئیس کی بیوی اس کی حالت دیکھ کر بد تو اس ہو گئی گھبراہٹ میں پوچھا۔
"کیا نہیں تکلیف ہے؟ معالج کو بلائیں، جلد بتائیے؟"

کچھ جواب دینے کے بجائے وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔

”ارے میں لٹ گیا۔ تباہ ہو گیا۔ میری مٹی برباد ہو گئی۔ کلیجہ شق ہوا جا رہا ہے۔“

قیامت کی گھڑی آگئی۔ ہر طرف اندھیرا ہے۔ ہائے میں لٹ گیا..... ہائے
میں لٹ گیا.....!

یہ کہتے کہتے اس پر غشی طاری ہو گئی۔ بھٹوڑی دیر کے بعد جب اسے ہوش آیا تو

بیوی نے روتے ہوئے کہا— جلد بتائیے کیا قصہ ہے میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔“

رئیس نے بڑی مشکل سے رکتے رکتے جواب دیا۔

”ہائے میں لٹ گیا۔ اپنی تباہی کا قصہ کیا بتاؤں تم سے۔!“

آج کا قصہ تمہیں معلوم ہی ہے۔ کتنی بے دردی کے ساتھ میں نے ان معصوم

سیدزادوں کو اپنے دروازے سے اٹھایا تھا۔ ہائے افسوس! اس وقت میری عقل کو کیا
ہو گیا تھا۔

ابھی آنکھ لگتے ہی اس واقعہ کے متعلق میں نے ایک نہایت بھیانک اور ہولناک

خواب دیکھا ہے.....

”کہ میں ایک نہایت حسین اور شاداب چمن میں چہل قدمی کر رہا ہوں۔ اتنے میں

ایک ہجوم دوڑتا ہوا میرے قریب سے گذرا۔ میں نے لپک کر دریافت کیا۔ آپ لوگ اتنی

تیزی کے ساتھ کہاں جا رہے ہیں؟“

”ان میں سے ایک شخص نے بتایا کہ باغ فردوس کا دروازہ کھول دیا گیا اور ایک اعلان

کے ذریعہ امت محمدی کو داخلے کی عام اجازت دے دی گئی ہے۔“

یہ سن کر میں خوشی سے ناچنے لگا اور ہجوم کے ساتھ شامل ہو گیا۔ باغ فردوس کا دروازہ

کھلا ہوا تھا ایک ایک کر کے لوگ داخل ہو رہے تھے۔

میں بھی آگے بڑھا اور جوہنی دروازے کے قریب پہنچا۔ جنت کے پاسبان نے

مجھے روک دیا۔ میں نے کہا کہ مجھے کیوں روکا جا رہا ہے۔ آخر میں بھی تو سرکارِ کائنات ہوں۔
اس نے حقارت آمیز لہجے میں جواب دیا ”تم امتی ہو تو اپنے امتی ہونے کا ثبوت دو۔
سند پیش کرو۔ اس کے بعد ہی تمہیں جنت میں داخلے کی اجازت مل سکے گی۔ بغیر ثبوت یے
اگر نبی زادوں کو تم اپنے گھر میں پناہ نہیں دے سکتے تو تمہیں بغیر ثبوت کے جنت میں داخلے
کی اجازت کیونکر مل سکتی ہے“

اب تم سے بات رحم و کرم کی نہیں ہوگی، ضابطے کی ہوگی۔ انجام سے مت گھبراؤ اس
سلسلے کا آغاز تمہی نے کیا ہے۔

”جادِ محشر کی تپتی ہوئی زمین پر چہل قدمی کرو، یہاں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔
جب سے یہ ہولناک خواب دیکھا ہے انکاروں پر لیٹ رہا ہوں۔ میرے تئیں یہ
خواب نہیں ہے، واقعہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ فردائے محشر میں یہ واقعہ میرے ساتھ
پیش آکر رہے گا۔“

”ہائے! میں ہمیشہ کے لیے سردی نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ قبرِ الہی کی زد سے جو
مجھے بچا سکتا تھا اسی کو میں نے آزرہ کر دیا ہے۔ اب کون میری چارہ سازی کرے گا۔
بیوی نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔“

آپ اپنی جان ہلکان مت کیجئے۔ خدا تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے اس کے دربار میں
روینے، تڑپنے، سنر یا دیکھئے، توبہ کا دروازہ ابھی کھلا ہوا ہے وہ آپ کی خطا ضرور
معاف کر دے گا۔ آپ کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کی رحمتوں سے ناامید ہونا مسلمانوں
کا نہیں کافروں کا شیوہ ہے:

رہیں نے کراہتے ہوئے جواب دیا: تمہاری عقل کہاں مر گئی ہے؟ ہوش کی بات
کرو! خدا کا جیب جب تک آزرہ ہے ہم لاکھ سنر یا د کریں۔ رحمت و کرم کا کوئی دروازہ
ہم پر نہیں کھل سکتا۔

خدا کی رحمت ہمیشہ اپنے محبوب کا تیر دیکھتی ہے۔ محبوب کی نظر سے گرنے والا کبھی
نہیں اٹھ سکتا ہے۔ صد حیف! جو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ سکتا ہے آج اسی کے

گھر کا آگینہ میں نے توڑ دیا۔ وہ نہ بھی اپنی زبان سے کچھ کے جب بھی مشیتِ الہی بہر حال اس کی طرفدار ہے۔ وہ مجھے ہرگز معاف نہیں کرے گی۔

بیوی کی آواز مدہم پڑ گئی اور اس نے دبے دبے لہجے میں کہا: تو پہلے خدا کے حبیب ہی کو راضی کر لیا جائے۔ ابھی شہزادے شہر سے باہر نہیں گئے ہوں گے۔ صبح تڑکے انہیں تلاش کریں اور جس طرح بھی ہو مہنت سماجت سے منا کر انہیں گھر لائیں۔ وہ اگر راضی ہو گئے اور انہوں نے آپ کو معاف کر دیا تو خدا کا حبیب بھی راضی ہو جائے گا اس کے بعد رحمتِ یزدانی کی توجہ حاصل کی جاسکے گی۔

یہ بات بیوی کی سُن کر رئیس کا چہرہ کھل گیا جیسے نگاہوں کے سامنے امید کی کوئی شمع جل گئی ہو۔ اتنی دیر کے بعد اب اسے اپنی نجات کا ایک موم سہارا نظر آیا تھا

آج صبح ہی سے مجوسی کے گھر پر مردوں، عورتوں اور بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ جذبہ شوق کے عالم میں وہ بے تحاشا گھر کی دولت لٹا رہا تھا۔ سارے شہر میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی تھی کہ خاندان رسالت کے دو شہزادے اس کے گھر مہمان ہیں۔

مسلمان رئیس اپنی بیوی کے ہمراہ ان کی تلاش میں جو نہی گھر سے باہر نکلا مجوسی کے دروازے پر لوگوں کی بھیڑ دیکھ کر تیراں رہ گیا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ خاندان رسالت کے دو نونہال کل سے اس کے میاں مقیم ہیں۔ پروانوں کا یہ مجوم انہی کے اعزاز میں اکٹھا ہوا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی رئیس کی بانچھیں کھل گئیں اس نے دل ہی دل میں طے کر لیا کہ مجوسی کو بچوں کے معاوضے میں چاہے زندگی بھر کی کمائی دینی پڑے قدم پیچھے نہیں ہٹاؤں گا بگڑی ہوئی تقدیر سنور گئی تو دولت کانے کے لیے ساری عمر پڑی ہے۔

نہایت تیزی کے ساتھ قدم بڑھاتے ہوئے رئیس اور اس کی بیوی دونوں مجوسی کے گھر پہنچے۔ دیکھا تو دونوں شہزادے دوسلے کی طرح بن سنور کر بیٹھے ہیں اور مجوسی ان

کے سروں پر سے اشرفیاں اتار کر محسوس کو ٹارہا ہے۔

رئیس نے آگے بڑھ کر مجوسی سے کہا۔

”مجھے آپ سے ایک نہایت ضروری کام ہے۔ ایک لمحے کے لیے توجہ فرمائیں“

مجوسی، رئیس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ”فرمائیے میرے لائق کیا خدمت ہے؟“

رئیس نے اپنی نگاہیں نیچی کرتے ہوئے کہا۔

”یہ دس ہزار اشرفیوں کا توڑا ہے اسے قبول فرمائیے اور یہ دونوں شہزادے میرے

حوالے کر دیجئے۔ مجھے حق بھی پہنچتا ہے کہ سب سے پہلے یہ میرے ہی غریب خانے

پر تشریف لائے تھے۔

مجوسی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”فردوس کی عالی شان عمارت رات آپ نے دیکھی ہے اور جس میں آپ کو

داخل ہونے سے روک دیا گیا، کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں دس ہزار اشرفیوں میں اسے

فروخت کر دوں اور زندگی میں پہلی بار رحمت یزدانی کا جو دروازہ کھلا ہے اسے اپنے

اوپر مقفل کر لوں۔

شاید آپ کو معلوم نہیں ہے کہ جس خواجہ کونین کو آزر دہ کر کے تو نے اپنے اوپر

جنت حرام کر لی ہے رات ان کے جلوہ بار تبسم سے ہمارے دلوں کی کائنات روشن ہو چکی ہے۔

اے خوش نصیب! کہ اب ہمارے گھر میں کفر کی شب دیکھ رہے ہیں ہے ایمان و اسلام

کا سویرا ہو چکا ہے۔

یاد کیجئے! خواب کی وہ بات جب آپ جنت کے پاس بان سے کہہ رہے تھے کہ

”آخر میں بھی سرکار کا امتی ہوں“ مجھے کیوں روکا جا رہا ہے؟ تو میں اس وقت اپنے پھوٹے

سے کنبے کے ساتھ جنت کے صدر دروازے سے گذر رہا تھا۔

مجھے یہ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کہ میں بھی سرکار کا امتی ہوں۔ سرکار کا امتی

کوڑوں کی بھڑ میں پہچان لیا گیا۔ وہاں زبان کی بات نہیں چلتی دل کا آئینہ پڑھا

جاتا ہے میرے بھائی!

ہمارے حال پر سرکار کی رحمت و نوازش کا اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز منظر دکھایا
چاہتے ہو تو اپنی اہلیہ کو اندر بھیج دیجئے۔ حضرت سیدہ کی کینز، شکرانے کی نماز ادا کر رہی ہے
غائبانہ ابھی سجدے میں ہوگی۔ سہرا اٹھانے کے بعد ذرا اس کی دیکھتی ہوئی پیشانی کا نظارہ کر لیں
عالم خواب میں جس حصے پر سیدہ نے اپنا دست شفقت رکھ دیا تھا وہاں اب تک چراغ جل
رہا ہے۔ کرن پھوٹ رہی ہے اور درو دیوار سے نور برس رہا ہے۔

جن شہزادوں کے دم قدم سے ہمارے نصیب چمکے، دلوں کی انجمن روشن ہوئی ہے
جیتے جی سردی امان کا پروانہ ملا اور ایک رات میں ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔ آپ
انہیں دس ہزار اشرفیوں میں خریدنا چاہتے ہیں؟ حالانکہ صبح سے اب تک میں دس ہزار
اشرفیاں صرف ان کے اوپر نثار کر چکا ہوں۔

اب وہ میرے مہمان نہیں ہیں گھر کے مالک ہیں۔ ہم خود ان کے حوالے میں انہیں
کیا حوالے کر سکتے ہیں۔

بھائی جان! آپ کا یہ سارا جوش و خروش رات کے خواب کا نتیجہ ہے۔ خواب سے
پہلے آنکھ کھل گئی ہوتی تو بات بن سکتی تھی۔ اب اس کا وقت گزر چکا ہے البتہ ماتم کا وقت
باقی ہے اور وہ کبھی گزرے گا نہیں۔

رئیس سر جھبکائے ہوئے باتیں سن رہا تھا اور روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں
بڑے بھائی کی نظر جو نہی اس کی طرف اٹھی، دل جذبہ رحم سے بھر آیا۔ بھرائی ہوئی آواز
میں کہا۔ بڑے سے بڑے غم کا بار سہہ لیا ہے لیکن بھگی ہوئی پلوں کا بوجھ ہم سے کبھی نہیں
اٹھ سکا۔ تم نے ہمارے ساتھ جو کچھ بھی کیا وہ تمہارا شیوہ تھا لیکن ہم تمہارے ساتھ اپنے
گھر کی بریت برتیں گے۔ جاؤ ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ نانا جان بھی معاف کر دیں گے۔

مایوسی کا غم نہ کھاؤ۔ جنت میں تم بھی ہمارے ساتھ رہو گے۔

گھر لوٹے وقت رئیس کا دل خوشی سے ناپج رہا تھا۔

(ارشاد القادری)

زمین کربلا کا خون منظر

اہل بیت کے نوجوانوں نے خاک کربلا کے صفحات پر اپنے خون سے شجاعت و جوانمردی کے وہ بے مثال نقوش ثبت فرمائے جن کو انقلاباتِ زمانہ کے ہاتھ محو کرنے سے قاصر ہیں۔ اب تک نیاز مندوں اور عقیدت کیشوں کی معرکہ آرائیاں تھیں جنہوں نے علمبردارانِ شجاعت کو خاک و خون میں لٹا کر اپنی بہادری کے غلغلے دکھائے تھے اب اسد اللہ کے مشیرانِ حق کا موقع آیا اور علی المرتضیٰ کے خاندان کے بہادروں کے گھوٹوں نے میدان کربلا کو جو لانگاہ بنا دیا۔

ان حضرات کا میدان میں آنا تھا کہ بہادروں کے دل سینوں میں لرزنے لگے اور ان کے حملوں سے شیر دل بہادر چرخ اٹھے۔ اسد اللہ ہی تلواریں تھیں یا شہاب ثاقب کی آتش باری بنی ہاشم کی نبرد آزمائی اور جاں شکار حملوں نے کربلا کی تشنہ لب زمین کو دشمنوں کے خون سے سیراب کر دیا اور خشک رنگستان سُرخ نظر آنے لگے۔ نیزوں کی نوکوں پر صف شکن بہادروں کو اٹھانا پڑا۔ خاک میں ملانا ہاشمی نوجوانوں کا معمولی کرتب تھا۔ ہر ساعت نیا مبارز آتا تھا اور ہاتھ اٹھاتے ہی فنا ہو جاتا تھا۔ ان کی تیغ بے نیام اجل کا پیام تھی اور نوکِ سناں قضا کا فرمان۔ تلواروں کی چمک نے نگاہیں خیرہ کر دیں اور ضرب و حرب کے جوہر دیکھ کر کوہِ پیکر ترساں و ہراساں ہو گئے۔ کبھی مہینہ پر حملہ کیا تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سوار مقتولوں کے سمندر میں تیر رہا ہے کبھی مسیرہ کی طرف حملہ کیا تو معلوم ہوا کہ مردوں کی جماعت کھڑی تھی جو اشارہ کرتے ہی لوٹ گئی۔ صاعقہ کی طرح چمکنے والی تیغ خون میں ڈوب ڈوب گئی تھی اور خون کے قطرات اس سے ٹپکتے تھے۔ اس طرح خاندانِ امام کے نوجوان اپنے اپنے جوہر دکھا دکھا کر امامِ عالی مقام پر جان قربان کرتے چلے جا رہے تھے۔ خیمہ سے

چلتے تھے تو بیلِ اَحْيَاءُ عِنْدَ دَبْتِهْمُزْ کے چمنستان کی دلکش فضا ان کی آنکھوں کے سامنے ہوتی تھی، میدانِ کربلا کی راہ سے اس منزل تک پہنچنا چاہتے تھے۔

فرزندانِ امامِ حسنِ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محاربہ نے دشمن کے ہوش اڑا دیئے۔ ابنِ سعد نے اعتراف کیا کہ اگر فریب کاریوں سے کام نہ لیا جاتا یا ان حضرات پر پانی بند نہ کیا جاتا تو اہل بیت کا ایک ایک نوجوان تمام لشکر کو برباد کر ڈالتا۔ جب وہ مقابلہ کے لیے اٹھتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ قہرِ الہی آ رہا ہے ان کا ایک ایک ہمزور صفِ شکنی و مبارزِ فکسنی میں فرد تھا۔

الحاصل اہل بیت کے نونہال اور ناز کے پالوں نے میدانِ کربلا میں حضرت امام پر اپنی جانیں فدا کیں اور تیر و سنان کی بارش میں حمایتِ حق سے منہ نہ موڑا۔ گردنیں کٹوائیں، خون بہائے، جانیں دیں، مگر کلمہِ ناحق زبان پر نہ آنے دیا۔ نوبت بہ نوبت تمام شہزادے شہید ہوتے چلے گئے۔ اب حضرت امام کے سامنے ان کے نورِ نظر حضرت علی اکبر حاضر ہیں۔ میدان کی اجازت چاہتے ہیں۔ منت و سماجت ہو رہی ہے۔ عجیب وقت ہے چیتا بیٹا شفیق باپ سے گردن

کٹوانے کی اجازت چاہتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے جس کی کوئی ہٹ، کوئی ضد ایسی نہ تھی جو پوری نہ کی جاتی جس نازنین کو کبھی پدر مہربان نے انکاری جواب نہ دیا تھا آج اس کی یہ تمنا یہ التجادل و جھگڑ پر اثر کیا کرتی ہوگی۔ اجازت دیں کس بات کی؟ گردن کٹانے اور خون بہانے کی نہ دیں تو چمنستان رسالت کا وہ گل ستاوا بکھلایا جاتا ہے مگر اس آرزو مند شہادت کا

اصرار اس حد پر تھا اور شوقِ شہادت نے ایسا وارفتہ بنا دیا تھا کہ چار و ناچار حضرت امام کو اجازت دینا ہی پڑی حضرت امام نے اس نوجوان جمیل کو خود گھوڑے پر سوار کیا۔ اس دست مبارک سے لگائے۔ فولادی مغفر سر پر رکھا۔ مگر پرٹکا بانڈھا۔ تلوار حائل کی۔ نیزہ اس ناز پروردہ سیادت کے مبارک ہاتھ میں دیا اس وقت اہل بیت کی بیسیوں، بچوں پر

کیا گزر رہی تھی جن کا تمام کنبہ و قبیلہ برادرِ فرزند سب شہید ہو چکے تھے اور ایک جگمگاتا ہوا چراغ بھی آخری سلام کر رہا تھا ان تمام مصائب کو اہل بیت نے رضائے حق کے لیے بڑے استقلال کے ساتھ برداشت کیا اور یہ انہیں کا حوصلہ تھا حضرت علی اکبر خیمہ سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار کی طرف تشریف لائے۔ جنگ کے مطلع میں ایک آفتاب چمکا مشکیں

کاکل کی خوشبو سے میدان مہک گیا، چہرہ کی تھلی نے معرکہ کارزار کو عالم انوار بنا دیا۔
 نور نگاہ فناطمہ آسماں جناب
 نخت دل امام حسین ابن بو تراب
 صبرِ دل خدیجہ پاک ارم قباب
 شیر خدا کا شیر وہ شیروں میں انتخاب
 گیسو تھے مشک ناب تو چہرہ تھا آفتاب
 مہر سپر ہو گیا خجلیت سے آب آب
 کاکل کی شام رُخ کی سحر موسم شباب
 شہزادہ جلیل علی اکبر جلیل
 پالا تھا اہل بیت نے آغوش ناز میں
 صحرائے کوفہ عالم انوار بن گیا!
 خورشید جلوہ گر ہوا پشت سمند پر
 صولت نے مرجھا کہا شوکت تھی رجز خواں
 چہرہ کو اس کے دیکھ کے آنکھیں جھپک گئیں
 سینوں میں آگ لگ گئی اعدائے دین سے
 نیزہ جگر شگاف تھا اس گل کے ہاتھ میں
 چمکا کے تیغ مردوں کو نامرد کر دیا
 کہتے تھے آج تک نہیں دیکھا کوئی جوان
 مردان کار لوزہ بر اندام ہو گئے!
 کوہ پکیروں کو تیغ سے دو پارہ کر دیا
 تلوار تھی کہ صاعقہ برق بار تھا!
 چہرے میں آفتاب نبوت کا نور کا
 پیاسا رکھا جنہوں نے انہیں سیر کر دیا

میدان میں اس کے حسن عمل دیکھ کے نعیم!

حیرت سے بدحواس تھے جتنے تھے شیخ و شاب

میدان کربلا میں فاطمی نوجوان پشتِ سمند پر جلوہ آرا تھے۔ چہرہ کی تابش ماہِ تاباں کو
 شرما رہی تھی۔ مہرِ وقامت نے اپنے جمال سے رنگستان کو بُستانِ حُسن بنا دیا۔ جوانی کی
 بہاریں قدموں پر نثار ہو رہی تھیں۔ بنبل کاکل سے نخل برگ گل اس کی نزاکت سے منفعل
 حُسن کی تصویر مصطفیٰ کی تویرِ حبیب کبریا علیہ التَّجِیۃ وَالنَّوَارِ کے جمالِ اقدس کا خطبہ پڑھ رہی
 تھی۔ یہ چہرہ تاباں اس روئے درخشاں کی یاد دلاتا تھا۔ ان سنگدلوں پر حیرت جو اس گل
 شاداب کے مقابلہ کا ارادہ رکھتے تھے۔ ان بے دیوں پر بے شمار نفرت جو حبیبِ خدا کے
 نونمائی کو گزند پہنچانا چاہتے تھے۔ یہ اسد اللہ شیر میدان میں آیا صفتِ اعداء کی طرف نظر
 کی۔ ذوالفقارِ حیدری کو چمکایا اور اپنی زبانِ مبارک سے رجز شروع کی۔ أنا علی ابن
حسین بن علی بن اہل البیت اولی بالنبی۔ جس وقت شہزادہ عالی قدر نے یہ
 رجز پڑھی ہوگی کربلا کا چہرہ چہرہ اور رنگستان کو ذرہ ذرہ کانپ گیا ہوگا۔ ان مدعیانِ ایمان
 کے دل پتھر سے بدرجہا بدتر تھے۔ جنہوں نے اس نوبادہ چمنستان رسالت کی زبانِ شیریں سے
 یہ کلمے سنے پھر بھی ان کی آتشِ عناد سرد نہ ہوئی اور ٹھیندہ سینہ سے کینہ دور نہ ہوا۔ لشکریوں نے
عمر بن سعد سے پوچھا یہ سوار کون ہے جس کی تجلی نگاہوں کو خیرہ کر رہی ہے اور جس کی
ہیبت و صولت سے بہادروں کے دل ہراساں ہیں۔ شانِ شجاعت اس کی ایک ایک
ادا سے ظاہر ہے۔ کہنے لگا یہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ زند ہیں
 صورت و سیرت میں اپنے جدِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے بہت مناسبت رکھتے تھے یہ
 سن کر لشکریوں کو کچھ پریشانی ہوئی اور ان کے دلوں نے ان پر ملامت کی کہ اس آقا زائے
 کے مقابل آنا اور ایسے جلیل القدر مہمان کے ساتھ یہ سلوک بے مروتی کرنا نہایت سفلہ پنہا
 اور بد باطنی ہے لیکن ابن زیاد کے وعدے اور یزید کے انعام و اکرام کی طمع دولت و مال
 کی حرص نے اس طرح گرفتار کیا تھا کہ وہ اہل بیت اطہار کی قدر و شان اور اپنے انفعال
 کردار کی شامت و نحوست جاننے کے باوجود اپنے ضمیر کی ملامت کی پرواہ نہ کر کے
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی بنے اور اہل رسول کے خون سے کنارہ کرنے اور اپنے
 دارین کی روسیاسی سے بچنے کی انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی شہزادہ عالی قدر نے

مبارز طلب فرمایا صفت اعداء میں کسی کو جنبش نہ ہوئی کسی بہادر کا قدم نہ بڑھا معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے مقابل بکریوں کا ایک گلہ ہے جو دم بخود اور ساکت ہے۔

حضرت علی اکبر نے پھر نعرہ مارا اور فرمایا کہ اسے ظالمان جفاکش اگر بنی فاطمہ کے خون کی پیاس ہے تو تم میں سے جو بہادر ہے اسے میدان میں بھیجو۔ زور بازو کے علی دیکھنا ہو تو میرے مقابل آؤ مگر کس کی ہمت تھی جو آگے بڑھتا کس کے دل میں تائب و تواں تھی کہ شیر زیاں کے سامنے آتا۔ جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ دشمنان خونخوار میں سے کوئی نہ آیا آگے نہ بڑھتا اور ان کو برابر کی ہمت نہیں ہے کہ ایک کو ایک کے مقابل کریں تو آپ نے سمند بادیا کی باگ اٹھائی اور سن صبار فتار کے ہمیز لگائی اور صعافتہ دار دشمن کے لشکر پر حملہ کیا جس طرف زد کی پرے پرے بٹا دیئے۔ ایک ایک وار میں کئی کئی دیوپیکر گرا دیئے۔ ابھی مہینہ پر چمکے تو اس کو منتشر کیا۔ ابھی میسرہ کی طرف پلٹے تو صفیں درہم برہم کر ڈالیں کبھی قلب لشکر میں غوطہ لگایا تو گردن کشوں کے سر موسم خزاں کے پتوں کی طرح تن کے درختوں سے جدا ہو کر گرنے لگے۔ ہر طرف شور برپا ہو گیا۔ دلا درہوں کے دل تھپوٹ گئے۔ بہادروں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں کبھی نیزے کی ضرب تھی۔ کبھی تلواروں کا وار تھا۔ شہزادہ اہل بیت کا حمد نہ تھا عذاب الہی کی بلائے عظیم تھی۔ دھوپ میں جنگ کرتے کرتے چنستان اہل بیت کے عمل شاداب کو تشنگی کا غلبہ ہوا۔ باگ موڑ کر والد ماجد کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا یا آتباہ العطش اسے پدر بزرگوار پیاس کا بہت غلبہ ہے۔ غلبہ کی کیا انتہا تین دن سے پانی بند ہے۔ تیز دھوپ اور اس میں جاں بازانہ دوڑ دھوپ، گرم ریگستان لوسے کے ہتھیار جو بدن پر لگے ہونے ہیں وہ تازت آفتاب سے آگ ہوئے ہیں۔ اگر اس وقت حلق تر کرنے کیلئے چند قطرے مل جائیں تو فاطمی شیر گریہ بھلائیوں کو پیوند خاک کر ڈالیں۔

شفیق باپ نے جاننا بیٹے کی پیاس دیکھی مگر پانی کہاں تھا۔ جو اس تشنہ شہادت کو دیا جاتا۔ دست شفقت سے چہرہ کلگوں کا گرد و غبار صاف کیا اور اپنی انگشتری فرزند ارجمند کے دہان اقدس میں رکھ دی۔ پدر مہربان کی شفقت سے فی الجملہ تسکین ہوئی پھر شہزادہ نے میدان کا رخ کیا پھر صدادی "هل من مبارز" کوئی جان پر کھیلنے والا ہو تو سامنے

آئے۔ عمرو بن عاص نے طارق سے کہا بڑے شرم کی بات ہے کہ اہل بیت کا اکیلا نوجوان میدان میں ہے اور تم ہزاروں کی تعداد میں ہو۔ اس نے پہلی مرتبہ مبارز طلب کیا تو تمہاری جماعت میں کسی کو ہمت نہ ہوئی پھر وہ آگے بڑھا تو صفوں کی صفیں درہم برہم کر ڈالیں۔ او بہادرؤں کا کھیت کر دیا۔ بھوکا ہے، پیاسا ہے۔ دھوپ میں لڑتے لڑتے تھک گیا ہے جستہ اور ماندہ ہو چکا ہے پھر مبارز طلب کرتا ہے اور تمہاری تازہ فوج میں سے کسی کو یارائے مقابلہ نہیں۔ تفت ہے تمہارے دعوائے شجاعت و بسالمت پر۔ ہو کچھ غیرت تو میدان میں نکل کر مقابلہ کر کے فستح حاصل کر۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تو نے یہ کام انجام دیا تو عبید اللہ ابن زیاد سے تجھ کو موصل کی حکومت دلا دوں گا۔ طارق نے کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر فرزند رسول اور اولادِ بتول سے مقابلہ کر کے اپنی عاقبت بھی خراب کروں پھر بھی تو اپنا وعدہ وفا نہ کرے تو میں نہ دنیا کا نہ دین کا۔ ابن سعد نے قسم کھائی اور پختہ قول و مستدار کیا۔

اس پر عریض طارق موصل کی حکومت کے لالچ میں گل بستان رسالت کے مقابلہ کے لیے چلا۔ سامنے پہنچتے ہی شہزادہ والا تبار پر نیزہ کا وار کیا۔ شہزادہ عالی جاہ نے اس کا نیزہ رو دفرما کر سینہ پر ایک ایسا نیزہ مارا کہ طارق کی پیٹھ سے نکل گیا اور وہ ایک دم گھوڑے سے گر گیا۔ شہزادے نے کمال ہنرمندی گھوڑے کو اڑھ دے کر اس کو روند ڈالا اور ہڈیاں چکنا چور کر دیں۔ یہ دیکھ کر طارق کے بیٹے عمرو بن طارق کو طیش آیا اور وہ جھلاتا ہوا گھوڑا دوڑا کر شہزادہ پر حملہ آور ہوا۔ شاہ زادے نے ایک ہی نیزہ میں اس کا کام بھی تمام کیا۔

اس کے بعد اس کا بھائی طلحہ بن طارق، اپنے باپ اور بھائی کا بدلہ لینے کے لیے آتشیں شعلہ کی طرح شہزادہ پر دوڑ پڑا۔ حضرت علی اکبر نے اس کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر زین سے اٹھا لیا۔ اور زمین پر اس زور سے پٹکا کر اس کا دم نکل گیا۔ شہزادہ کی ہیبت سے لشکر میں شور مبرپا ہو گیا۔

ابن سعد نے ایک مشہور بہادر مصراع ابن غالب کو شہزادہ کے مقتولہ کے لیے

بھیجا۔ مصراع نے شہزادہ پر حملہ کیا۔ آپ نے تلوار سے نیزہ قلم کر کے اس کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ زمین تک کٹ گئی دو ٹکڑے ہو کر گر گیا۔ اب کسی میں ہمت نہ رہی کہ تنہا اس شیر کے مقابل آتا۔ ناچار ابن سعد نے محکم بن طفیل بن نوفل کو ہزار سواروں کے ساتھ شہزادہ پر یکبارگی حملہ کرنے کے لیے بھیجا۔ شہزادے نے نیزہ اٹھا کر ان پر حملہ کیا اور انہیں دھکیل کر قلب شکر تک پہنچا دیا۔

اس محلے سے شہزادے کے ہاتھ سے کتنے بدنصیب ہلاک ہوئے کتنے پیچھے ہٹے۔ آپ پر پیاس کی بہت شدت ہوئی۔ پھر گھوڑا دوڑا کر پدر عالی قدر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: العطش العطش بابا پیاس کی بہت شدت ہے۔ اس مرتبہ حضرت امام نے فرمایا اے نور دیدہ حوض کوثر سے سیرابی کا وقت قریب آگیا ہے۔ دست مصطفیٰ علیہ النجیۃ والثناء سے وہ جام ملے گا جس کی لذت نہ تصور میں آسکتی ہے نہ زبان بیان کر سکتی ہے۔ یہ سن کر حضرت علی اکبر کو خوشی ہوئی اور وہ پھر میدان کی طرف لوٹ گئے اور لشکر دشمن کے میدان وسیار پر حملہ کرنے لگے، اس مرتبہ لشکر اشرار کی یکبارگی چاروں طرف سے گھیر کر حملے کرنا شروع کر دیئے آپ بھی فرماتے رہے اور دشمن ہلاک ہو ہو کر خاک و خون میں لوٹے رہے لیکن چاروں طرف سے نیزوں کے زخموں نے تن نازنین کو چکنا چور کر دیا تھا اور چمن فاطمہ کا گل رنگین اپنے خون میں نہا گیا تھا۔ پیہم تیغ و سغان کی ضربیں پڑ رہی تھیں اور فاطمی شہسوار پر تیر و تلوار کا مینہ برس رہا تھا۔ اس حالت میں آپ پشت زمین سے روئے زمین پر آئے اور سو وقامت نے خاک کر بلا پر استراحت کی۔ اس وقت اپنے آواز دی یا اتباہ ادرکنی اسے پدر بزرگوار مجھ کو لیجئے۔ حضرت امام گھوڑا بڑھا کر میدان میں پہنچے اور جانباز نونہاں کو خیمہ میں لائے۔ اس کا سر گود میں لیا حضرت علی اکبر نے آنکھ کھولی اور اپنا سر والد کی گود میں دیکھ کر فرمایا۔ جان ما نیاز مندان قربان تو باد۔ اسے پدر بزرگوار میں دیکھ رہا ہوں آسمان کے دروازے کھلے ہیں بہشتی توریں شربت کے جام لیے انتظار کر رہی ہیں یہ کہا اور جان، جان آفرین کے سپرد کی۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

اہل بیت کا صبر و تحمل اشد اکبر! امید کے گل نوشگفتہ کو کم لایا ہوا دیکھا اور الحمد للہ

کہا، ناز کے پالوں کو قربان کر دیا اور شکر الہی بجالائے مصیبت و اندوہ کی کچھ نہایت ہے
 فاقہ پر فاقے ہیں۔ پانی کا نام و نشان نہیں۔ بھوکے پیاسے فرزند تڑپ تڑپ کر جانیں دے
 چکے ہیں۔ جلتی ریت پر فاطمی تو نہال ظلم و جفا سے ذبح کیے گئے۔ عزیز و اقارب، دوست
 و احباب، خادم، موالی، دلبند، جگر پیوند، سب آئین و فادا کر کے دوپہر میں شربت شہادت
 نوش کر چکے ہیں۔ اہل بیت کے قافلہ میں سناٹا ہو گیا ہے جن کا کلمہ تسکین دل و راحت
 جان تھا۔ وہ نور کی تصویریں خاک و خون میں خاموش پڑی ہوئی ہیں۔ آل رسول نے رضا و صبر
 کا امتحان وہ دیا جس نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ بڑے سے لے کر بچے تک
 مبتلائے مصیبت تھے۔

حضرت امام کے چھوٹے فرزند علی اصغر جو ابھی کمسن ہیں شیر خوار ہیں، پیاس سے
 بیتاب ہیں۔ شدت تشنگی سے تڑپ رہے ہیں۔ ماں کا دودھ خشک ہو گیا ہے۔ پانی کا نام و
 نشان تک نہیں ہے اس چھوٹے بچے کی زبان باہر آتی ہے۔ بے چینی میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں
 اور پیچ کھا کھا کر رہ جاتے ہیں۔ کبھی ماں کی طرف دیکھتے ہیں اور ان کو سوکھی زبان دکھاتے ہیں
 نادان بچہ کیا جانتا ہے کہ ظالموں نے پانی بند کر دیا ہے ماں کا دل اس بے چینی سے
 پاش پاش ہوا جاتا ہے۔ کبھی بچہ باپ کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ جانتا تھا کہ ہر چیز لاکر
 دیا کرتے تھے۔ میری اس بے کسی کے وقت بھی پانی بہم پہنچائیں گے۔ چھوٹے بچے کی
 بے تابی دیکھی نہ گئی۔ والدہ نے حضرت امام سے عرض کیا اس ننھی سی جان کی بے تابی دیکھی نہیں
 جاتی اس کو گود میں لے جائیے اور اس کا حال نالمان سنگ دل کو دکھائیے اس پر تو رحم
 آئے گا اس کو تو چند قطرے دے ہی دیں گے۔ یہ نہ جنگ کرنے کے لائق ہے نہ میدان کے
 لائق ہے اس سے کیا عداوت ہے حضرت امام اس چھوٹے نورِ نظر کو سینے سے لگا کر سپاہِ دشمن کے
 سامنے پہنچے اور فرمایا کہ اپنا تمام کنبہ تو تمہاری بے رحمی اور جو رو جفا کے نظر کر چکا۔ اب اگر آتش
 بغض و عناد جو شش پر ہے تو اس کے لیے میں ہوں۔ یہ شیر خوار بچہ پیاس سے دم توڑ رہا ہے
 اس کی بی تابی دیکھو اور کچھ شائبہ بھی رحم کا ہو تو اس کا حلق تیر کرنے کو ایک گھونٹ پانی دو۔
 جفا کاران سنگدل پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور ان کو ذرا رحم نہ آیا۔ بجائے پانی کے ایک۔

بدبخت نے تیر مارا جو علی اصفہر کا حلق پھیدتا ہوا امام کے بازو میں بیٹھ گیا۔ امام نے وہ تیر کھینچا۔ بچہ نے تڑپ کر جان دی باپ کی گود سے ایک نور کا پتلا لپٹا ہوا ہے۔ خون میں نہا رہا ہے۔ اہل خیمہ کو گمان ہے کہ سیاہ دلابن رحم اس بچہ کو ضرور پانی دے دیں گے اور اس کی تشنگی دلوں پر ضرور اثر کرے گی۔

لیکن جب امام اس شگوفہ تنا کو خیمہ میں لائے اور اس کی والدہ نے اول نظر میں دیکھا کہ بچہ میں بے تابانہ حرکتیں نہیں ہیں۔ سکون کا عالم ہے نہ وہ اضطراب ہے نہ بیقراری گمان ہوا کہ پانی دے دیا ہوگا۔ حضرت امام سے دریافت کیا۔ فرمایا وہ بھی ساقی کوثر کے جامِ رحمت و کرم سے سیراب ہونے کے لیے اپنے بھائیوں سے جا ملایا۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری یہ چھوٹی قربانی بھی قبول فرمائی۔ الحمد للہ علی احسانہ و نوالہ۔

رضا و تسلیم کی امتحان گاہ میں امام حسین اور ان کے متوسلین نے وہ ثابت قدمی دکھائی کہ عالم ملائکہ بھی حیرت میں آگیا ہوگا۔ اَلْفَتْ اَعْلُو مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کاراز ان پر منکشف ہو گیا ہوگا۔

اب وہ وقت آیا کہ جاں نثار ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے اور حضرت امام پر جانیں قربان کر گئے۔ اب تنہا حضرت امام ہیں اور ایک فرزند حضرت امام زین العابدین وہ بھی بیمار و ضعیف۔ باوجود اس ضعف و ناطقتی کے خیمہ سے باہر آئے اور حضرت امام کو تنہا دیکھ کر مصافحہ کارزار میں جانے اور اپنی جان نثار کرنے کے لیے نیزہ دست مبارک میں لیا لیکن بیماری، مفر کی کوفت، بھوک پیاس، متواتر ناقوں اور پانی کی تکلیفوں سے ضعف اس درجہ ترقی کر گیا تھا کہ کھڑے ہونے سے بدن مبارک لرزتا ہے۔ باوجود اس کے ہمت مردانہ کا یہ حال تھا کہ میدان کا عزم کر دیا۔

حضرت امام نے فرمایا۔ جان پدر لوٹ آؤ۔ میدان جانے کا قصد نہ کرو۔ کنبہ و قبیلہ عزیز و اقارب، خدام، موالی جو ہمراہ تھے راہِ حق میں نثار کر چکا اور الحمد للہ کہ ان مصائب کو جد کریم کے صدقہ میں صبر و تحمل کے ساتھ برداشت کیا اب اپنا ناچیز ہدیہ سر راہ خدا میں نذر کرنے کے لیے حاضر ہے۔ تمہاری ذات کے ساتھ بہت امیدی وابستہ ہیں بیکسان اہل بیت

کو وطن تک پہنچانے کا بیسیوں کی نگہداشت کون کرے گا۔ جد و پدر کی امانتیں جو میرے پاس ہیں کس کے سپرد کی جائیں گی۔ قرآن کریم کی محافظت اور حقائق عرفانیہ کی تبلیغ کا مرکز کس کے سر پر رہ جائے گا، میری نسل کس سے چلے گی۔ حسینی سیدوں کا سلسلہ کس سے جاری ہوگا۔ یہ سب توقعات تمہاری ذات سے وابستہ ہیں دو دمان رسالت و نبوت کے آخری چراغ تم ہی ہو۔ تمہاری ہی طلعت سے دنیا مستفید ہوگی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلدادگان حُسن تمہارے ہی روئے تاباں سے حبیب حق کے انوار و تجلیات کی زیارت کریں گے۔ اسے نور نظر لخت جگر یہ تمام کام تمہارے ذمہ کیے جاتے ہیں۔ میرے بعد تم ہی میرے جانشین ہو گے تمہیں میدان جانے کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ میرے بھائی تو جہاں نثاری کی سعادت پا چکے ہیں اور حضور کے سامنے ہی ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو شش رحمت و کرم میں پہنچے۔ میں تڑپ رہا ہوں مگر حضرت امام نے کچھ پذیر نہ فرمایا اور امام زین العابدین کو ان تمام ذمہ داریوں کا حامل کیا اور خود جنگ کے لیے تیار ہوئے۔ قبائے مصری پہنی اور عمادہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سر پر باندھا۔ سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی سپریشٹ پر رکھی۔ حضرت حیدر کربار کی ذوالفقار آبدار حائل کی۔ اہل خمیہ نے اس منظر کو کون آنکھوں سے دیکھا۔ امام میدان جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اس وقت اہل بیت کی بے کسی انتہا کو پہنچتی ہے اور ان کا سردار اُن سے طویل عرصہ کے لیے جدا ہوتا ہے۔ ناز پروردوں کے سروں سے شفقت پدری کا سایہ اٹھنے والا ہے۔ نونہالان اہل بیت کے گرد قیہی مستڈ لارہی ہے۔ ازدواج سے سہاگ رخصت ہو رہا ہے۔ دکھے ہوئے اور مجروح دل امام کی جدائی سے کٹ رہا ہے۔ سبکیں قافلہ حسرت و یاس کی نکا ہوں سے امام کے چہرہ دل افروز پر نظر کر رہا ہے۔ سکینہ کی ترسی ہوئی آنکھیں پدر بزرگوار کا آخری دیدار کر رہی ہیں۔ آن دو آن میں یہ جلوے ہمیشہ کے لیے رخصت ہونے والے ہیں۔ اہل خمیہ کے چہروں سے رنگ اڑ گئے ہیں حسرت و یاس کی تصویریں کھڑی ہوئی ہیں۔ نہ کسی کے بدن میں جنبش ہے نہ کسی کی زبان میں تاب حرکت نورانی آنکھوں سے آنسو چمک رہے ہیں۔

خاندانِ مصطفیٰ بے وطنی اور بیکسی میں اپنے سروں سے رحمت و کرم کے سایہ گستر کو رخصت کر رہا ہے۔ حضرت امام نے اپنے اہل بیت کو تلقین صبر فرمائی۔ رضائے الہی پر صابر و شاکر رہنے کی ہدایت کی اور سب کو سپردِ خدا کر کے میدان کی طرف رُخ کیا۔ اب نہ قاسم ہیں نہ ابوبکر و عمر و عثمان و عون نہ جعفر نہ عباس۔ جو حضرت امام کو میدان جانے سے روکیں اور اپنی جانیں امام پر فدا کریں۔ علی اکبر بھی آرام کی نیند سو گئے جو حصول شہادت کی تمنا میں بے چین تھے۔ تنہا امام ہیں اور آپ ہی کو اعداء کے مقابل جانا ہے۔

خیمہ سے چلے اور میدان میں پہنچے۔ حق و صداقت کا روشن آفتاب سر زمینِ شام میں طالع ہوا۔ امید زندگانی و تمنائے زلیت کا گرد و غبار اس کے جلوے کو چھپا نہ سکا۔ حُبِ دنیا و آسائش کی رات کے سیاہ پردے آفتابِ حق کی تجلیوں سے چاک چاک ہو گئے۔ باطل کی تاریکی اس کی نورانی شعاعوں سے کافور ہو گئی۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کافرِ زندقہ میں گھر ٹا کر سرکھن موجود ہے۔ ہزار ہا سپہ گراں نبرد آزما لشکر گراں موجود ہے اور اس کی پیشانی مصفا پر شکن بھی نہیں۔ دشمن کی فوج پہاڑوں کی طرح گھیرے ہوئے ہیں اور امام کی نظر میں پرکاش کے برابر بھی ان کا وزن نہیں۔ آپ نے ایک جز پڑھی جو آپ کے ذاتی و نسبی فضائل پر مشتمل تھی اور اس میں شامیوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی و ناراضگی اور ظلم کے انجام سے ڈرایا گیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ فرمایا اور اس میں حمد و صلوة کے بعد فرمایا۔ اے قوم! خدا سے ڈرو جو سب کا مالک ہے جان دینا۔ جان لینا سب اس کے قدرت و اختیار میں ہے اگر تم خداوندِ عالم جل جلالہ پر یقین رکھتے اور میرے جد حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہو تو ڈرو کہ قیامت کے دن میزانِ عدل قائم ہوگی۔ اعمال کا حساب کیا جائے گا۔ میرے والدین محشر میں اپنی آل کے بے گناہ خون کا مطالبہ کریں گے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شفاعت گناہ گاروں کی مغفرت کا ذریعہ ہے اور تمام مسلمان جن کی شفاعت کے امیدوار ہیں وہ تم سے میرے اور میرے جانباڑوں کے خونِ ناحق کا بدلہ چاہیں گے۔ تم میرے اہل و عیال اعزہ و اطفال اصحاب و موالی

میں سے ستر سے زیادہ کو شہید کر چکے ہو اور اب میرے قتل کا ارادہ رکھتے ہو۔ خبردار ہو جاؤ کہ عیش دنیا میں پائیداری و قیام نہیں۔ اگر سلطنت کی طمع میں میرے درپے آزار ہو تو مجھے موقع دو کہ میں عرب چھوڑ کر دنیا کے کسی اور حصہ میں چلا جاؤں۔ اگر یہ کچھ منظور نہ ہو اور اپنی حرکات سے باز نہ آؤ تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مرضی پر صابر و شاکر ہیں۔ **الحکم لله ورضینا بقضاء الله**۔

حضرت امام کی زبان گو ہر فشاں سے یہ کلمات کسن کر کوفیوں میں سے بہت لوگ رو پڑے۔ دل سب کے جانتے تھے کہ وہ برسرِ ظلم و جفا ہیں اور حمایت باطل کے لیے انہوں نے دارین کی روسیاری کی ہے اور یہ بھی سب کو یقین تھا کہ امام مظلوم حق پر ہیں امام کے خلاف ایک ایک جنبش دشمنانِ حق کے لیے آخرت کی رسوائی و خواری کا موجب ہے اس لیے بہت سے لوگوں پر اثر ہوا اور ظالمانِ بد باطن نے بھی ایک لمحہ کے لیے اس سے اثر لیا۔ ان کے بدنوں پر پھیری سی آگئی اور ان کے دلوں پر ایک بجلی سی چمک گئی۔ لیکن شمر وغیرہ بدسیرت و پلید طبیعت رذیل کچھ متاثر نہ ہوئے بلکہ یہ دیکھ کر کہ لشکریوں پر حضرت امام کی تقریر کا کچھ اثر معلوم ہوتا ہے۔ کہنے لگے کہ آپ قصہ کوتاہ کیجیے اور ابن زیاد کے پاس چل کر یزید کی بیعت کر لیجئے تو آپ سے تعارض نہ کرے گا۔ ورنہ بجز جنگ کے کوئی چارہ نہیں ہے۔ حضرت امام کو انجام معلوم تھا لیکن یہ تقریر اقامتِ حجت کے لیے فرمائی تھی کہ انہیں کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ نظر، خاتونِ جنت فاطمہ الزہراء کا لختِ جگر، بیسی بھوک پیاس کی حالت میں آل و اصحاب کی مفارقت کا زخمِ دل پر لیے ہوئے گرم ریگستان میں بیس ہزار لشکر کے سامنے تشریف فرما ہے۔ تمام حجتیں قطع کر دی گئیں اپنے فضائل اور اپنی بے گناہی سے اعداء کو اچھی طرح آگاہ کر دیا اور بار بار بتا دیا کہ میں بقصد جنگ نہیں آیا اور اس وقت تک ارادہ جنگ نہیں ہے اب بھی موقع دو تو واپس چلا جاؤں مگر بیس ہزار کی تعداد امام کو بے کس و تنہا دیکھ کر جوشِ بہادری دکھانا چاہتی ہے۔ جب حضرت امام نے اطمینان فرمایا کہ بددلائنِ بد باطن کے لیے کوئی عذر باقی

نہ رہا اور وہ کسی طرح خون ناحق و ظلم بے نہایت سے باز آنے والے نہیں تو امام نے فرمایا کہ تم جو ارادہ رکھتے ہو پورا کرو اور جس کو میرے مقابلہ کے لیے بھیجنا چاہتے ہو بھیجو مشہور بہادر اور یگانہ نبرد آزما جن کو سخت وقت کے لیے رکھا گیا تھا میدان میں بھیجے گئے۔ ایک بے حیا ابن زہرا کے مقابل تلوار چمکاتا آتا ہے۔ امام تشنہ کام کو آب تیغ دکھاتا ہے۔ پیشوائے دین کے سنا اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتا ہے۔ غرور و قوت میں سرشار ہے۔ کثرت لشکر اور تنہائی امام پر نازاں ہے۔ آتے ہی حضرت امام کی طرف تلوار کھینچتا ہے۔ ابھی ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ امام نے ضرب فرمائی۔ سرکٹ کر دوڑ جا پڑا۔ اور غرور شجاعت خاک میں مل گیا۔ دوسرا بڑھا اور چاہا کہ امام کے مہتابے میں ہنرمندی کا اظہار کر کے سیاہ دلوں کی جماعت میں سرخ رونی حاصل کرے۔ ایک نعرہ مارا اور پکار کر کہنے لگا کہ بہادران کوہ شکن شام و عراق میں میری بہادری کا غلغلہ ہے اور مصر و روم میں شہرہ آفاق ہوں۔ دنیا بھر کے بہادر میرا لوہا مانتے ہیں۔ آج تم میرے زور و قوت کے اور داؤ پیچ کو دکھیو۔

ابن سعد کے لشکری اس لشکر سرکش کی تعلقوں سے بہت خوش ہوئے اور سب دیکھنے لگے کہ کس طرح امام سے مقابلہ کرے گا۔ لشکریوں کو یقین تھا کہ حضرت امام پر بھوک پیاس کی تکلیف حد سے گزر چکی ہے۔ صدموں نے ضعیف کر دیا ہے۔ ایسے وقت میں امام پر غالب آنا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ جب سپاہ شام کا گستاخ جفا جو سرکش نہ گھوڑا کو داتا سامنے آیا۔ حضرت امام نے فرمایا تو مجھے جانتا نہیں جو میرے مقابلہ اس دلیری سے آتا ہے ہوش میں ہو۔ اس طرح ایک ایک مقابل آیا تو تیغ خوں آشام سے سب کا کام تمام کر دیا جائے گا۔ حسین کو کمزور و بے کس دیکھ کر حوصلہ مند یوں کا اظہار کرے ہو۔ نامرد میری نظر میں تمہاری کوئی حقیقت نہیں۔ شامی جوان یہ سن کر طیش میں آیا اور بجائے جناب کے امام پر تلوار کا وار کیا۔ حضرت امام نے اس کا وار بچا کر کمر پر تلوار ماری۔ معلوم ہوتا تھا کہ کھیرا تھا کاٹ ڈالا۔ اہل شام کو اب یہ اطمینان تھا کہ حضرت کے سوا اب اور تو کوئی باقی نہ رہا۔ کہاں تک نہ تھکیں گے۔ پیاس کی حالت، دھوپ کی تپش مضمحل کر چکی

تھی۔ بہادری کے جوہر دکھانے کا وقت ہے۔ جہاں تک ہو ایک ایک مقابل کیا جائے کوئی تو کامیاب ہو گا اس طرح نئے نئے دمدم شیر صولت، پیل سپیکر تیغ زن حضرت امام کے مقابل آتے رہے مگر جو سنا آیا ایک ہی ہاتھ میں اس کا قصہ تمام فرمایا۔ کسی کے سر پر تلوار ماری تو زمین تک کاٹ ڈالی۔ کسی کے جمالی ہاتھ مارا تو تلمی تراش دیا خود و مغفر کاٹ ڈالی۔ کسی د آئینے قطع کر دیئے۔ کسی کو نیزہ پر اٹھایا اور زمین پر ٹپک دیا کسی کے سینے میں نیزہ مارا اور پار نکال دیا۔

زمین کر بلا میں بہادران کوفہ کا کھیت بو دیا۔ ناموران صفت شکن کے خون سے کر بلا کے تشنہ ریگستان کو سیراب فرما دیا۔ نعشوں کے انبار لگ گئے۔ بڑے بڑے فخر و زکاہ بہادر کام آگئے۔ لشکر اعدا میں شور برپا ہو گیا کہ جنگ کا یہ انداز رہا تو حیدر کا شیر کوفہ کے زن و اطفال کو بیوہ و یتیم بنا کر پھوڑے گا اور اس کی تیغ بے پناہ سے کوئی بہادر جان بچا کر نہ لے جاسکے گا۔ موقع مت دو اور چاروں طرف سے گھیر کر یکبارگی حملہ کرو۔ فرمائیکان رو باہ سیرت حضرت امام کے مقابلہ سے عاجز آئے اور یہی صورت اختیار کی اور ماہ چرخ حقانیت پر جو رو جفا کی تاریک گھٹا چھا گئی اور ہزاروں نوجوان دوڑ پڑے اور حضرت امام کو گھیر لیا اور تلوار برسانی شروع کی اور حضرت امام کی بہادری کی ستائش ہو رہی تھی اور آپ خونخواروں کے انبوہ میں اپنی تیغ آبدار کے جوہر دکھا رہے تھے۔ جس طرف گھوڑا بڑھا دیا پرے کے پرے کاٹ ڈلے۔ دشمن ہیبت زدہ ہو گئے اور حیرت میں آگئے کہ امام کا حملہ جانستان سے رہائی کی کوئی صورت نہیں۔ ہزاروں آدمیوں میں گھرے ہوئے ہیں اور دشمنوں کا سرا اس طرح اڑا رہے ہیں جس طرح یاد خزاں کے جھونکے درختوں سے پتے گراتے ہیں۔ ابن سعد اور اس کے مشیروں کو بہت تشویش ہوئی کہ اکیلے امام کے مقابل ہزاروں کی جماعتیں بیچ ہیں۔ کوفیوں کی عزت خاک میں مل گئی۔ تمام ناموران کوفہ کی جماعتیں ایک حجازی جوان کے ہاتھ سے جان نہ بچا سکیں۔ تاریخ عالم میں ہماری نامردی کا واقعہ اہل کوفہ کو ہمیشہ رسوائے عالم کرتا رہے گا۔ کوئی تدبیر کرنا چاہیے۔ تجویز یہ ہوئی کہ دست بدست جنگ میں ہماری ساری فوج بھی اس شیر حق

سے مقابلہ نہیں کر سکتی بجز اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ ہر چہار طرف سے حضرت امام پر تیروں کا مینہ برسایا جائے اور جب زخمی ہو چکیں تو نیزوں کے حملوں سے تن نارمین کو مجروح کیا جائے۔ تیر اندازوں کی جماعتیں ہر طرف سے اٹھ آئیں اور امام تشنہ کام کو گروہ بلا میں گھیر کر تیر برسانے شروع کر دیئے۔ گھوڑا اس قدر زخمی ہو گیا کہ اس میں کام کرنے کی قوت باقی نہ رہی ناچار حضرت امام کو ایک جگہ ٹھہرنا پڑا۔ ہر طرف سے تیر آرہے ہیں اور امام مظلوم کا تن ناز پرور نشانہ بنا ہوا ہے۔ نورانی جسم زخموں سے چکنا چور اور لہو لہان ہو رہا ہے۔ بے شرم کوفیوں نے سنگ ڈلی سے محترم مہمان کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ایک تیر پیشانی اقدس پر لگا، یہ پیشانی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بوسہ گاہ تھی۔ یہ سپانے نور صیب خدا کے آرزو مند ان جمال کا قرابہ دل ہے۔ بے ادبان کوفہ نے اس پیشانی مصفا اور اس جبین پُر ضیا کو تیر سے گھائل کر دیا۔ حضرت کو چکر آیا اور گھوڑے سے نیچے آئے اب نامردان سیاہ باطن نے نیزوں پر رکھ لیا۔ نورانی پیکر خون میں نہا گیا اور آپ شہید ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَيْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
تڑپتی ہے تجھ پہ نغش جگر گوشہ رسول

ظالمان کدیش نے اسی پر اکتفا نہیں کیا اور حضرت امام کی مصیبتوں کا اسی پہر خاتمہ نہیں ہو گیا۔ دشمنان ایمان نے سر مبارک کو تن اقدس سے جدا کرنا چاہا اور نصر ابن خراش اس ناپاک ارادہ سے آگے بڑھا مگر امام کی ہیبت سے اس کے ہاتھ کانپ گئے اور تلوار پھوٹ پڑی۔ خولی ابن یزید پلید نے یاسنبل ابن یزید نے بڑھ کر سر اقدس کو تن سے جدا کیا۔

صادق جابناز نے عہد وفا پورا کیا اور دین حق پر قائم رہ کر اپنا کنبہ اپنی جان راہ خدا میں اس اولوالعزمی سے نذر کی۔ سوکھا گلا کاٹا گیا اور کربلا کی زمین سید الشہداء کے خون سے گلزار بنی۔ سر و تن کو خاک میں ملا کر اپنے جد کریم کے دین کی حقانیت

کی عملی شہادت دی اور رگستان کو فہ کے ورق پر صدق و امانت پر جان فتر بان کرنے کیلئے نقوش ثبت کیے۔ اعلیٰ اللہ تعالیٰ مکانہ و اسکنہ بحسبوجہ جنانہ و امطر علیہ شامیب رحمة و رضوانہ۔ کربلا کے بیابان میں ظلم و جفا کی آندھی چلی، مصطفائی چمن کے عنخہ و گل بادِ سموم کی نذر ہو گئے۔ خاتونِ جنت کا لہلہاتا باغ دوپہر میں کاٹ ڈالا گیا۔ کونین کے متاع بے دینی و بے حرمتی کے سیلاب سے غارت ہو گئے۔ فرزند ان آبل رسول کے سر سے سردار کا سایہ اٹھا۔ بچے اس غریب الوطنی میں تمیم ہوئے، بیاباں بیوہ ہوئیں، مظلوم بچے اور بیکیں بیاباں گرفتار کیے گئے۔

محرم ۱۰۶ھ کی دسویں تاریخ جمعہ کے روز چھپن سال پانچ ماہ پانچ دن کی عمر میں حضرت امام نے اس دارِ ناپائیدار سے رحلت فرمائی اور داعیِ اجل کو لبیک کہی۔ ابن زیاد بد نہاد نے سر مبارک کو کوفہ کے کوچہ و بازار میں پھروایا اور اس طرح اپنی بے عیثی و بے حیائی کا اظہار کیا۔ پھر حضرت سید الشہداء اور ان کے تمام جانب ز شہداء کے سروں کو اسیرانِ اہل بیت کے ساتھ شمر ناپاک کی ہمراہی یزید کے پاس دمشق بھیجا۔ یزید نے سر مبارک اور اہل بیت کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ طیبہ بھیجا اور وہاں حضرت امام کا سر مبارک آپ کی والدہ ماجدہ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا یا حضرت امام حسن کے پہلو میں مدفون ہوا۔

اس واقعہ ہائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو رنج پہنچا اور قلب مبارک کو جو صدمہ پہنچا اندازہ اور قیاس سے باہر ہے۔ امام احمد اور بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، ایک روز میں دوپہر کے وقت حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے خواب میں مشرف ہوا۔ میں نے دیکھا کہ سنبل معبر و گیسوئے معطر بھرے ہوئے اور غبار آلود ہیں۔ دست مبارک میں ایک خون بھرا شیشہ ہے۔ یہ حال دیکھ کر دل بے چین ہو گیا۔ میں نے عرض کیا اے آقا! قربانت شوم یہ کیا حال ہے۔ فرمایا: حسینؑ اور ان کے رفیقوں کا خون ہے۔ میں اسے آج صبح سے اٹھا رہا ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں، میں نے اس تاریخ و وقت کو یاد رکھا۔ جب خبر آئی تو معلوم ہوا

کہ حضرت امام اسی وقت شہید کیے گئے۔ حاکم نے بیہقی میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث روایت کی۔ انہوں نے بھی اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خواب میں دیکھا کہ آپ کے سر مبارک و ریش اقدس پر گرد و غبار ہے۔ عرض کیا۔ جان ما کثیر ان نثار تو باد۔ یا رسول اللہ یہ کیا حال ہے فرمایا ابھی امام حسین کے مقتل میں گیا تھا۔ بیہقی ابو نعیم نے بصرہ ازویہ سے روایت کی کہ جب حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ شہید ہو گئے تو آسمان سے خون برسنا۔ صبح کو ہمارے مٹکے، گھڑے اور تمام برتن خون سے بھرے ہوئے تھے۔ بیہقی ابو نعیم نے زہری سے روایت کی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس روز شہید کیے گئے اس روز بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا جاتا تھا اس کے نیچے تازہ خون پایا جاتا تھا۔ بیہقی نے ام حبان سے روایت کی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے دن اندھیرا ہو گیا اور تین روز کامل اندھیرا رہا اور جس شخص نے منہ پر زعفران (غازہ) ملا اس کا منہ جل گیا اور بیت المقدس کے پتھروں کے نیچے تازہ خون پایا گیا۔ بیہقی نے جمیل بن مرہ سے روایت کی کہ یزید کے لشکریوں نے لشکر امام میں ایک اونٹ پایا اور امام کی شہادت کے روز اس کو ذبح کیا اور پکایا اور پکایا تو اندر این کی طرح کڑوا ہو گیا۔ اور اس کو کوئی نہ کھا سکا۔ ابو نعیم نے سفیان سے روایت کی وہ کہتے ہیں کہ مجھ کو میری دادی نے خبر دی کہ حضرت امام کی شہادت کے دن میں نے دیکھا اس (کشم) راکھ ہو گیا اور گوشت آگ ہو گیا۔ بیہقی نے علی بن شیر سے روایت کی کہ میں نے اپنی دھوی سے سنا وہ کہتی تھیں کہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے زمانے میں جوان لڑکی تھی کئی روز آسمان رویا۔ یعنی آسمان سے خون برسنا۔ بعض مؤرخین نے کہا کہ ستاروں تک آسمان خون رویا۔ اس کے اثر سے دیواریں اور عمارتیں رنگین ہو گئیں۔ اور جو کپڑا اس سے رنگین ہوا اس کی سُرخ پوزے پوزے ہونے تک نہ گئی۔ ابو نعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ میں نے جنوں کو حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اس طرح نوحہ خوانی کرتے سنا۔

مسح النبی جبینہ فله بریق فی الحدود

اس جبین کو نبی نے چوما تھا ہے وہی نور اس کے چہرے پر

ابواہ من علیا قریش جده خیر الجدد

اس کے ماں باپ برترین قریش اس کے نانا جہاں سے بہتر

ابونعیم نے حبیب بن ثابت سے روایت کی کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

نے فرمایا کہ میں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد سے سوائے

آج کے کبھی جنوں کو نوحہ کرتے اور روتے نہ سنا تھا مگر آج سنا تو میں نے جانا کہ میرا

فرزند حسین رضی اللہ عنہ شہید ہو گیا۔ میں نے اپنی لونڈی کو بھیج کر خبر منگائی تو معلوم ہوا کہ

حضرت امام شہید ہو گئے۔ جن اس نوحہ کے کھٹا زاری کرتے تھے۔

الا یاعین فابتھلی بجھد ومن یبکی علی الشہد بعدے

ہو کے جنتا رو لے اے چشم کون روئے گا پھر شہیدوں کو

علی رھط تقود ہر المنا یا الی متجبر فی ملک عھدے

پاس ظالم کے کھینچ کر لائی موت ان سیکوں غریبوں کی

ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے روایت کی وہ کہتے ہیں۔ واللہ میں نے بچشم خود دیکھا

کہ جب سر مبارک امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگ نیزے پر لیے جاتے تھے اس وقت

میں دمشق میں تھا۔ سر مبارک کے سامنے ایک شخص سورہ کہف پڑھ رہا تھا جب وہ اس

آیت پر پہنچا۔ ان اصحاب الکھف والوئیو کانو من ایا بتا عجباً۔

(اصحاب کہف ورقیم ہماری نشانیوں میں سے تھے) اس وقت اللہ تعالیٰ نے سر مبارک

کو گویائی دی۔ بزبان فصیح فرمایا۔ أعجب من اصحاب الکھف قتلی وحملی۔

(اصحاب کہف کے قتل کے واقعے سے میرا قتل اور میرے سر کو لیے پھرنا عجیب تر ہے)

درحقیقت بات یہی ہے کیونکہ اصحاب کہف پر کافروں نے ظلم کیا تھا اور حضرت امام کو

ان کے نانا کی امت نے مہمان بنا کر بلایا۔ پھر بے وفائی سے پانی تک بند کر دیا۔ آل و اصحاب

کو حضرت امام کے سامنے شہید کیا۔ پھر خود حضرت امام کو شہید کیا۔ اہل بیت کو اسیر کیا۔

سر مبارک کو شہر شہر پھرایا۔ اصحاب کہف سالہا سال کی طویل خواب کے بعد بولے۔

یہ ضرور عجیب ہے مگر سر مبارک کائن سے جدا ہونے کے بعد کلام فرمانا اس سے عجیب تر ہے۔

ابو نعیم نے بطریق ابن السیعة ابی حنبل سے روایت کی کہ حضرت امام کی شہادت کے بعد جب بدنصیب کوئی سر مبارک کو لے کر چلے اور پہلی منزل میں ایک پڑاؤ پر بیٹھ کر شربت و خراپینے لگے اس وقت ایک لوسہ کا قلم نمودار ہوا اس نے خون سے یہ شعر لکھا۔

اترجوا امة قتلت حسينا شفاعته جده يوم الحساب

یہ بھی منقول ہے کہ ایک منزل میں جب اس قافلہ نے قیام کیا وہاں ایک دیر تھا۔ دیر کے راہب نے ان لوگوں کو اسی ہزار درہم دے کر سر مبارک کو ایک شب اپنے پاس رکھا غسل دیا عطر لگایا۔ ادب و تعظیم کے ساتھ تمام شب زیارت کرتا اور روتا رہا۔ اور رحمت الہی کے جو انوار سر مبارک پر نازل ہو رہے تھے۔ ان کا مشاہدہ کرتا راستی کہ یہی اس کے اسلام کا باعث ہوا۔ اشقیاء نے جب دراہم تقسیم کرنے کے لیے تھیلیوں کو کھولا تو دیکھا سب میں ٹھیکریاں بھری ہوئی تھیں اور ان کے ایک طرف لکھا ہے۔ ولا تحسبن الله غافلا عما يعمل الظالمون۔ (خدا کو ظالموں کے کردار سے غافل نہ جانو) اور دوسری طرف یہ آیت مکتوب ہے۔ وسیعلم الذین ظلموا انی منقلب ینقلبون (اور ظلم کرنے والے عنقریب جان لیں گے کہ کس کو ٹھپتے ہیں)۔

عرض زمین و آسمان میں ایک ماتم برپا تھا۔ تمام دنیا رنج و غم میں گرفتار تھی شہادت امام کے دن آفتاب کو گرہن لگا ایسی تاریکی ہوئی کہ دوپہر کو تارے نظر آنے لگے۔ آسمان رویا۔ زمین روئی، ہوا میں جنات نے نوحہ خوانی کی۔ راہب تک اس حادثہ قیامت نما سے کانپ اٹھے اور رو پڑے۔ فرزند رسول جگر گوشہ بتول، سردار قریش امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد متکبر کے سامنے طشت میں رکھا جائے اور وہ فرعون کی طرح مسند تخت پر بیٹھے۔ اہل بیت اپنی آنکھوں سے یہ منظر دیکھیں۔ ان کے دلوں کا کیا حال ہوگا۔ پھر سر مبارک اور تمام شہداء کے سروں کو شہر شہر نیزوں پر پھرایا جائے اور وہ یزید پلید کے سامنے لاکر اسی طرح رکھے جائیں اور وہ خوش ہو اس کو کون برداشت کر سکتا ہے۔ یزید کی رعایا

بھی بگڑ گئی اور ان سے یہ نہ دیکھا گیا۔ اس پر اس نابکار نے اظہارِ ندامت کیا مگر یہ ندامت اپنی جماعت کو قبضہ میں رکھنے کے لیے تھی۔ دل تو اس ناپاک کا اہل بیت کرام کے عناد سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت امام پر ظلم و ستم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ نے آپ کے اہل بیت نے صبر و رضا کا وہ امتحان دیا جو دنیا کو حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ راہ حق میں وہ مصیبتیں اٹھائیں جن کے تصور سے دل کانپ جاتا ہے۔ یہ کمال شہادت و جانبازی ہے اور اس میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حق و صداقت پر استقامت و استقلال کی بہترین تعلیم ہے۔

(صد الاقاصل محمد نعیم الدین مراد آبادی)

زنہ حب وید شہزادہ

حضرت سیدنا امام حسین، حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کے نورِ نظر اور حضرت خاتونِ جنت سیدہ نسا، فاطمہ الزہرا بنت حضور سرور کونین سلطان دارین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لختِ جگر تھے۔ آپ کی ولادت ۳ شعبان ۶۱۰ء مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ولادت کی نوید سن کر حضور بہت مسرور ہوئے۔ آپ کو گود میں اٹھایا۔ پیار کیا۔ داپنے کان میں اذان اور بائیں میں اقامت کہی اور اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دی۔ ساتویں دن غنمہ آورد و بکروں کی قربانی کے سقحہ حقیقہ کرایا۔ بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کی اور ایک بکری کی ران قابلہ (اسما بنت عمیس) کو مرحمت فرمائی (حاکم) حضور نے آپ کو ابو عبد اللہ کی کنیت اور سیدۃ قرۃ العین نے طیب اور شہید کے القاب سے مشرف فرمایا۔

تعلیم و تربیت چونکہ باب العلم اور خاتونِ جنت کے علاوہ حضور مدینۃ العلم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایہ عاطفت میں ہوئی تھی اس لیے آپ علم و علم، عبودیت صبر و استقلال، اولوالعزمی، سخاوت، شجاعت، تدبیر، عاجز و انکساری، حق گوئی، حق پسندی اور راضی برضائے مولیٰ کے مجسمہ تھے۔

اوصاف جلید کے ضمن میں حضرت ابن ابی سنیہ اور حضرت ابن عربی کی یہ شہادت اس مختصر مضمون میں کافی ہوگی۔

”کان عالماً بالقراءات
عاملاً علیہ زاهداً تقياً ورعاً
جواذاً فصیحاً بلیغاً عارفاً
باللہ ودلیلاً علی ذاته تعالیٰ“
”کان المحیبت البسط آیة
من آیات اللہ“

”حضرت امام حسین قرآن کے ایک عالم باعمل
زاهد متقی بمنزہ عن المعاصی، متورع، صاحب
جو دو کرم، صاحب فصاحت و بلاغت،
عارف باللہ اور ذات باری کی محبت تامی
تھے۔“ حضرت حسین نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
تھے اور اللہ کی نشانیوں میں سے تھے۔“

یہ تو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جو سراپا فضائل ہو جس کی ہر ادا، جس کا
ہر فعل، جس کا ہر عمل، جس کا خلق اور جس کا کریم سرچشمہ فضیلت ہو۔ اس کا فضائل مجھ جیسا
کیا میرے جیسے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو بھی ضبط تحریر میں نہیں لاسکتے۔ مگر
حصول برکت و سعادت دارین کی خاطر تبرکاً اور تیناً اس بحر فضائل کے دو چار
قطرات یہاں اس لیے ڈالے جا رہے ہیں کہ بادہ خوران معرفت الہی، سرشاران محبت
حضرت رسالت مآب اور ذکا کاران اہل بیت رسول ہاشمی کی کچھ تسکین خاطر ہو سکے۔

حضرت سیدنا امام حسین باتفاق رائے اہل بیت میں سے تھے۔ اور اہل بیت کے
طبیب و ظاہر ہونے پر اس سے بڑھ کر اور کونسا ثبوت دیا جاسکتا ہے کہ خود خالق عالم
فرماتے ہیں۔ انما یرید اللہ لیدھب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیراً (پارہ ۲۲-۲۳-۱۱۱)

جب ان اللہ و منکثہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین امنوا صلوا علیہ
وسلموا تسلیماً۔ (پارہ ۲۲-۱۱۱-۱۱۲)

پوچھا: آپ پر کیوں کر درود بھیجوں؟

حضور نے فرمایا کہہو: ”اللہم صل علی محمد و علی آل محمد... بخاری شریف“

کتاب الدعوات باب الصلوۃ علی النسب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کی دل جوئی
اور دلداری کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ اگر حالت نماز میں ان دو حجر گوشوں میں سے کوئی
بھی دوش مبارک پر سوار ہو جاتے یا جسم اطہر سے لپٹ جاتے تو اس وقت تک بقیہ ارکان کو

ادا نہیں فرماتے جب تک یہ خود نہ ہٹ جائیں (طبری طبقات ابن سعد - بخاری مسلم) تاکہ ان کے خدار اور نورانی ابروؤں پر بل نہ پڑ سکے۔

حضرات حسین کی شان میں حضور کی زبان شکرِ نقاشاں سے یہ موقی نچھا اور ہوئے ہیں "حسن اور حسین میرے دو پھول ہیں"۔۔۔۔۔ "حسن اور حسین جو انان بہشت کے سردار ہیں" (داؤد ترمذی طبرانی، حاکم)۔۔۔۔۔ "محببت حسین محبوب خدا ہے" (امام احمد بن حنبل از علی بن عمرہ) حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے ہوں" (امام بخاری، ابن ماجہ، ترمذی، حاکم اور سنن ابوداؤد) یعنی حسین میری اولاد میں ہیں اور میرے دین کی بقا حسین سے ہوگی! حسین کے خون سے اسلام کا شجر سنبھا جائے گا اور رہتی دنیا تک رہے گا۔

حضرت آقائے کائنات مولیٰ مشکل کشا حضرت علی کے زمانہ خلافت ہی میں حضرت امیر معاویہ بھی عرب کے ایک حصہ میں مملکت اسلامیہ کے فسادِ انجرام دے رہے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کی شہادت (رمضان سنہ ۴۰) کے بعد مسلمانوں نے باتفاق رائے حضرت سیدنا امام حسن کو اپنا سردار اور خلیفہ بنایا مگر آپ نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ محسوس کیا کہ اگر عرب کے ایک حصہ میں مجھ سے اور دوسرے میں حضرت امیر معاویہ سے بیعت کرنے والے رہیں گے تو لا محالہ بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ایک نہ ایک دن یہ مقدس سرزمین سُرخ ہو جائے گا اس لیے چھ ماہ مسندِ خلافت کو زینت بخشنے کے بعد آپ اس سے دستبردار ہو گئے۔ دوسری طرف حضرت امیر معاویہ اپنے لڑکے یزید کے حق میں بیعتِ خلافت لینے لگے اور اگرچہ یزید کے حق میں بیعتِ خلافت لی جا رہی تھی مگر لوگ بہ طیب خاطر اور بیشتر بہ جبر و اکراہ اس بیعت کے حق میں تھے لیکن اس پر بھی یزید کی نگاہ میں حضرت امام حسن کا وجود بہت زیادہ کھٹک رہا تھا۔ چنانچہ آپ کو مدینہ کے گورنر مروان کی اعانت سے پانچ مرتبہ زہر دلوا یا۔ آخری بار ایک کے پینے کے ساتھ جو زہر ہلاہل ملا کر دیا تو آپ کے جسمِ اطہر کے ساتھ عناصر کی قید نہ رہ سکی اور سنہ ۴۰ میں آپ رحمتِ ایزدی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون — حالانکہ ہر شخص کو یقین ہو چکا تھا کہ حضرت سیدنا امام حسین اپنے بھائی حضرت سیدنا امام حسن کی وصیت کے

مطابق نہ ان کے قاتل سے بدلہ لیں گے اور نہ ہی اس کے مددگاروں سے۔ مگر پھر بھی یزید کی نظر میں اس کے اقتدار اور استحکام سلطنت کے لیے آپ کی ذات گرامی ایک زبردست رکاوٹ بنی ہوئی تھی اس لیے اس نے حضرت امام حسن کی شہادت کے تقریباً دس سال بعد اپنے دوستوں، اطاعت شعاروں، جاہلوں، سپہ سالاروں اور حرص و آرزو کے بندوں کو اس بات کے لیے آمادہ کیا کہ جس صورت سے بھی ہو (امام حسین کو کوفہ بلا لور چنانچہ لوگوں نے بیسیوں خطوط امام عالی مقام کی خدمت عالیہ میں بھیجے جس میں اس بات پر زور دیا کہ چونکہ یزید ایک فاسق و فاجر انسان ہے اور آپ ابن رسول ہیں آپ کے ہوتے ہوئے کسی شخص کو بھی بیعت لینے کا مجاز نہیں ہے اس لیے آپ تشریف لائیں تاکہ ہم غلام غلامان بنی آپ کے دستِ حق پر بیعت لیں۔

سیدنا امام ہمام یزید جیسے "امیر المؤمنین" اور اس کے اموی بہادروں اور سیاستدانوں کے مکر و فریب کو خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے مگر صرف اس خیال سے کہ حق ہمیشہ کے لیے حق بن کر چلے اور باطل سدا کے لیے سرنگوں ہو جائے اور اس کا نام و نشان مٹ جائے آپ نے اپنے اہل و عیال، قرابت مندوں اور جاں نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے کوچ فرمایا اور منزل بہ منزل ہوتے ہوئے محرم الحرام ۶۱ھ میں میدانِ کربلا میں خمیہ اقامت نصب فرما کر اسلام کی تاریخ کے علاوہ دنیا کی تاریخ میں حق کی حمایت کا سنہرا باب کھول دیا اور اس ایٹمی ذور میں بھی مدبرین عالم کو کنا پڑا۔ "حسینی اصول پر عمل کرنے ہی سے غلامی سے نجات مل سکتی ہے۔ امام حسین نے اپنی اور اپنے کنبے قبیلے کی جانیں حق کے لیے کچھا ور کر دیں مگر باطل کے سامنے نہیں بھکے" (گاندھی جی)

محرم ۱۰ھ کی دسویں تاریخ تک کیا ہوا؟ دس تاریخ کو کیا ہوا؟ اور دس تاریخ کے بعد کیا ہوا؟ اسے کس طرح لکھوں؟ بس یوں سمجھ لیجئے کہ سیدنا امام حسین کے صاحبزادے بھتیجے، بھانجے، جاں نثار اور فدا کار جن میں اسی برس کے بوڑھے (صبیب ابن مظاہر) سے لے کر چھ ماہ کے شیرخوار حضرت علی اصغر تک کو ظالموں اور سفاکوں نے اپنی ازلی بدبختی اور شقاوت قلبی کی بنا پر تیروں، نیزوں اور تیغوں کا نشانہ بنا کر جام شہادت پلایا اور دس تاریخ

عصر کے وقت عین حالت نماز میں ابن رسول جگر گوشہ بتول نور دیدہ شیر خدا سردار جوانان جنت حضرت سیدنا امام حسین کے سر مبارک کو شمر لعین نے جسم اطہر سے جدا کر دیا۔
آہ! ثم آہ - انا لله وانا اليه راجعون -

دس تاریخ کے بعد مخدرات عالیات کو آہِ ظالموں نے رسن بستہ کر کے شہروں کی سڑکوں اور گلیوں کا چکر لگوا یا اور حد درجہ تکالیف اور مصائب کا نشانہ بنایا۔

حضرت امام حسین کی شہادت جن اعراض اور جن مقاصد کی خاطر عمل میں لائی گئی ان میں ایک بھی پورے نہیں ہوئے یعنی نہ ہی یزید تختِ خلافت پر بیٹھ سکا کیونکہ اس واقعہ کے کچھ ہی دنوں بعد اس نے دنیا سے کوچ کیا، اور نہ ہی زندہ جاوید امام کے نام کو مٹا سکا۔

قبل حسین اصل میں مرگِ یزید ہے

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد

یزید مر گیا مگر امام حسین ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احياء
ولکن لا تشعرون - کے مطابق زندہ ہیں۔

امام حسین سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا ہے، ان کے نام پر صدقہ و خیرات کرنا سعادتِ ابدی کا حاصل کرنا ہے ان کے عمل کو اپنانا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو اپنا مونس بنانا ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب کا نشانہ بنانا ہے؛ کیوں؟ اس لیے کہ امام حسین صرف میرے نہیں بلکہ سبوں کے امام یعنی بین الاقوامی امام اور بین الاقوامی شہید ہیں۔ پرچ ہے۔

شاہت حسین بادشاہت حسین دین بہت حسین دین پناہ بہت حسین

سرداؤ نہ داد دست دردست یزید حقا کہ بنائے لالہ است حسین

اللہم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم

اللہم انفعنا بمحبتہم۔ اللہم احسننا فی زمرتہم امین یارب العالمین

(سید ابوالفخر)

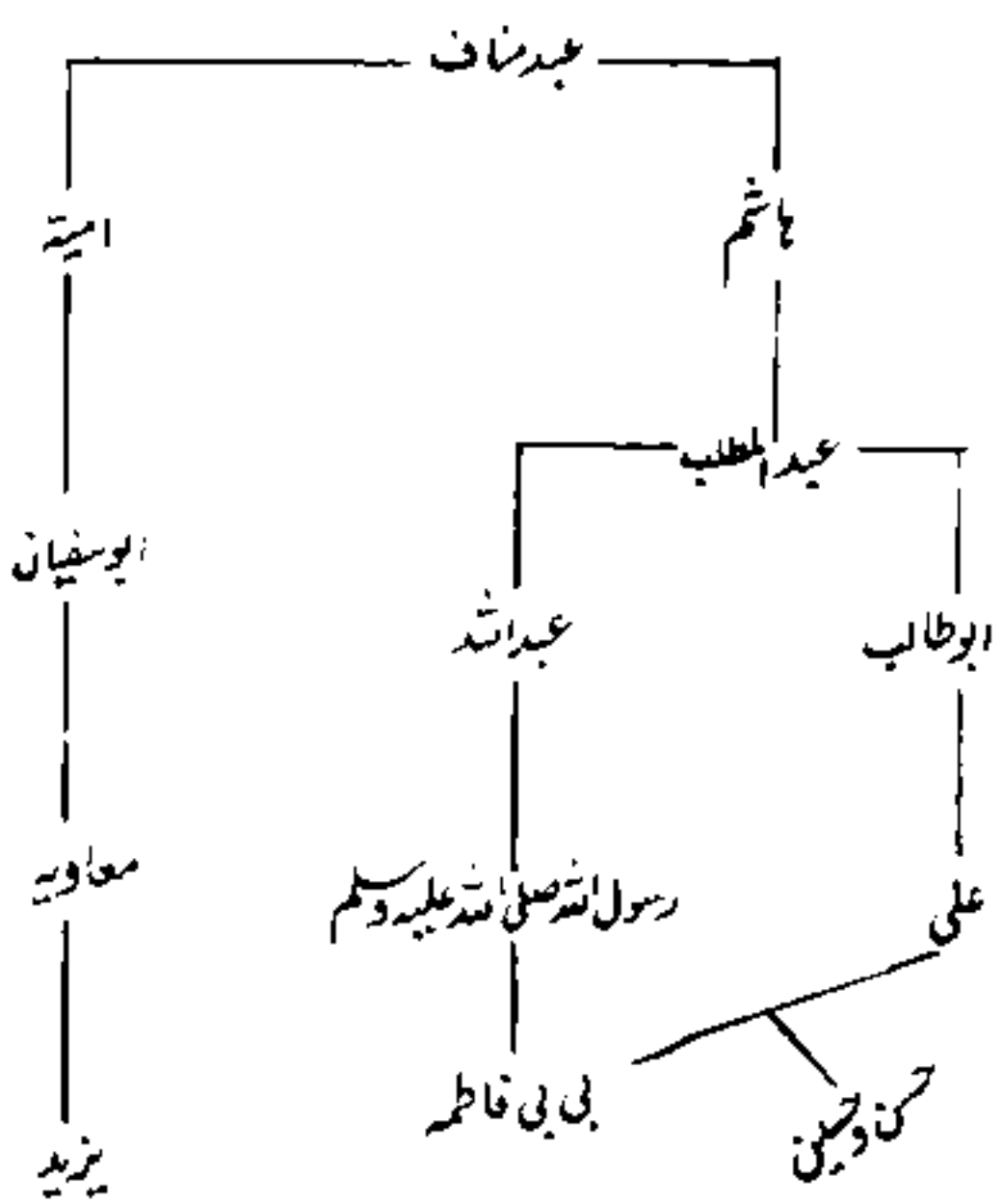
خلافت معاویہ و یزید

عقل و نقل کے پیمانے میں

کچھ عرصہ سے پاکستان میں بعض رسوائے عالم کتابیں خلافت معاویہ و یزید، تحقیق سید و سادات، تحقیق مزید، سادات بنو امیہ اور کتاب رشید ابن رشید چھپ کر علمی اور نظریاتی دنیا میں وجہ نزاع بنتی جا رہی ہے۔ ان کتابوں کے بدنام زمانہ مصنفین حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں یزید کے مقام کو بلند تر دکھانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے ان کی اس حرکت مذہبوحی کے پیچھے وہ اعتقادی قوتیں کار فرما ہیں جو بزرگان دین حضرات ائمہ اسلام اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو عامیانا اور گستاخانہ انداز سے پیش کرتی رہتی ہیں پھر آج کی پڑھی لکھی دنیا کو مرعوب کرنے کے لیے تاریخی حوالوں کے خود ساختہ اقتباسات لکھ کر باور کرایا جاتا ہے کہ یہ سارا کام تیرہ سو سال گزرنے کے بعد تحقیق و تفتیش کی عمارت استوار کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ محمود عباسی صاحب خصوصیت کے ساتھ اس فنکاری کے امام مانے جا رہے ہیں اور وہ اندھوں کی دنیا کے حقائق نگار، مشہور ہوتے جا رہے ہیں۔

اگر آپ کو اپنے ملک کی اس کماوت سے اتفاق ہے کہ اندازہ کے لیے، دیک کا ایک چاول کافی ہے، تو اسی روشنی میں رسوائے عالم کتاب کے چند مقامات کی نشاندہی کرتا ہوں جس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ عقلی اور نقلی دونوں حیثیت سے کتاب خلافت معاویہ و یزید غیر مستند اور ناقابل تسلیم ہے اور آپ یہ فیصلہ بھی کر سکیں گے کہ عباسی کی نظر میں محض تصویر کا ایک ہی رخ ہے اور سہواً نہیں بلکہ عمدتاً دوسرے رخ سے نہ صرف بے اعتنائی برتی گئی ہے بلکہ اس پر غبار اڑانے کی سعی ناکام کی گئی ہے۔

بنو امیہ اور بنو ہاشم ایک ہی روپے کی دو تصویریں ہیں جس کے سمجھنے کیلئے حسب ذیل شجرہ نسب کافی ہوگا۔



رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کے باپ کے یہاں دو جڑواں بچے ہاشم اور امیہ پیدا ہوئے تھے اور دونوں تلوار سے علیحدہ کیے گئے خدا کی شان کہ دونوں زندہ رہے۔

افسوس کہ جس تلوار پر ہاشم کے خون کی چھینٹیں چھچی تھیں اس نے کربلا کے میدان میں آل پیغمبر کے خون سے اپنی پیاس بجھائی اور جو کچھ رہی وہی کسر باقی رہ گئی تھی محمود عباسی، عام یزیدی اور عثمان فارقلیط

ایڈیٹر الجمعية دہلی کا قلم اس کی تکمیل کر رہا ہے۔ ہزاروں رحمتیں نازل ہوں داماد رسول علی ابن ابی طالب پر جنہوں نے فرمایا اور سچ فرمایا۔

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان
خنجر کا زخم تو بھر جاتا ہے مگر زبان کا
زخم کبھی پُر نہیں ہوتا۔

چنانچہ اسی زخم کاری کی ایک مہم جاری ہے جس پر پوری ملت اسلامیہ خون کے آنسو رو رہی ہے۔

اس کتاب سے متعلق چند ضروری اشارے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جناب عباسی صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۳۹ پر رقمطراز ہیں۔

”حضرت امیر معاویہ کی شان میں کوئی بدگمانی نہیں کی جاسکتی کیونکہ ان کی صحابیت اور

صحابیت کا لازمہ عدالت، ہر قسم کی بدگمانی سے مانع ہے۔

بہت خوب! حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی قسم کی کوئی بدگمانی

نہیں کی جاسکتی، چونکہ وہ صحابی ہیں اور صحابیت کو عدالت لازمہ ہے۔ لہذا آپ مجھے

دریافت کرنے دیجئے کہ حضرت سیدنا مولائے کائنات حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہ صرف

صحابی رسول بلکہ داماد رسول بھی ہیں، تو قانون کی یہ دفعہ حضرت علی کے بارے میں کیوں نہ اختیار کی گئی؟ اور حضرت علی کے بارے میں چند در چند شکوک و شبہات پیدا کر کے اپنے نامہ اعمال کو کیوں سیاہ کیا گیا۔

ڈرو خدا سے ڈرو خوفِ کبریا سے ڈرو نبی کی غصتہ میں ڈوبی ہوئی نگاہ سے ڈرو اگر عباسی صاحب کو اس حدیث پر اعتماد و بھروسہ ہوتا کہ ۱۔

اصحابی کالنجوم بایہم
اقتدیتموا ہتدیتم۔

میرے صحابہ ستاروں کے مثل ہیں جس کی
بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اصحاب کلہم
عدول مثل اہل بیت
کسفینۃ نوح۔

میرے صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔
میرے اہلبیت سفینہ نوح کے مثل ہیں جو
اس پر سوار ہوگا اس نے نجات پائی اور
جس نے اعرض کیا وہ ڈوب گیا۔

(الخ)

تو انہیں بنو ہاشم اور آل رسول کے سب دشمن کے لیے قلم اٹھانے کی زحمت ہی نہ پڑتی۔ بالفرض جنگِ جمل اور جنگِ صفین وغیرہ کے دیکھنے سے اگر پراگندگیِ دماغ کا عارضہ لاحق ہو گیا تھا تو اس کا علاج گالی گلوچ اور تبرا بازی سے نہ کرتے بلکہ یہ سوچ کر خاموش رہتے کہ تابعین اور اہل صحابہ کی مقدس جماعت ہے ان کے حق میں کف لسان اور خاموش رہنا ہی باعثِ سعادت ہے جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب و مسلک ہے مگر یہاں کا نقشہ ہی الگ تھلک ہے۔ ایک طے شدہ ذہنی پلان (PLAN) ہے جس کی تائید و حمایت میں کہیں قرآن و سنت کا بے محل استعمال ہے اور کہیں دشنام طرازی کا بے جوڑ پیوند کم از کم میری فکر و فہم سے یہ بات باہر ہے کہ حضرت امیر معاویہ کی جس صحابیت کے سامنے جناب عباسی کا قلم لرزاں و ترساں ہے وہ حضرت علی مرتضیٰ کے بارے میں کیوں بہکا بہکا پھر رہا ہے۔

اللہ کے خود ساختہ قانون کا نیرنگ جو بات کہیں فخر وہی بات کہیں ننگ
اب جناب عباسی کی ایک نئی تحقیق ملاحظہ کیجئے۔ خلافت معاویہ و یزید ص ۲۲۳
حادثہ کر بلا بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا جتنی دیر میں فیصلوہ میں آنکھ جھپک جائے

یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں“

عباسی کی انوکھی تحقیق سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ مولف نے قلم اٹھانے سے پہلے یہ ہتھیہ کر لیا ہے کہ جو بات کہی جائے وہ نئی ہو۔

۲۔ دوسری بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ میدانِ کربلا میں یزیدی فوج کے خونخوار درندے

آل پیغمبر کی گھات میں بیٹھے تھے اور حسینی قافلے کو دیکھتے ہی چیل، کوٹوں، گدھا اور کتوں کی

طرح ٹوٹ پڑے۔

نہ رسم مہر سے واقف نہ آئین وفا جانے

وہ نہ تو رسم سلام و کلام سے نا آشنا تھے اور نہ ہی ادائے میزبانی کے طرز سے، اس کے

سوا اور کیا کہا جائے کہ — عذر گناہ بدتر از گناہ۔

اتنا لکھ دینے سے نہ تو یزیدی کی پیشانی سے کلنک کا ٹیکہ صاف ہو گیا اور نہ ہی عبید اللہ بن

زیاد اور عمرو بن سعد کے دامن سے خون کی چھینٹیں دھل گئیں، ظالم، ظالم رہا اور

مظلوم، مظلوم۔

اب ایک اور نئی تحقیق ملاحظہ کیجئے کہ ”امام عالی مقام دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ

سے روانہ ہو کر دس محرم الحرام کو کربلائے معلی پہنچے“ جس کے لیے خلافت معاویہ و یزید

ص ۱۵۲ و ص ۱۵۵ ملاحظہ فرمائیے۔ اس کے اثبات میں عباسی نے فنکارانہ چابکدستیوں سے

کام لیتے ہوئے اپنے کو حساب، تاریخ، جغرافیہ اور ہندسہ وغیرہ میں بیکانے روزگار ثابت

کرنے کے لیے گوشش کی ہے۔ بات بات میں قرآن و سنت کا نام لے کر علماء کو مرعوب

کرتا ہے اور دو صفحے کا ایک من گھڑت خاکہ کھینچ کر نیولائٹ طبقے کو ایک قسم کی دھمکی

دینی ہے حالانکہ دونوں اس ڈھول کا پول اچھی طرح جانتے ہیں۔ علما اچھی طرح سمجھتے ہیں

کہ عباسی کی حیثیت قرآنِ فہمی اور حدیثِ دانی میں صفر کے برابر ہے اور انگریزی داں طبقہ یہ

جانتا ہے کہ آنجناب تاریخ و جغرافیہ سے قطعاً نا بلد ہیں ورنہ عباسی صاحب بھارت میں

اگر وزیر تعلیمات نہ رہی تو کم از کم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پرنسپل ہی ہوتے اور اگر امر دہ

چھوڑ کر پاکستان گئے تھے تو وہاں جو تیاں چٹھارتے نہ پھرتے بلکہ چند قدم آگے بڑھ کر جامعہ

ازہر مصر کے شیخ الحدیث ہوتے۔ یہ کیا قیامت ہے کہ پوچھ گچھ کہیں نہیں اور نام چڑی مارغاں ساری دنیا ایک طرف اور آں بدولت ایک طرف۔

اب عباسی صاحب کی تحقیق پر میری ایک رائے ملاحظہ کیجئے کہ آنجناب نے یہ شگوفہ کیوں چھوڑا۔ میری اپنی نظر میں اس روایت کے تین گوشے قابل توجہ ہیں۔

اس رائے کے پس پردہ یہ نظریہ کار فرما ہے کہ کربلا سے متعلق جتنی بھی روایتیں ہیں انہیں یکسر دریا بُرد کر دیا جائے اور جس طرح سے اور بہت سے واقعات شہادت ہیں انہی میں اس کا بھی شمار کر لیا جائے اس پر طرفہ تماشایہ کہ امام عالی مقام کو معاذ اللہ باعنی قرار دے کر بجائے شہید کے مقتول کہا جائے۔ یہ وہ زاویہ فکر ہے جس کو اس کے پچھ دونوں پیشتر مولوی عبدالشکور لکھنوی خارجی نے اپنے اخبار النجم میں ظاہر کیا تھا اس کے باوجود علماء دیوبند اس خارجی کو اپنا امام و مقتدا جانتے ہیں۔

۲۔ اور یہ رائے جس محور پر گردش کر رہی ہے وہ یہ ہے کہ سرکار حسین فریضہ حج سے سبکدوش ہونے بغیر کیونکر عازم سفر ہو سکتے تھے؟ اس لیے عباسی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ امام عالی مقام نویں ذوالحجہ کو مناسک حج سے فارغ ہو کر دس ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے اور دس محرم الحرام کو کربلا پہنچے۔ اور اگر یہ نہ مانا جائے تو امام جیسی شخصیت کو ترک فرض کا مرتکب ہونا پڑے گا۔

کیا کہنا ہے خارجیوں کے محقق کا! اس غریب کو یہ خبر بھی نہیں کہ امام کے لیے حج کی حیثیت فرض کی ہے یا نفل کی۔ اس کو تو اسلامی گھرانے کا ایک ذی شعور بچہ بھی جانتا ہے کہ حج کی فرضیت نماز اور روزہ جیسی نہیں ہے۔ نماز رات اور دن میں پانچ وقتوں میں فرض ہے اور ہر مسلمان عاقل، بالغ اور تندرست پر ایک مہینہ کا روزہ، لیکن حج اپنے جملہ شرائط کے ساتھ عمر میں صرف ایک بار، اس کے بعد جتنی دفعہ بھی حج کیا جائے وہ فرض نہیں بلکہ نفل ہوتا ہے۔ گویا چھپن برس کی عمر میں حادثہ کربلا پیش آیا اور اب تک سرکار حسین فریضہ حج سے سبکدوش بھی نہ ہو سکے تھے؟ جہاں اتنی نئی باتیں لکھی تھیں اس میں ایک یہ بھی اضاافہ کر دیتے کہ باشندگان مکہ پر حج ہر سال فرض ہوتا ہے یا آل رسول

پر حج ہر سال فرض ہوتا ہے یا امام نے اب تک حج کیا ہی نہ تھا اور یہ معلوم تھا کہ
 کر بلا سے واپسی نہ ہو سکے گی لہذا حج جیسے فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں۔ آخر اس قدر
 لکھ دینے سے کون آپ کی کلائی کھام لیتا۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں عباسی کے قلم نے وہ
 ٹھوکر کھائی ہے جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں۔ عباسی کی معرکہ الارواح تحقیق کا ایوان و
 محل اسی مینار پر کھڑا ہے لہذا نتیجہ ظاہر ہے کہ :-

خشت اول چوں ہند معمار کج تاثر یا می رود دیوار کج

اس لیے یہ کنا کہ سرکار حسین فریضہ حج سے سبکدوش ہوئے بغیر کیونکر روانہ ہوئے۔ یہ
 ہمارے حق میں قابل تسلیم نہیں۔ جب یہ بات غلط تو دس ذی الحجہ کی روانگی غلط اور جب تاریخ
 روانگی غلط تو یہ کنا بھی سراسر جھوٹ ہے کہ امام دس محرم کو کر بلا پہنچے۔

۳۔ اب اس درایت کا تیسرا گوشہ ملاحظہ فرمائیے۔ جناب عباسی کا یہ کنا ہے کہ اگر
 دس محرم کو پہنچنے کی تاریخ نہ مانی جائے تو تاریخ روانگی غلط ہو جاتی ہے یا دونوں میں کوئی
 صورت تطبیق نظر نہیں آتی اس سلسلہ میں اتنی ہی گزارش ہے کہ تاریخ روانگی میں ہزاروں
 ٹکراؤ ہوں یا سینکڑوں اختلافات ہوں اس کا کوئی اثر کر بلا کی ان متداول روایتوں میں
 نہیں پڑ سکتا جس پر علماء، صلحا، مورخین اور محدثین کے اتفاق نے تو اتر کی مہر ثبت کر
 دی ہے ورنہ اس کی مثال تو ایسی ہی ہوگی کہ عباسی کے والد ۱۸۵۶ء کے عذر میں
 پیدا ہوئے اور عباسی کے دادا نے اپنے بیٹے کا نام تاریخی رکھا کچھ دنوں کے بعد لوگوں
 نے عباسی صاحب سے دریافت کیا کہ آنجناب کی عمر کیا ہے تو فرمایا کہ میرا تاریخی نام ہے میں
 عذر والے سال میں پیدا ہوں۔ لوگوں نے ابجد ہوز کے حساب سے جب سن پیدائش کا
 استخراج کیا تو ۱۸۵۶ء نکلا۔ اب جناب عباسی کے والد بزرگوار نے فرمایا کہ میری پیدائش
 تو عذر والے سال ہی میں ہوئی ہے لہذا ہو سکتا ہے کہ ہندوستان کا عذر ۱۸۵۶ء میں ہوا
 ہو مگر میرا تاریخی نام غلط نہیں ہو سکتا۔ اگر جناب عباسی صاحب اپنے والد بزرگوار کے تاریخی
 نام کو ثابت کرنے کے لیے ہندوستان کے عذر کو بجائے ۱۸۵۶ء کے ۱۸۵۶ء میں مان لیں
 تو شاید ہم بھی کچھ سوچنے پر آمادہ ہوں۔

اور اردو تاریخ ہند کی ایک سطر کو نہیں مٹا سکتے تو ہم تاریخ و حدیث کی بے شمار روایتوں کو کیونکر جھٹلا سکتے ہیں ؟۔

اب میں اختتام گفتگو پر جناب عباسی صاحب کی تحقیق جدید کا بعض دوسرے مصنفین سے ایک ہلکا پھلکا سا موازنہ پیش کرتا ہوں جس سے آپ جناب عباسی صاحب کی مطلق العنانی کا صحیح اندازہ کر سکیں گے۔

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و یزید ص ۲۲۳ پر لکھتے ہیں۔

” برادران مسلم اور ساٹھ پنیسٹھ کوفیوں کا ناقابت اندیش طور سے فوجی دستہ

کے سپاہیوں پر اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ محزون یکا یک اور

غیر متوقع پیش آکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا۔“

جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ جنگ کی پہل حسینی قافلہ کی طرف سے ہوئی۔ اب سینے

جناب ابوالکلام آزاد صاحب اپنی کتاب جن کے بارے میں ص ۲ پر فرماتے ہیں۔

” واقعات کے تفحص و تحقیق میں پوری کاوش کی گئی۔ شاید اس قدر کاوش اور

جستجو کے ساتھ ان حالات کا تاریخی مجموعہ دوسری جگہ نہ مل سکے۔“

آزاد صاحب : معرکہ کربلا ص ۳ پر فرماتے ہیں :

” اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان

کی بد عہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی لیکن اس کے جواب میں انہوں (یزیدیوں)

نے تیر برسنا شروع کر دیا۔ ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔ اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد

نے اپنی تلوار اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا۔ گواہ رہو سب سے پہلا تیر

میں نے چلایا ہے پھر تیر بازی شروع ہو گئی۔“

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و یزید ص ۲۲۔

” نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں۔ واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق

نہیں ہوتی۔ یہ روایتیں محض وضعی و اختراعی ہیں وغیرہ وغیرہ۔“

آزاد صاحب : معرکہ کربلا ص ۵۲-۵۳۔

دعمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسین کی لغزش کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے اس کا وقت آیا اس نے پتہ نہ کر سکا۔ اس کے لیے کون تیار ہے۔ دس آدمی تیار ہو گئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک روند ڈالا (ص ۵۲) پھر تمام مقتولین کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر سر بچھے۔ سمرذی الجوشن، ابن الاشعث، عمرو بن الحجاج، عمرہ بن قیس، یہ تمام سر عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک پھڑی تھی آپ کے لبوں پر مارنے لگا۔ جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقم چلا آئے۔

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و زید ص ۱۵۲-۱۵۵۔

”امام عالی مقام دس محرم کو کربلا پہنچے“

آزاد صاحب : معرکہ کربلا ص ۱۸۔

”آخر آپ ایک اجازت زمین میں جا کر اتر پڑے۔ پوچھا اس زمین کا کیا نام ہے؟ معلوم ہوا کربلا، آپ نے فرمایا یہ کرب اور بلا ہے، یہ مقام پانی سے دور تھا دریا اور اس میں ایک پہاڑی حامل تھی۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۱۰ ص ۱۸۰ کا ہے۔

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و زید ص ۲۰۔

”طبری جیسے شیعہ مؤرخ کا بھی یہ بیان ہے۔ یعنی امام طبری پر

شیعت کا الزام۔

شبلی صاحب نعمانی : سیرت النبی ص ۱۹۔

”تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال، ثقہ اور وسعت علم کے معترف ہیں ان کی تفسیر حسن التفسیر خیال کی جاتی ہے۔ محدث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا میں نہیں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا“

علامہ ذہبی : میزان الاعتدال میں فرماتے ہیں :-

هذا رجم بالظن الكاذب بل یہ جھوٹا بدگمانی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ

ابن جریر میں کبار ائمہ . ابن جریر (یعنی امام طبری) اسلام کے معتد
الاسلام المعتمدین - اماموں میں سے ایک بڑے امام ہیں -

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و یزید ص ۳۱۹ -

» امیر یزید کے مختصر زمانہ خلافت کے خلاف بیان کرنے میں مورخین نے
بخل سے کام لیا ہے تاکہ ان کی انصاف پسندی، عدل گستری اور رحمدلی کے
واقعات تجسس و تفتیش سے مل ہی جاتے ہیں «

نوٹ : عباسی صاحب کو یہ بھی لکھ دینا چاہیے تھا کہ مورخین کی وہ کانفرنس کب
منعقد ہوئی تھی، جس میں یہ تجویز منظور کی گئی کہ عباسی صاحب کے امیر یزید کے حالات
بیان کرنے میں بخل سے کام لیا جائے -

علامہ تفتازانی : یہ حوالہ اس کتاب سے ہے جو درس نظامیہ میں داخل
نصاب ہے۔ شرح عقائد نسفی ص ۱۱۰ -

فمن لا توقف فی شانہ بل
فی ایمانہ لعنة الله علیہ و علی
انصارہ و اعوانہ -
پس ہم یزید اور اس کے ایمان کے بارے میں
کوئی توقف نہیں کرتے یزید اور اس کے
حوارین اور معین و مددگار پر اللہ کی لعنت ہو۔

عباسی صاحب : خلافت معاویہ و یزید ص ۳۲ -

» آپ کی ذات ستودہ صفات کو نسبی پابندیوں میں نہیں لایا جاسکتا اور نہ
آپ نے اپنے خاندان کو اس کی اجازت دی کہ آپ سے تعلق رشتہ کی بنا پر
وہ امت پر مسلط ہونے کی کوشش کریں «

نوٹ : یہ ایک بہت ہی تفصیلی عنوان ہے جس میں آں بدولت نے یہ دکھانے کی
کوشش کی ہے کہ اہلبیت کو عام مسلمانوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے حالانکہ قرآن مجید فرماتا ہے :-

قل لا اسئلكم علیہ
اجرا الا المودة من
القریب - (قرآن مجید)
اسے پیغمبر آپ لوگوں کے فرمادیں میں تم سے
اہلبیت کی محبت کے سوا اپنی پیغمبرانہ زندگی
کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا۔

آخرش اپنے قرابت داروں کی محبت کا مطالبہ کس رشتہ و ناطہ سے ہے۔
 ایسے ہی دوسرے مقام پر قرآن مجید کا ارشاد محکم ہے، جس کے لیے اکثر مفسرین کی رائے
 ہے کہ یہ آیت حضرت علی، سیدہ فاطمہ، امام حسن، اور امام حسین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم
 کے حق میں نازل ہوئی۔

انما یرید اللہ لیزہب
 عنکم الرجس اهل البیت و یطہرکم
 تطہیرا۔ (قرآن مجید)

اے اہلبیت اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے
 کہ تم سے رجس (ناپاکی) دور کرے اور
 تمہیں خوب خوب پاک کرے۔

حدیث شریفین میں ہے کہ ایک بار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کالی محل
 میں حضرت علی، سیدہ فاطمہ، امام حسن اور امام حسین کو لے کر یہ دعا فرمائی۔

اللہم ہولاء اہل بیتی و
 خاصتی اذہب عنہم الرجس
 و طہرہم تطہیرا۔ (حدیث)

اے اللہ یہ میرے اہلبیت اور میرے
 مخصوصین ہیں ان سے ناپاکی دور فرما
 اور انہیں خوب خوب پاک کر دے۔

نوٹ: اب آل رسول کی منقبت میں لسان نبوت کے چند جواہر پارے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے حبشی بن جہادہ سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ
 علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

علی منی وانا من علی۔ (حدیث)

۲۔ ترمذی میں ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ ہمارے نزدیک علی مرتضیٰ سے بغض
 رکھنا منافق کی علامت ہے۔

۳۔ ابن عساکر نے ابن عباس سے روایت کی کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم
 کے حق میں تین سو آیتیں نازل ہوئیں۔

۴۔ طبرانی و حاکم نے ابن مسعود سے روایت کی کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
 نے فرمایا کہ علی مرتضیٰ کو دیکھنا عبادت ہے۔

۵۔ ابویعلیٰ و بزاز نے سعد بن ابی وقاص سے روایت کی کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے فرمایا جس نے علی کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی۔

۶۔ دولتی کی روایت ہے کہ حضور نے فرمایا دعاڑکی رہتی ہے جب تک کہ مجھ پر اور میرے اہل بیت پر درود نہ پڑھا جائے۔

۷۔ ثعلبی نے روایت کی کہ "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" کی تفسیر میں امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ ہم ہی حبل اللہ ہیں۔

۸۔ دولتی سے مرفوعاً روایت ہے کہ سرکارِ دو عالم نے فرمایا میں نے اپنی بیٹی کا نام فاطمہ اس لیے رکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے ساتھ محبت رکھنے والوں کو دوزخ سے خلاصی عطا فرمائی۔

۹۔ امام احمد نے روایت کی کہ سرکارِ دو عالم نے حسین کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس شخص نے مجھ سے اور ان کے والد و والدہ سے محبت رکھی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

۱۰۔ امام احمد نے روایت کی کہ حضور نے فرمایا اہل بیت سے بغض رکھنے والا شخص منافق ہے۔

۱۱۔ ابو سعید نے شرف النبوت میں روایت کیا کہ حضور نے فرمایا اسے فاطمہ تمہارے غضب سے غضب الہی ہوتا ہے اور تمہاری رضا سے اللہ راضی۔

۱۲۔ ترمذی کی حدیث ہے حضور نے فرمایا ہمارا بیجان من الدنیا۔ وہ دونوں یعنی حسن اور حسین دنیا میں میرے پھول ہیں سرکارِ دو عالم کبھی سینہ سے لگاتے اور کبھی سونگتے۔

غرضیکہ صحاح ستہ وغیر صحاح کی کتابیں مناقب اہل بیت سے بھر پور ہیں جس کو صرف چشم محبت دیکھ سکتی ہے۔ عباسی جیسے کور باطن کو کیا نظر آئے اس کو تو صرف بنو امیہ اور یزید کے حق میں روایتیں مل سکتی ہیں تعجب ہے ان لوگوں پر جو عباسی کے دوش بدوش چل رہے ہیں۔ آج انہوں نے فضائل اہل بیت سے چشم پوشی کی ہے اگر کل انہوں نے قیامت میں ان لوگوں سے منہ پھیر لیا تو ان کا کیا حشر ہوگا؟

دوستو! ڈرو میدان قیامت سے یہ دنیا نا پائدار ہے اور اس کی تمام لذتیں فانی ہیں ایمان بڑی دولت ہے اور جان ایمان آفائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عقیدت و

محبت ہے اور یہ محبت اس وقت تک مکمل نہیں تا وقتیکہ آپ کے آل و اصحاب کی بارگاہ میں نیاز مندی نہ حاصل ہو۔ اسلاف اور بزرگوں کی بارگاہ میں بے ادبی اور دریدہ دہنی سے پرہیز کرو۔ حسین کو گالیاں دے کر جنت میں نہ جاؤ گے۔ بلکہ ان کا شرف غلامی تمہیں جنت میں لے جائے گا۔ وہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں اور ان کی ماں و فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار مفسرین، محدثین، آئمہ مجتہدین، علماء، اولیاء اور صلحاء غرضیکہ پوری امت مسلمہ اہل بیت کی عقیدت و محبت کو حاصل زندگی سمجھتی ہے اور سب کے سب آل رسول کی عظمت و حرمت کے قائل ہیں۔ عباسی جیسے ایک نہیں ہزار سر پھرے پیدا ہوں گے مگر مرد مسلم کے دل سے ان کی عظمت چھین نہیں سکتے۔

رسول اللہ کا وہ پیارا نواسہ جس نے ناموس رسالت کی خاطر گھر کا گھر ٹٹا دیا۔ وہ حسین جس نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرا کر دکھایا۔ اس پر پروردگارِ عالم کی ہزار ہزار رحمتیں نازل ہوں وہ اپنے جسدِ عنصری میں ہمارے سامنے نہیں مگر ان کی روحانیت ہماری دستگیری و مشکل کشائی کے لیے ہر جگہ حاضر ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

خارجی نظریات

مقاتل کے اُجالے میں

علامہ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" جو عباسی صاحب کی کتاب کا اولین ماخذ ہے
معرکہ کربلا کی داستان کا آغاز کرتے ہوئے سرورق پر علامہ نے یہ سرخی قائم کی ہے۔
وهذا صفة مقتله رضی اللہ عنہ۔ یعنی یہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی
شہادت کی سرگذشت ہے۔

ماخوذ من کلام آئمة هذا
لشان لا حکما بین عمه
اہل التشیع من الکذب
الصریح والبهتان (ج ۲ ص ۱۲)

جو اس فن کے آئمہ کی روایات سے
ماخوذ ہے کہ شیعوں نے واقعات کربلا کے بیان
میں جس طرح افرا و غلط بیانی سے کام لیا
ہے ان نقائص سے یہ کتاب پاک ہے۔

اس عبارت سے کتاب کی ثقاہت اور اس کے درجہ اعتبار کی طرف اشارہ کرنا مقصود
ہے کیونکہ عباسی صاحب نے ورق ورق پر شیعہ روایات اور ضعیفی روایات جیسے الفاظ
کا حربہ استعمال کر کے ہر اس روایت اور ہر اس واقعہ کا انکار کر دیا ہے جس سے یزید اور اس
کے ساتھیوں کے کردار پر کسی طرح کی چوٹ پڑتی ہے۔

ایک اہم ترین سوال جو معرکہ کربلا کی پوری داستان کا محور ہے اور اسی اساس پر
موجودہ تاریخ کا ایوان کھڑا ہے وہ یہ ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ اور اہل بیت کا
قاتل کون ہے؟

سینکڑوں صفحات سیاہ کرنے کے باوجود بھی عباسی صاحب کا قلم اس حقیقت کے چہرے

سے نقاب کشائی نہیں کر سکا ہے کہ امام حسین و اہل بیت کے قتل میں کس کا ہاتھ ہے۔ تاریخ کے طالب علم کا ذہن اور الجھ جاتا ہے جب وہ عباسی کی کتاب میں پڑھتا ہے کہ نہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا اور نہ اس سے رضی تھا۔ نہ ابن زیاد کے دامن پر کوئی داغ ہے اور نہ ابن سعد کی تلوار پر کوئی دھبہ! یہ پڑھ کر اچانک پردہ ذہن پر سوال ابھر آتا ہے کہ شروع سے لے کر اخیر تک سب کے سب بے گناہ و بے تعلق ہیں تو پھر آخر حسین قافلہ کے بہتر مسافروں کی لاشیں کربلا کی خاک پر تڑپ تڑپ کر سرد کیسے ہو گئیں؟

میرا خیال ہے کہ عباسی صاحب نے اپنی کتاب میں جہاں کذب و افترا اور قیاس و تخمین کا ایک انبار جمع کر لیا ہے وہاں اتنے جھوٹ کا اور اضافہ کر دیتے کہ معاذ اللہ کربلا میں پہنچ کر حسین قافلہ نے خودکشی کر لی۔ تو ساری مشکل حل ہو جاتی اور یزید کے دامن کا غبار جو آج اپنے چہرے پر مل رہا ہے۔ دھونے کی زحمت کی نوبت ہی نہ آتی۔

یزید کی حمایت کا جذبہ نارمل حالت میں ہوتا۔ تو یہ نکتہ عباسی صاحب کی سمجھ میں آ جاتا کہ قاتل کی طرف سے خواہ کوئی کتنا ہی صفائی پیش کرے لیکن خود اس کا ضمیر اپنی بے گناہی پر مطمئن کبھی نہیں ہوتا۔ سفاکی اور قہر و جور کا نشہ اتر جانے کے بعد نہ صرف یہ کہ حبرم کا احساس ملامت کرتا ہے بلکہ ندامت پشیمانی اور اندیشہ عقوبت ہمیشہ کے لیے ایک آزار بن جاتا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اپنی کتاب میں یزید کے نفسیاتی واردات کی جو حالت بیان کی ہے وہ بالکل اس کی کاپی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

جب ابن زیاد نے امام حسین اور ان کے ساتھیوں کو شہید کیا تو اس نے ان کے مقتول سرؤں کو یزید کے پاس بھیجا ابتدا میں یزید نے امام حسین کے قتل پر اپنی خوشی کا اظہار کیا اور ابن زیاد کی قدر و منزلت اس کی نگاہ میں بڑھ گئی پھر کچھ دنوں کے بعد وہ اپنے کرتوت پر شرمسار ہوا۔

لما قتل ابن زیاد الحسين و
من معه بعثت بر وسهوالی
یزید فسربقتلہ اولاً و حنت
بذالک منزلة ابن زیاد
عندہ ثم لم یلیث الا قليلا
حتى ندم۔ (البدایہ ج ۲ ص ۲۲۲)

پھر جب اندیشہ عقوبت اور ندامت و پشیمانی کی شدت اور بڑھ گئی اور ابن زیاد کے

کرتوت اور قتل حسین کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ ہوا تو یزید کھنکھرت مٹنے لگا تھلا اٹھا اور بدحواسی کے عالم میں ابن زیاد کو کوسنے لگا۔

فیغضنی بقتله
الی المسلمین و ذرع فی
قلوبہم العداوة فابغضنی
البر و فاجر بما استعظم
الناس من قتلی حسینا ما لى
ولا بن مرجانہ - (البدایہ ص ۲۳۲)

اس نے حسین کو قتل کر کے مجھے مسلمانوں کی نظر میں دشمن بنا دیا اور ان کے دلوں میں میری دشمنی کا بیج بو دیا۔ اب مجھے ہر نیک و بد اپنے تئیں مبغوض سمجھے گا کیونکہ عام لوگوں کی نگاہ میں میرا حسین کو قتل کرنا بہت بڑی شقاوت ہے۔ بائے افسوس کیا انجام ہو گا میرا اور ابن مرجانہ (ابن زیاد) کا۔

یہ دیکھیے حق ہے زبان کا صحیح ترین مقام! کہ خون ناحق کا الزام سر پر چڑھ کر بولی رہا ہے اور جس کی دھماکے ایوان دمشق کے مینار سے ہل گئے۔

کیا اب بھی یزید کی بریت و صفائی کے لیے کسی تاویل کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے جو چپ رہے گی زبان خنجر پکارے گا آستیں کا۔ یہ مصرعہ شاید اس موقع کے لیے شاعر کے ذہن میں آیا تھا۔

عباسی صاحب کی کتاب میں جو بات سب سے زیادہ دل خراش اور ناقابل برداشت ہے وہ یہ ہے کہ ان کی بحث کا حلقہ یزید کی بریت و صفائی تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد یزید کے مقابلہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نیچا دکھانا اور خطا کار و گنہگار ٹھہرانا ہے چنانچہ انہوں نے انتہائی جسارت کے ساتھ شہزادہ رسول امام عالی مقام کی محترم ذات پر خلافت اسلامیہ کے خلاف بغاوت و خروج کا الزام عائد کیا ہے اور نہایت خوشی کے ساتھ اس کے آگے پیچھے باغیوں کے حق میں وعید عذاب اور عقوبت و سزا والی حدیثوں کا انبار جمع کر دیا ہے تاکہ اچانک ذہن پر ایک چوٹ پڑے۔ اور امام حسین کی عظمت اگر لوہے سے محو نہ ہو تو کم از کم معرض شک میں پڑ جائے۔

بلا خوف و تردید کہہ رہا ہوں کہ عباسی صاحب نے اپنی پوری کتاب آئمہ اسلام اور مسلم مؤرخین کے مسلک و نظر سے آزاد ہو کر لکھی ہے۔ ان کا قلم تاریخی مسلمات کے تابع نہیں

بلکہ پوری تاریخ کو انہوں نے قلم کے تابع کر لیا ہے جس واقعہ کا چاہا انکار کر دیا جس روایت سے ذہن متفق نہ ہو اسے وضعی کہہ دیا جو عبارت مدعا کے خلاف ہوئی اسے غلط کہہ ڈالا نہ قبول و رد کا کوئی معیار ہے اور نہ انکار و اقرار کا کوئی ضابطہ ایک بدست شربی کی طرح قلم ہے کہ بہکتا پھرتا ہے۔ یہ کہنا خلاف واقعہ نہیں ہے کہ عباسی صاحب نے سانحہ کربلا کی تاریخ لکھی نہیں ہے بنائی ہے۔

علم و تحقیق کے نازک ترین مرحلہ نے نیت کا اخلاص ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا شریک عمل نہیں ہو سکا ہے ان کے قلم کی روشنائی میں جذبات کا عنصر اتنا غالب ہو گیا ہے کہ بے لاگ تحقیق کا نام و نشان بھی ہمیں نہیں ملتا۔ یزید کے جذبہ حمایت میں جگہ جگہ انہوں نے ظن و تخمین اور وہم و قیاس کا جھوٹا سہارا لے کر جزم و یقین اور ادغان و اعتقاد کا دامن جھٹک دیا ہے۔

علامہ ابن خلدون جن کے متعلق عباسی صاحب نے اپنے دیباچہ میں لکھا ہے۔

ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرہ آفاق مقدمہ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و رائت سے پرکھنے کی کوشش کی اور نام نہاد مؤرخین کے بارے میں صاف کہا کہ تاریخ کو خرافات اور وہابی روایات سے انہوں نے لپیٹ دیا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۷)

عباسی صاحب کی نیت اگر صاف ہوتی تو کم از کم یہی دیکھنے کی زحمت گوارا فرمائیے کہ خود ان کے معتمد مؤرخ ابن خلدون امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موقف اور یزید کی سیرت و کردار کے بارے میں کیا لکھتے ہیں۔

پڑھیے اور سر پیٹے کہ کیسے کیسے مفتری آپ کے ماحول میں جنم لے رہے ہیں۔
 واما الحسين فانه لما ظهر فسق
 یزید عند الکافة من اهل اعصره
 لیکن امام حسین کا معاملہ یہ ہے کہ یزید کا فسق و فجور
 جب تمام اہل زمانہ پر آشکار ہو گیا تو کوفہ کے عبید
 اہل بیت نے امام حسین کے پاس چھٹی بچی کہ وہ
 بعثت شیعة اهل البیت بالحکوفه

کو ذہن تشریف لائیں اور اپنا منصبی فریضہ سنبھالیں امام حسین نے بھی دیکھا کہ یزید کی ناپاہلیت اور اس کے فسق کی وجہ سے اس کے خلاف اقدام اپنی جگہ مقرر اور ثابت ہو گیا خاص کر اس شخص کیلئے جو اس امر پر قدرت رکھتا ہو اور اپنے متعلق امام حسین کا گمان یہ تھا کہ وہ اس کام کے اہل ہیں اور انہیں اسکی قدرت حاصل ہے۔

کر بلائیں امام حسین کے ساتھ جو معرکہ پیش آیا اس کی بابت علامہ لکھتے ہیں۔

یعنی حسین اپنے واقعہ قتل میں شہید اور مستحق اجر و ثواب ہیں اپنے اقدام میں وہ حق پر تھے اور یہ ان کا اجتہاد تھا۔

عباسی صاحب کے حق میں امام کے اقدام کی راستی پر اس سے زیادہ مستند شہادت اور کیا ہو سکتی ہے اب عباسی صاحب میں اگر کچھ بھی جرات ہو تو اپنے مستند مورخ کا گریبان پکڑ کر پوچھیں کہ بغاوت خروج پر ثواب ملتا ہے اور اس راہ میں جو قتل ہو جائے اسے شہید کہتے ہیں۔ کیا اس صراحت کے بعد کہ امام حسین رضی اللہ عنہ یزید کے خلاف اپنے اقدام میں حق پر تھے کسی بحث کی گنجائش رہ جاتی ہے۔

اخیر میں علامہ نے ان لوگوں کے خیالات کا شدت کے ساتھ رد کیا ہے جو کہتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جدال و قتال، فتنہ، بغاوت فرد کرنے کی غرض سے جائز تھا۔ اور یزید نے اپنا شرعی حق استعمال کیا۔ ذیل میں ایسے خیالات کی تردید ملاحظہ فرمائیے۔

یعنی قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں یہ کہہ کر سخت غلطی کی ہے کہ امام حسین اپنے نانا کی شریعت کے مطابق قتل کیے گئے غلطی کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے

للعین ان یاتہم فیقوموا
بامرہ فرآسی المحسین ان الخوج
علیٰ ینید متعین من اجل
فسقہ لاسیما من لہ القدوۃ
علیٰ ذالک وظنہا من نفسہ
باہلیۃ وشرکتہ۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

والحسین فیہا

شہید مثاب وعلیٰ حق
واحتہاد۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

وقد غلط القاضی ابوبکر ابن العربی
المالکی فی ہذا فقال فی کتابہ الذی
سماہ بالعواصم والقواصم ما معناه
ان المحسین قتل بشرع جدہ وهو

امام کے خلاف کھڑے ہونے والے کے لیے قتل کی جو سزا تجویز کی ہے وہاں شرط یہ ہے کہ وہ امام عادل ہو۔ قاضی صاحب نے امام عادل کی اس شرط کو نظر انداز کر دیا ہے حسین کے زمانہ میں ملت کی امامت و سرداری کے لیے امام حسین سے زیادہ عادل و کامل کون ہو سکتا ہے۔

غلط حملتہ علیہ الغفلة
عن اشتراط الاعمال
العامل ومن اعدا
من الحسين في زمانه في امامة
وعدالة فقتال
اهل الاراء۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

یہ وہی قاضی ابوبکر بن عربی اور ان کی کتاب العوام والفقوا تم ہے۔ عباسی صاحب نے جس کا حوالہ اپنی کتاب کے صفحہ ۵۲ پر شد و مد کے ساتھ پیش کیا ہے خود ان کے معتمد مورخ علامہ ابن خلدون نے قاضی صاحب کے استدلال کی دھجیاں اڑا دیں۔ تعجب ہے کہ اس کے باوجود بھی عباسی صاحب نے قاضی صاحب کے قول پر اعتماد کیا ہے لیکن اب یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اس طرح کی خیانت و تحریف اور نقائص و انتقام سے پوری کتاب لبریز ہے۔

یہیں سے عباسی صاحب کی پیش کردہ ان تمام حدیثوں کا صحیح محل بھی متعین ہو گیا جو امام المسلمین کے خلاف خروج و اقدام سے متعلق و عید عذاب پر مشتمل ہیں یعنی وہ تمام حدیثیں ان لوگوں کے حق میں ہیں جو امام عادل کے خلاف خروج کریں۔ یزید جیسے سلطان جاؤ کو ان حدیثوں کے دائرہ میں پناہ لینے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اب ذرا تاریخ کے آئینہ میں یزید کی سیرت و کردار اور اس کے جور و ظلم کی داستان ملاحظہ فرمائیے اور فیصلہ کیجئے کہ کیا ملت اسلامیہ کے ایک امام عادل کی یہی زندگی ہو سکتی ہے۔ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

نقل درایت ثابت ہے کہ یزید سرود و نغمہ ساز و راگ، شراب نوشی اور سیر و شکار کے اندر اپنے زمانے میں مشہور تھا۔ نوگر لڑکوں گانے والی دوشیزاؤں اور کتوں کو اپنے گرد جمع رکھتا تھا۔ سینک والے لڑاکا مینڈھوں، ساندھوں اور

وقد روی ان یزید کان قد اشتھر
بالمعارف و شرب الخمر والغناء
والصيد و اتخذ العلمان والقیان
والکلاب والنطاح بین الکباش
والدباب والقرود و ما من یوما

بندروں کے درمیان لڑائی کا مقابلہ کر داتا تھا
 ہر دن صبح کے وقت نشہ میں مخمور رہتا تھا۔ زمین
 کتے ہوئے گھوڑوں پر بندروں کو رسی سے باندھ
 دیتا تھا اور پھرتا تھا۔ بندروں اور نو عمر لڑکوں
 کو سونے کی ٹوپیاں پہناتا تھا۔ گھوڑوں کے
 درمیان دوڑ کا مقابلہ کراتا تھا جب کوئی بندر
 مرجاتا تو اس کا سوگ مناتا تھا۔

الایصبح فیہ مخمورا و
 کان یثد القرد علی فرس مسرجة
 بجبال ولسوق ویلبس القرد فلاس
 الذهب وکذلک العلمان وکان
 یسابق بین الخیل وکان اذا مات
 القرد حزن علیہ۔

(البدایہ والنہایہ ص ۲۳۶ ج ۸)

ملاحظہ فرمائیے اسی کو توت پر عباسی صاحب آج تیرہ سو برس کے بعد واویلا مچا ہے ہیں
 کہ امام حسین نے یزید کو طے سلامیہ کا امیر و خلیفہ کیوں نہیں تسلیم کیا۔
 عباسی صاحب نے اپنی کتاب کے ص ۲۹ پر یزید کے خصائل محمودہ شمار کرانے کیلئے
 البدایہ کی جو نا تمام عبارت نقل کی ہے وہ اتنے ہی پر ختم نہیں ہو گئی اس کے ساتھ
 یہ بھی ہے۔

اور اس کے اندر شہواتِ نفس کی طرف میلان
 اور بعض نمازوں کے ترک اور اکثر اوقات میں
 انہیں نذرِ غفلت کر دینے کی عادت تھی۔

وکان فیہ ایضاً اقبال علی السموات
 وتوکل بعض الصلوة واما نہتاف
 غالب الاوقات۔ (البدایہ ص ۲۳ ج ۸)

امام حسین کا صحیح موقف سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ اصطلاحی امام المسلمین کی
 اہلیت و استقلال کے سلسلہ میں ایک اصولی بحث ذہن میں محفوظ کر لیجئے۔ علامہ ابن حزم
 اپنی مستند کتاب المجلی میں ارشاد فرماتے ہیں۔

امام کی شان یہ ہے کہ وہ کبار سے اجتناب
 کرے اور صغائر کا اظہار نہ کرے حسن سیاست
 تدبیر مملکت کی خصوصیات کو جانتا ہو کیونکہ
 اسی بات کا وہ مکلف ہے۔

وصفة الامام ان یکون مجتنباً للکبار
 ومستتراً بالصغائر عما لہما بما یخصه
 حسن السياسة لان هذا
 لذی کلک بہ۔ (المجلی)

اسی کی چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں۔

پس اگر قرشی امام کے خلاف ایک ایسا شخص کھڑا ہوا جو اس سے بہتر ہو یا اس کے مثل ہو یا اس سے کم ہو تو چاہیے کہ سب متحد ہو کر اس کے ساتھ قتال کریں بجز اس کے کہ وہ امام غیر عادل ہو پس اگر وہ امام غیر عادل ہے اور اس کے مقابلہ میں ایسا شخص کھڑا ہوا جو اس کے مثل ہے یا اس سے کم ہے تو چاہیے کہ سب متحد ہو کر اس کے ساتھ قتال کریں اور اگر اس کے مقابلہ میں ایسا شخص کھڑا ہوا جو

فان قام علی الامام القرشی من هو خیر منه او مثله او دونه قوتلوا کلہم معہ لما ذکرنا قبل الا یكون جائراً فان کان جائراً فقام علیہ مثله او دونه قوتل معہ القائم لانه منکر زائد فان قام علیہ اعدل منه وجب القتال مع القائم لانه تغیر منکر۔ زائلی ص ۳۶۲ ج ۹

اس سے بہتر ہے تو چاہیے کہ سب اس کھڑے ہونے والے کے ساتھ متحد ہو کر اس امام جار کے خلاف قتال کریں کیونکہ یہ امر منکر کی تغیر ہے۔

یہی تغیر منکر کی سب سے بڑی تطہیر ہے۔ قہر و جبر کا سلطان تیغ بے نیام لیے اس راہ میں ہر وقت کھڑا رہتا ہے۔ یہ راہ صرف مردان سر فروش و وفا داران اور جان سپار کی ہے یہاں کسی اور کا پارا نہیں؟ اسی حقیقت کی جانب سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مشہور حدیث میں اشارہ فرمایا ہے۔

سب سے بہتر جہاد وہ کلمہ حق ہے جو کسی جائز و غیر عادل بادشاہ کے سامنے بر ملا کہا جائے۔

افضل الجہاد کلمۃ حق عند سلطان جائز۔ (صحیح مست)

تم میں سے جو شخص بھی کوئی برائی دیکھے تو اسے چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے مٹا دے اور اس کی قدرت نہیں ہے تو زبانِ مہذمت کرے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہیں ہے تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا ضعیف درجہ ہے۔

دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:-
من رأى منکم منکراً فلیغیر بیدہ فان لم یستطع قبلسانہ وان لم یستطع قبلبہ و ذالک اضعف الایمان۔ (ترمذی)

جس کے گھر سے ملت کا چشمہ پھوٹا ملت سیراب ہوئی، تطہیر ملت کی ذمہ داری بھی اسی پر سب سے زیادہ تھی۔ وقت نے انہیں نہایت درد و کرب کے ساتھ پکارا اور انہوں نے نہایت خندہ

پیشانی کے ساتھ جواب دیا اور زمین و آسمان کی کائنات شاہد ہے کہ بلا ریب وہ اس اعزاز کے مستحق تھے۔ عباسی کے معتمد مورخ ابن خلدون کی صراحت گزر چکی ہے: "ومن اعدل من الحسين في زمانه في امانته" ملت کی امامت و قیادت کے لیے امام حسین کے زمانے میں امام حسین سے زیادہ عادل و کامل اور کون ہو سکتا تھا۔

غور سے سنیے اعتراف کے ان کلمات میں صداقت کی روح بے محابا بول رہی ہے یزیدی عہد حکومت کے منکرات کی تغیر اور ملت کی تطہیر ہی امام عالی مقام کا بنیادی نصب العین اور یزید کے خلاف اقدام کا اصل محرک تھا۔ کربلا کے پورے سفر نامے میں یہ حقیقت جگہ جگہ نمایاں ہے۔

چنانچہ حریمی کی حراست میں طریق عذاب و قادیسیہ سے کربلا کی طرف پلٹتے وقت امام نے جو تاریخی خطبہ دیا تھا وہ آج بھی کتابوں میں محفوظ ہے۔ اقدام و نصب العین کا پس منظر سمجھنے کے لیے خطبہ کا لفظ لفظ ضمانت ہے۔ ذیل میں اس کا ایک اقتباس پڑھیے اور ذہن کو گذشتہ مباحث کے ساتھ مستحضر رکھیے۔

ایہا الناس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من رآی سلطانا جائرا مستعدا لحرام اللہ ناکثا لعہد اللہ مخالفا لسنة رسول اللہ یعمل فی عباد اللہ بالاثم والعدوان فلم ینیر ما علیہ بفعل ولا قول کان حقا علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ الا وان ہولاء قد لزموا طاعة الشیطان وتذکرا طاعة الرحمن و اظہروا الفساد وعطلوا الحدود و استأثروا بالفقہی واحلوا حرام اللہ و حرما

اے لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص کسی سلطان جبار کو دیکھے کہ اس نے خدا کی حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرایا ہے عہد الہی کو توڑ لیا ہے سنت رسول اللہ کی مخالفت کر رہا ہے اللہ کے بندوں کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا معاملہ کرتا ہے پس یہ سب کچھ دیکھتے جانتے بھی اپنے قول و عمل سے اس شر کو مٹا کر اپنا فرض نہیں ادا کرتا تو خدا کا تقاضا ہے عدل ہے کہ اسے اس کے ٹھکانے تک پہنچا دے غور سے سنو کہ ان یزیدیوں نے شیطان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے اور خدا کی بندگی کو چھوڑ رکھا

احلالہ وانا حق منہ
غیر۔ (کامل ابن اثیر ص ۳۶)

ہے ان لوگوں نے ہر طرف فساد برپا کر رکھا ہے
اور شریعت کی تعزیرات کو معطل کر دیا اور
سرکاری مال کو ذاتی مفاد پر خرچ کیا۔ خدا کے حرام کو حلال کیا اور حلال کو حرام کر دیا اور ان
یزیدیوں کے شر کے مٹانے والوں میں میں سب سے زیادہ مستحق ہوں۔

ذرا "انا حق من غیر" کا زور بیان ملاحظہ فرمائیے۔ گزشتہ اوراق میں امام المسلمین کی
اہلیت و استقلال سے متعلق علامہ ابن حزم کی جو عبارت نقل کی گئی ہے اب ذرا اس کی اسپرٹ
میں خطبے کے الفاظ پر غور کیجئے کہ کیا اب بھی امام کے اقدام کو غلط کہا جاسکتا ہے اور کیا اب
بھی انہیں اصلاحی باغی ٹھہرانے کے لیے علم و تحقیق کا کوئی ہلکا سا سہارا بھی مل سکتا ہے یہ
اور بات ہے کہ کوئی شخص حدود روایت و نقل سے آزاد ہو کر اپنے دل کا عقیدہ ہی یہ بنا
لے۔ نرم سے نرم لب و لہجہ میں اس طرح کے تخیل کو شقاوت و بد بختی کی پسندیدہ جسارت
تو کہہ سکتے ہیں لیکن علم و تحقیق کا مفاد ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔

بحث کے اختتام پر بے ساختہ ذہن میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے جس کا ازالہ بہت
ضروری ہے کہ آخر ہم اپنے تئیں ان صحابہ کرام سے بارے میں کیا عقیدہ رکھیں جنہوں نے یزید
کے خلاف بغیر منکر کی مہم میں عملاً امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ تو اس امر
کا فیصلہ خود عباسی کے معتمد مؤرخ ابن حلدون نے اپنے مقدمہ میں نہایت وضاحت
کے ساتھ کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے :-

اور لیکن امام حسین کے علاوہ بعض صحابہ و تابعین جو
حجاز و شام و عراق میں تھے ان کی رائے یہ تھی
کہ یزید اگرچہ فاسق و اہل ہے لیکن قتل و خوریزی
کے باعث اس کے خلاف کسی طرح کا اقدام
صحیح نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عملاً انہوں
نے امام حسین کا ساتھ نہیں دیا۔ امام حسین
کے اقدام کے حق ہونے سے انہوں نے

واما غیر الحسین من الصحابة
الذین كانوا بالحجاز ومع يزيد
بالشام والعراق ومن التابعين
لهم فؤاد ان الخروج على يزيد
وان كان الهرج والدماء
فاقصروا على ذلک ولو يتابعوا
الحسين ولا انكروا عليه ولا

اشموہ لانہ محتہد و هو اسوۃ
 المجتہدین ولا یذهب بک
 لفظ ان تقول بتاشیم ہولاء
 بمخالفت الحسین و قعودہم
 عن نصرہ — انہ عن اجتہاد
 منہم۔ (مقدمہ ابن خلدون ص ۱۸)

انکار نہیں کیا اور نہ انہوں نے امام حسین
 کو خطا کار و گنہگار ٹھہرایا کیونکہ وہ مجتہد ہیں اور
 مجتہد کی یہی شان ہے اس غلطی سے ہمیشہ
 بچنا کہ امام حسین کا ساتھ نہ دینے کی وجہ سے
 صحابہ کو گنہگار کہو — کیونکہ یہ بھی ان کا
 ایک اجتہاد تھا۔

اس عبارت میں تین اشارات خاص طور پر قابل توجہ ہیں۔
 اولاً۔ یہ کہ تطہیر ملت کی اس عظیم الشان مہم میں بعض صحابہ کرام کی عدم شرکت کی وجہ یہ
 نہیں ہے کہ وہ لوگ یزید کی امارت سے مطمئن تھے بلکہ ان کی مصلحت یہ تھی کہ عزل امیر کے لیے
 جن وسائل غلبہ و طاقت کی ضرورت تھی وہ اس وقت میسر نہیں تھے۔ بے سروسامانی کی
 حالت میں اس طرح کے اقدام سے سوائے اس کے کہ قتال و خون ریزی ہو اور کوئی نتیجہ
 ان کی نگاہ میں متوقع نہیں تھا۔

ثانیاً۔ یہ کہ اگرچہ بعض صحابہ اس راہ میں عملاً امام حسین کی رفاقت سے دست کش
 رہے لیکن کبھی بھی انہوں نے امام حسین کو غلط کار و گنہگار نہیں سمجھا اور نہ ہی ان کے اقدام
 پر کسی طرح کا انکار کیا۔

ثالثاً۔ یہ کہ صحابہ کرام اور امام حسین سب کے سب مجتہد تھے۔ صحابہ کی نگاہ اسباب ظاہری
 کے فقدان اور مصلحت کے تقاضوں پر تھی وہ صحیح وقت کا انتظار کر رہے تھے اور امام حسین کا نظریہ
 یہ تھا کہ تغیر منکر کی مہم میں ہمارا فرض کامیابی کی ضمانت نہیں ہے۔ باطل و منکر کے خلاف قدم اٹھا دینا
 ہی ادائیگی فرض کے لیے بہت کافی ہے۔ نتائج کا کفیل خدائے قدیر ہے۔ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ
 ہم صحیح کو صحیح کہہ دیں اور غلط کو غلط تاکہ خوب و ناخوب کا امتیاز ٹٹنے نہ پائے۔

غرض دونوں کی نگاہ دین کی مصلحت اور شریعت کے مفاد پر تھی۔ دونوں یزید کی نااہلیت پر
 متفق تھے، اختلاف صرف وقت کے تعین میں ہے اور چونکہ دونوں درجہ اجتہاد پر تھے اس لیے ان
 میں سے ہر ایک کی فکر اپنے فیصلہ میں آزاد تھی۔ ضابطہ کے طور پر کوئی کسی کو اپنی رائے کا تابع نہیں بنا سکتا تھا۔
 (ارشد القادری)

وما علینا الا البلاغ

خلافت حضرت علی کریم اللہ وجہہ

عقائد کی روشنی میں

پچھلے دنوں کے بعد دگرے دو نابکار کتابیں شائع ہوئیں "معاویہ و یزید" اور "اموی ذور خلافت"۔ اس کے جواب میں سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے خدا سے ہدایت کی دعا کی جائے۔ اور حکومت سے پُر زور مطالبہ کیا جائے کہ "خلافت معاویہ و یزید" کے ساتھ ساتھ یہ روسیہ کتاب بھی قانوناً ممنوع قرار دی جائے۔

محمود احمد عباسی کی ہمت پیرانہ کی (بقول ان کے سعادت مند بھتیجے کے) واقعی داد نہیں دی جاسکتی کہ انہوں نے کس چابک دستی سے اتحاد بین المسلمین کی جدوجہد کی ہے اور بزم خویش عام مورخین اسلام کے غلو و تعصب کا پردہ چاک کرنے کی کامیاب کوشش میں خود تقدیس اسلام کی پاک چادر پارہ پارہ کرنی چاہی ہے اور حمایت یزید کے جوش میں خلافت امویہ کا وہ تاریک پس منظر تصنیف فرمایا ہے جس میں حضور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کو بالکل مجروح کر ڈالا۔

چنانچہ آپ نے شاہ ولی اللہ صاحب اور ابن تیمیہ کی عبارتوں کے ساتھ کچھ اپنی باتیں ملا کر یہ کہہ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قائم ہی نہیں ہوئی۔ ان کی خلافت تو معاذ اللہ سبائیوں کی ساختہ و پرداختہ تھی ان کی بیعت پر تو اہل حل و عقد جمع بھی نہ ہوئے۔

خلافت و امامت بالخصوص مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ خلافت

اسلام کی ابتدائی صدیوں سے اہل سنت و جماعت کے نزدیک ایک طے شدہ عقیدہ بنا ہوا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مولائے کائنات کی حسدافت کی دو حیثیتیں ہیں۔
تاریخی اور کلامی۔

یعنی ایک تو اس کی تاریخی حیثیت کہ اس کے بارے میں تاریخی روایتیں کیا ہیں بطبری میں کیا ہے، ابن اثیر نے کیا لکھا ہے مسعودی کی روایتوں میں کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔
دوسرے عقیدے کی، یعنی مولانا علی کی خلافت کے بارے میں تمام اہل سنت و جماعت کا ایک متفقہ عقیدہ بھی ہے کہ اگر بالفرض دنیا سے تاریخ کی تمام کتابیں ناپید بھی ہو جائیں اور ہمارے پاس خلافت شہر خدا کے بارے میں علم کا دوسرا کوئی ذریعہ نہ رہ جائے تو صرف عقائد و کلام کی ہی کتابوں سے ہمارا یہ یقین مستحکم عقیدہ رہے گا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق ہے کیونکہ آئمہ اہل سنت میں اس بارے میں دو رائیں ہیں ہی نہیں اور عقائد کی ساری کتابیں اس باب میں متفق اللسان ہیں اپنے اس مضمون میں ہم صرف اسی حیثیت سے نصوص پیش کریں گے کہ خلافت حضرت علی کے بارے میں اہل سنت و جماعت کا عقیدہ کیا ہے اور عباسی صاحب اس سے پھر کہ مسلمانوں کو کہاں لے جانا چاہتے ہیں۔ آئندہ اگر وقت نے ساتھ دیا تو اس کی تاریخی حیثیت سے بھی بحث کی جائے گی پھر ایک مستقل مضمون میں یہ ظاہر کرنے کی کوشش ہوگی کہ اذالۃ الخفا و منہاج السنہ کی جو عبارتیں عباسی صاحب نے نقل کی ہیں ان میں کچھ تبدیلی ہے، فہم مطلب میں کوتاہی ہوگی اور وہ عبارتیں قابل استناد بھی ہیں یا نہیں۔

خلافت کین کین طریقوں سے ثابت ہوتی ہے

المقصد الثالث فیما ثبت الامامة	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا امام سابق کی
انما تثبت بالنص من الرسول و	نص اور بیان کر دینے سے کہ میرے بعد
من الامام السابق و بیعة اهل الحل	فلاں خلیفہ ہوگا امامت ثابت ہو جاتی
والعقد عند اهل السنة والجماعة۔	ہے اور اہل حل و عقد کی بیعت سے۔

(شرح مواقف ص ۳۲)

امامت منعقد کے دو طریقے ہیں۔
اہل حل و عقد کا بیعت کر لینا اور
گذشتہ امام کی وصیت کا موجود ہونا۔

الامامة تنفقد من وجهين احل احدهما
باختيار اهل الحل والعقد والثاني
بعهد الامام من قبل۔

(الاحكام السلطانية للماوردی ص ۱)

متوفی سن ۴۵۰ھ

خلافت چند طریقوں سے قائم ہوتی ہے۔
اہل حل و عقد علماء، رؤساء، امرا اور سرداران فوج
میں جو لوگ صائب رائے اور مسلمانوں کے خیر خواہ
ہوں۔ ان کی بیعت جیسے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی خلافت منعقد ہوئی اور اس طرح
کہ خلیفہ لوگوں کو کسی کے بائے میں وصیت کر
جائے جیسے حضرت عمر کی خلافت یا کسی قوم میں
مجلس شوریٰ کے ذریعے ہو۔ جیسے حضرت عثمان
بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی خلافت یا کوئی ایسا
آدمی جو خلافت کی شرائط پر پورا اترتا ہو خود
بجوہ لوگوں پر غالب آجائے۔

وتنقذ الخلافة بوجه بيعة اهل
الحل والعقد من العلماء والروساء
واموالاجناد ممن له رأى ونصيحة
المسلمين كما انعقدت خلافة ابى بكر
رضى الله تعالى عنه وبان يوصى
لخليفة الناس به كما انعقدت خليفة
عمر رضى الله تعالى عنه او يجبل شورى
بين قوم كما كان عند انعقاد خلافة
عثمان بل على رضى الله عنهما واستيلاء
رجل جامع للشروط على الناس۔
(حجة الله البالغة جلد دوم ص ۱۵)

ر شاہ ولی اللہ دہلوی

مذکورہ بالا کتابوں میں اول الذکر خالص عقائد کی کتاب ہے اور بقیہ دونوں کتابیں
مسائل شرعیہ اور سیاست دونوں کی جامع۔ شاہ صاحب نے انعقاد خلافت کی صرف
ایک شق استیلاء کا اضافہ کیا ہے ورنہ انہیں دو وجہوں کو پھیلا کر بیان کر دیا ہے۔ مثلاً
علامہ ماوردی اور صاحب شرح مواقف نے جس چیز کو بیعت اہل الحل والعقد سے
بیان کیا تھا اسی کو شاہ صاحب دو حصوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ بیعت اہل حل و عقد
اور شوریٰ قوم، خلاصہ یہ کہ نصب امام کے دو بنیادی طریقے ہیں۔

رسول یا امام سابق کی کسی شخص کے بارے میں نص یا اہل حل و عقد کا اجماع اسہم کو یہ دیکھنا ہے کہ حضور مولائے کائنات رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت و خلافت کا ثبوت ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریق پر ہے یا نہیں۔ اس کے لیے ہم بلا تبصرہ مختلف عقائد و کلام نیز آمد اعلام کی کتابوں سے تصریحات نقل کرتے ہیں۔

حضرت علی کی خلافت پر اہل حل و عقد کا اجماع

جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر جمع ہو گئے۔

تمام لوگوں میں انبیاء کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں پھر عمر فاروق اس کے بعد حضرت عثمان غنی تب حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتبہ ہے اور خلافت بھی اسی ترتیب پر ہے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے اور خلافت کے بارے میں انہوں نے کوئی تصریح نہ فرمائی تو کبار مہاجرین و انصار نے جمع ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے گزارش کی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی کیونکہ اپنے زمانہ میں وہ سب افضل اور خلافت کے اہل تھے اور ان لوگوں میں باہم جو جنگیں اور مخالفتیں ہوئیں وہ خلافت کے بارے میں نہ تھیں۔ وہ تو اجتہادی غلطی تھی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحابہ کرام کے

ولما استشهد اتفق الناس علی بیعة علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(شرح مواقف ص ۴۱)

افضل البشرینا الصدیق ثم الفاروق ثم عثمان ثم علی المرتضیٰ و خلافتهم علی هذا الترتیب۔

(عقائد نفی)

ثم استشهد وترك الامر مهملا فاجمع كبار المهاجرين والانصار علی علی والتسوا منه قبول الخلافة و باعوه لما كان افضل اهل عصره و اولیٰ هم بالخلافة و ما وقع من المخالقات و المحاربات لم یکن من نزاع خلافة بل عن خطأ فی الاجتهاد۔

(شرح عقائد ص ۱۹)

و اما خلافة علی رضی اللہ عنہ فكانت

اجماع سے ثابت ہے عبداللہ بن تہ نے محمد بن حنفیہ سے روایت کی کہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے ایک آدمی نے آکر کہا حضور عثمان غنی رضی اللہ عنہ ابھی ابھی شہید کر دیئے گئے۔ حضرت علی نے کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تو میں نے ان کی کمر محکم لی کہ لوگ کہیں ان کو بھی تکلیف نہ پہنچائیں آپ نے فرمایا تیری ماں نہ رہے مجھے چھوڑنا پھر اٹھ کر مقل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تشریف لائے اور پھر اپنے گھر جا کر دروازہ بند کر لیا۔ لوگ آئے اور کہا حضرت عثمان شہید کر دیئے گئے اور خلیفہ کا ہونا ضروری ہے اور آپ سے زیادہ اس کا کوئی اہل نہیں اس لیے آپ بیعت کے لیے ہاتھ بڑھائیے آپ نے کہا میں تمہارے بہ نسبت امیر کے وزیر اچھا رہوں گا اس لیے مجھے معذور رکھو جب لوگ کسی طرح رضی اللہ عنہ نہ ہوئے تو آپ نے فرمایا میری بیعت علی الاعلان ہوگی پس آپ مسجد میں تشریف لائے اور لوگوں نے آپ کی بیعت کی اس لیے آپ برحق ہوئے اور وقت شہادت تک امام برحق رہے۔ خوارج (ان کے لیے بربادی ہو) یہ کہتے ہیں کہ آپ کبھی خلیفہ تھے ہی نہیں۔

من اتفاق الجماعة واجتماع الصحابة الماروى عبد الله بن تبة عن محمد بن حنفية قال كنت مع علي بن ابي طالب رضي الله عنه و عثمان بن عفان محصورا قاتاه رجل فقال ان اهيرا المؤمنين مقتول الساعة قال فقام علي رضي الله عنه فاخذت بوسط تخوفا عليه فقال خل لا ام لك قال قاتى على الدار وقد قتل عثمان رضي الله عنه قاتى داره ودخلها فاغلق بابها قاتاه الناس فضر بوا عليه الباب فدخلوا عليه فقالوا ان عثمان قد قتل وبيدوا للناس من خليفة ولا نعلم احدا احق بهامتك فقال علي لا تدري واني قاتى لكم وزير خير من امير قالوا والله لا نعلم احدا احق بهامتك قال رضي الله عنه فان بيعت لا تكون سرا ولكن اخرج الى المسجد فبايعه الناس فكان اماما حقا الخ ان قتل خلاف ما قالت الخوارج انه لم يكن اماما قط تباهم۔

(غنية الطالبين جلد اول ص ۷۷)

مذکورہ بالا عبارت میں اگر یہ دیکھا جائے کہ اس روایت کی تاریخی حیثیت اتنی مضبوط ہے کہ خود حضورِ نبوتِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس پر اتنا اعتماد کہ یہ روایت اپنی کتاب میں تخریج فرمائی اور اسی بنیاد پر مولا علی کی خلافت کے برحق ہونے کا فیصلہ فرمایا اس سے قطع نظر ہم نے صرف یہ دیکھنا ہے کہ حضرت غوثِ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کان اماماً حقیقاً فرمایا۔ مزید ارشاد فرماتے ہیں:-

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے مقابل سے قتال میں حق پر تھے کیونکہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ حضرت علی کی خلافت کے حق ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ صحابہ میں اہل حل و عقد آپ کی خلافت کے متفق تھے۔

ان علیاً ورضی اللہ عنہ کان علی الحق فی قتالہم لانه یعتقدہ صحابۃ امامتہ علی ما بیننا اتفق اہل الحل والعقد من الصحابة علی امامتہ و خلافتہ۔

(ص ۸۷)

نبوۃ حضور کے وصال سے ختم ہو گئی اور وہ خلافت جس میں تلوار نہ چلی شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اور خلافت کا خاتمہ حضرت علی کی شہادت اور امام حسن کے خلافت چھوڑ دینے سے ہوا۔

فالنبوۃ انقضت بوفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم والخلافة الی لا سیف فیہ المقتل عثمان والخلافة بتمیادۃ علی رضی اللہ عنہ وخلق الحسن۔
(حجة الله البالغة ص ۲۱۲)

قابلِ غور یہ امر ہے کہ اگر عباسی صاحب کا بیان صحیح ہے کہ ازالۃ الخفاریہ میں شاہ صاحب نے یہ فرمایا کہ خلافت حضرت علی کے لیے قائم نہ ہوئی تو حجۃ اللہ البالغہ میں جگہ جگہ ان کی خلافت کا اثبات کس طرح فرما رہے ہیں۔

بسوخت عقل زحیرت کہ این چہ بو العجیبست!

حضرت علی اور ان کے مخالفین کے زمانہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر خلافت کی امید دوسرے لوگوں کیلئے منقطع کر دی کہ

واما فی زمن علی رضی اللہ عنہ و من نازعۃ فقد قطع المشرع صلی اللہ علیہ وسلم طول کم الخلافة بقولہ

عليه السلام اذ بويح للخليفتين
 فاقتلوا لآخر منها والعجيب كل العجيب
 من حق واحد كيف ينقسم ضربين
 والخلافة يسبت بحجم ينقسم
 ولا يعرض يتفرق ولا بجوهر يحد
 فكيف يوهب ويبيع فيه حديث
 هازم اول حكومة تجرى في المعاد
 بين علي ومعاوية فيحكم الله لعلي
 بالحق والباقون تحت المشية وقول
 المشرع صلى الله عليه وسلم
 لعمار قتلك فيئة الباغية فلا
 ينغى اللامام ان يكون باغيا
 والامامة لا تليق لشخصين كما
 لا تليق الربوبية للثنتين -

(سر العالمين للغزالي ص ۱۲)

اس عبارت میں کس وضاحت سے امام غزالی فرماتے ہیں بیعت اولیٰ حضرت علی کی
 تھی اور وہی حق ہے اس کے بعد دوسرے کی بیعت کا امکان ہی ختم ہے جیسا کہ حکم رسول
 ہے۔ یونہی حدیث رسول ہے کہ حضرت عمار کو باغی گروہ قتل کرے گا (باغی کے جو معنی بھی
 ہوں) پس جن لوگوں نے حضرت عمار کو قتل کیا امام حق ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت کی
 حقانیت پر اہل حل و عقد کا اتفاق دلالت
 کرتا ہے۔

دسواں اختلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت

والذی يدل على امامة علي رضي الله
 عنه اتفاق اهل الحل والعقد على
 امامة - (اصول معالم الدين للزادى ص ۱۶)
 والخلاف العاشر في زمان علي رضي الله عنه

میں ان پر اتفاق کے بعد ہوا تو حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم مکہ گئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ساتھ لیا بصرہ پہنچے اور حضرت علی کے ساتھ جنگ کی جس کو جنگِ جمل کہتے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات نے رجب کیا ان لوگوں کو بات یاد دلائی گئی تو نصیحت قبول کر لی اور مولا کی خلافت ان کی وفات کے وقت تک رہے یہ ایک امر مشہور ہے۔

بعد الاتفاق علیہ وعقد البیعة له فاوله خروج طلحة والزبير الى مكة ثم جمل عائشة الى البصرة ثم نصب القتال معه ويعرف ذلك الحرب الجمل والحق انهما رجعا وتابا اذ ذكراهما امر افتد كرا پھر چند سطر بعد وبقاء الخلافة الى وقت الرفاة مشہورہ۔

(مل ونخل للشرستانى جلد اول ص ۲۶)

پس ان تصریحات کی روشنی میں ایک لحظہ کے لیے بھی یہ سوچا جاسکتا ہے کہ اہل سنت و جماعت میں امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں کوئی ادنیٰ شبہ بھی کیا جاسکتا ہے؟ ان کا تعلق مذہب حق اہل سنت و جماعت سے بھی ہو سکتا ہے؟ ہاں اس سوادِ اعظم کا تیرہ صد سالہ عقیدہ تباہ کر دیا جائے اور پھر نئے سرے سے کوئی شریعت گھڑھی جائے تو اور بات ہے۔

خود بدلنے نہیں ایماں کو بدل دیتے ہیں
ہوتے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

(مولانا عبدالمنان اعظمی)

ایک رسوائے عالم کتاب کا تحقیقی جائزہ

کتاب خلافت معاویہ و یزید، مؤلف مولوی محمود احمد عباسی نظر سے گزری اول سے آخر تک پڑھا۔ اس کتاب کی بے حد تعریف و تائید روزنامہ "المجیدۃ" بجلی، دیوبند اور "نقیب" بہار میں دیکھ چکا تھا۔ یہی تحریریں اس کی حقیقت کی طرف غمازی کر رہی تھیں پھر بھی انکشاف تمام کے لیے اس کتاب کو پڑھنے کی ضرورت محسوس کی، اس کو پڑھ کر جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے۔

عباسی صاحب کا مقصد یزید کو امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین متقی زاہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام امت سے اعلیٰ و افضل ثابت کرنا ہے اس کے ساتھ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو جھوٹا وعدہ خلافت نا اہل لٹیرا امت میں تفرقہ ڈالنے والا ثابت کرنے کی سعی کی گئی ہے کوئی آیت ان کے اس مقصد کے خلاف آگئی تو اسے توڑ مروڑ کر رکھ دیا۔ حدیث آگئی تو اسے درجہ اعتبار سے ساقط کر دیا۔ اخبار آگئے تو ٹھکرا دیا اور مؤرخین پر برس پڑے۔ نہ معلوم ابن حنبلہ دن پر کیوں رحم آیا۔ ہاں غیر مسلم مؤرخین پر البتہ اعتماد کیا ہے۔ ان کے اکابر علماء میں ایک ابن تیمیہ ضرور دکھائی پڑے جو سزا یافتہ تھے۔ یہ کتاب بڑی ہی دل آزار ہے۔ امت پر بہتان تراشی میں غالباً ایک عرصہ کے بعد ایسی کتاب لکھی گئی ہے۔ کاش اس مصنف نے اپنا اسلامی لقب ظاہر کر دیا ہوتا تو اتنا خلفشار نہ ہوتا۔ اس ظلم و بہتان و خیانت کا نام تحقیق العیاذ باللہ۔ تیرہ سو برس کے متفق علیہ مسئلہ تمام امت کے اجماع کو غلط قرار

دینا اہمارے نیک تو اور کیا ہے پارسو بس کے بعد سب تہتق ناممکن ہو گئی تھی، ان تیرہ سو برس کے بعد کیسے واقع ہو گئی۔

آیت تلمیح میں ازواج مطہرات و اولاد ہی اور سفر ت علی سب ہی شامل ہیں۔ ملت سے آن تک یہی تفسیر بیان کی گئی، اماویہ شاہی کی شاہد ہیں مگر عباسی صاحب رکھتے ہیں۔

”یہی ازواج اہل بیت رسول اللہ کی اہل خانہ و اہلیہ ہیں ان ہی کی تلمیح میں آیت تلمیح ازل ہوئی۔“ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۳)

حسین دشمنی میں تمام اشیاء کو رد کر کے اپنا مغموم ثابت کرنا چاہا ہے حالانکہ متداول تفسیریں تفسیر مدارک، تفسیر نازن، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر احمدی، تفسیر ابوالسعود، کبیر ابن کثیر تفسیر بیہاوی اور تاثیر بیہاوی میں ازواج مطہرات و حضرت علی، فاطمہ، حسن و حسین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اہل بیت، فرمایا۔

اسی طرح حضرت امیر المومنین مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے مارے مکہ فوجیوں نے دغوارج کو چھوڑ کر، کے نزدیک خلافت حقہ راشدہ سے اور وہ خود عشرہ مبشرہ میں ہیں اس کے فتنائل و مناقب میں حدیث سیر کی کتابیں شاہد ہیں۔ اُن تک۔ بتنے مومنین ہوئے۔ یہی امیر المومنین مانتے، رکھتے، پڑھتے آئے۔ مگر عباسی صاحب فرماتے ہیں۔

”حضرت علیؑ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی۔“

یہی وجہ ہے کہ یزید کے نام پر سینکڑوں جگہ امیر المومنین لکھا مگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے ساتھ ایک جگہ بھی امیر المومنین نہیں دکھائی دیا بلکہ شیر خدا کی شخصیت کو پست سے پست بنا کر کرنے کے لئے عباسی صاحب نے یہاں تک نبھا۔

”حضرت علیؑ حضرت عثمانؓ کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوٹھا تھے اپنے فرزند کو ماتھے سے کر گئے اور حضرت سعدؓ سے فرمایا اس کی بو ذرا بت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیکھے۔“

یہ کتنا رکیک۔ کلمہ ہے: کیا رسول پاک کی صحبت میں بھی رہ کر نہیں بلکہ پوری تربیت
نبی کریم ﷺ علیہ السلام سے پاکر بھی شیر نندا کا دل سافت نہ ہو سکا۔ روحانیت سے کچھ
حصہ اسلام کی یقینی روشنی نہ حاصل کر سکے کہ ایک صحابی رسول کو کلمہ حق سے روک کر ہر فرد
کی تلقین فرما رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ یہی عباسی صاحب کو دوسرے پہلو پر دیکھنے فرماتے ہیں۔

۱۰ صحابہ رسول اللہ کی خدمت میں کرنے ان کے فیضان صحبت سے مستفیض ہونے
کے بے بہا مواقع حاصل ہوتے جو صحابہ کرام دمشق و شام میں مسکن گزین تھے
ان کے فیوض علی و روحانی سے جیسا سابق میں ذکر ہو چکا۔ امیر یزید نے پورا
استفادہ کیا تھا۔ (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۸۹)

مطلب یہ ہوا کہ عجمیوں سے یزید نے فتنل و کمال اور روحانیت حاصل کر لی اور
نلیفٹہ المسلمین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحبت سید المرسلین میں رہ کر بھی سداقت و یانیت
نہ حاصل کر سکے۔ لعنت ہے دشمنان اہل بیت اور ان کے مویدین پر۔ یہ تاریخی حقیقت
ہے یا بغض قلبی کا اظہار ہے۔ پھر عباسی کہتے ہیں۔

”یہ چھوٹے نواسے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے وقت
پانچ ساڑھے پانچ برس کے اتنے صغیر السن اور کم عمر تھے کہ ان کو اپنے مقدس
و ہادی برحق نانا کے نہ حالات و معمولات کی کوئی بات یاد تھی اور نہ زبان
مبارک سے سنا ہوا اسلامی سیاست کے بارے میں آپ کو کوئی ارشاد“

(خلافت معاویہ و یزید ص ۲۹۹)

یہ ہے عباسی صاحب کی تحقیق کہ یزید گویوں میراثوں کی صحبت میں رہ کر علامہ متقی
پر میزگار بن گیا اور امام عالی مقام کو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی آغوش رحمت
میں بیٹھ کر صحابہ و انصار و صحابہ کرام عشرہ مبشرہ خلفائے راشدین کی ضیاء بار محفلوں
میں نیز باب مدینۃ العلم کی تربیت گاہ سے مسلسل پینتیس برس تک فیوض و برکات حاصل
کرنے کے بعد بھی کوئی حدیث یاد تھی نہ کوئی مسئلہ حیرت ہوتی ہے ایسی باتیں کس منہ
سے نکل رہی ہیں کلمہ کی تو لاج رکھی ہوئی۔ چند خارجیوں کی خوشنودی کے لئے رسول خدا

صلى الله تعالى عليه وآله وسلم سے لڑائی مولا لی۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم
قال لعلي وفاطمة والحسن والحسين
انا حاربتم حاربهم وسلم لمن
سالهم اخرجهم الترمذی
عن زید بن ارقم رضی الله تعالى عنه

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت
علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم
کے بارے میں جو ان سے لڑیں گے ان سے
میری جنگ ہے اور جو ان سے مصالحت
کریگا اس کیلئے میری طرف سے سلامتی ہے۔

کیا جھوٹے لیٹرے اور باغی جی بنت کے سردار ہوں گے۔ من گھڑت تاریخ سے شد
کو رد کرنا کیا مومن کا کام ہے۔ اس مسنت کو غیرت نہ آئی کہ اہل بیت میں عیب ثابت کرنے
کو بے سرو پا تاریخوں کا حوالہ ڈھونڈنے لائے اور فضائل و مناقب میں صحاح کی حدیثوں کو
مجروح بنا کر پس پشت ڈال دیا اور جہاں اپنے بے بدوں کا حال بیان کرنا ہوا وہاں حدیثیں
بھی معتبر ہو گئیں اور وہ مورخ بھی معقول ہو گئے۔ چند صفحے پیشتر اہل بیت کی تعریف کی وجہ
سے مردود تھے۔ یہ قلبی خیانت ہے کہہلا سکتی ہے۔ کوئی صحیح العقل انسان اس کو تحقیق نہیں
کہہ سکتا۔ عباسی صاحب رقم طراز ہیں۔

”علم و فضل تقوی و پریزگاری پابندی صوم و صلوة کے ساتھ امیر یزید

حد درجہ کریم النفس۔ حلیم الطبع۔ سنجیدہ و متین تھے۔“ (خلافت معاویہ و یزید ص ۴۹)

یہ شہادت انہیں ایک معتبر عیبانی سے ملی، شاید دل میں خلجان پیدا ہو کر مسلمانوں پر
اس سے دھونس نہیں جاسکتے تو حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی کہلاوایا۔

”کتاب العواصم میں بیان فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل نے امیر یزید کا ذکر

کتاب الزہد میں زہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں کیا

ہے جہاں زہد و ورع کے بارے میں زہاد و امت کے اقوال نقل کئے ہیں“

(خلافت معاویہ و یزید)

حالانکہ میزان الاغتنال جو اقدربال میں دنیا کی مانی ہوئی کتاب ہے اس میں یزید کا

حال ان اغتنال میں یکبارہ ہے۔

مفرد و وحدالتدلیس باہل ای
 حضرت امام احمد بن حنبل دو دیگر ائمہ نے اور
 سے روایت کی اجانت نہیں دی برعکس بلکہ
 میں یعنی ان یروی عنہ۔

اس سلسلہ میں عثمانی صاحب کے ماتے ہوئے مورخ ابن نلدون سے یزید کے
 اوصاف پر شہادت پیش کرنا مول پڑھے اور فیصلہ کیجئے۔

”یزید کی طرف سے عثمان بن محمد بن ابی سفیان امیر یزید ہو گیا اور اسی زمانہ

میں اہل مدینہ کا ایک وفد جس میں عبداللہ بن خطلہ، عبداللہ بن ابی عمر بن حفص

بن یغبرہ مخزومی و منذر ابن الزبیر و خیرہم شرفا سے مدینہ تھے تمام کو روانہ کیا

یزید سے ان لوگوں کی بہت بری عزت ملی۔ عبداللہ بن خطلہ کو علاوہ خلعت

کے ایک لاکھ درہم اور باقی لوگوں کو دس دس ہزار دے کر رخصت کیا۔

جب مدینہ میں عبداللہ بن خطلہ واپس آئے تو اہل مدینہ نے کو سامنے موئے

مال دیکھا فست کیا۔ بواہر ویا کہ ہم ایسے نااہل کے پاس آئے ہیں جس کا نہ

کوئی رین سے اور نہ کوئی مذہب شراب پیتا ہے۔ رائے بار اسنتا سے واللہ

اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا اس پر بسا د کرتا۔ سائزین نے کہا، ہم نے تو

سنا ہے کہ یزید نے تمہاری بہن تبارش عزت ملی۔ نالہت اور جائزہ دیا

عبداللہ بوسے ہاں اس نے ایسا ہی کیا ہے بسین ہم نے اس دوسرے

اس کو قبول کر لیا ہے کہ اس کے مقابلہ کے لئے قوت پیدا کیں اہل مدینہ

یہ سن کر اند متفتر ہو گئے“ (ابن خلدون)

اس سے یزید کا اتھوڑی و بیہیز گامی ظاہر ہوئی بسبب کچھ دنوں سے بعد سرت

منذر واپس تشریف لائے تو ان سے لوگوں نے یزید کے متعلق پوچھا تو فرمایا۔

انہ قد اجازنی مالہ الفت ولا

بنعی ما عنی بی اخبارکم خبرہ واللہ

اسد بشارب الخمر واللہ انہ یسکر

یزید نے مجھے ایک لاکھ درہم دیا لیکن یہ غلیتہ

مجھے حق بات کہنے سے روک نہیں سکتا قسم خدا

کی وہ شراب پیتا ہے اور قسم خدا کی وہ نشہ

سنٹی ید ع الصلوة . (ابن اثیر) میں ہوتا ہے یہاں تک نماز بھی پھوڑ دیتا ہے۔
 اس روایت سے اس کی پائیدن نماز اور یہ بیزگاری معلوم ہوئی اب بیزید کی
 بلیہ النفسی سینے۔

اہل مدینہ کو تین دن غور و فکر کرنے کی مہلت دینا اگر اس اثناء میں وہ
 اطاعت قبول کر لیں (بیزید کو نلیبہ مان لیں) تو درگزر کرنا اور نہ ہنگامے
 میں قاتل نہ کرنا اور جب ان پر کامیابی حاصل ہو جائے تو تین روز تک قتل
 نام کا حکم جاری رکھنا۔ (ابن خلکان)

ابن اثیر نے بیزید کا حکم اس طرح بیان کیا۔

”تین دن تک مدینہ طیبہ کو فوجیوں کے لئے مباح کر دینا۔ قتل لوٹ مار
 اور عسکت درسی کے ان گنت واقعات ہوئے“

یہ بے بیزید ملعون کی کریم النفسی اور اس سے علم زہد و تقویٰ سنجیدگی متانت سب
 ہی معلوم ہو گئی۔ مدینہ طیبہ پر فوج کشی، قتل و غارت کرنے والے کا حکم سینے۔

حضرت مسلم نے حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور وہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و
 التسلیم سے روایت فرماتے ہیں۔

قال ان ابراہیم حرم
 مکہ فجعلها حراما وان
 حرمت المدینہ حراما
 ما بین ما زمبھا وان لا
 یھراق فیھا دم ولا یحبل فیھا
 سلاح لقتال ولا یتخبط فیھا
 شجر الا لعلف۔
 حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ کی
 عظمت میں مکہ کو حرام کیا اور میں مدینہ کی
 عظمت میں مدینہ کو حرام کرتا ہوں جو دونوں
 طرفوں کے بیچ میں ہے نہ اس میں خون بہایا جائے
 اور نہ اس میں جنگ کے ہتھیار اٹھائے جائیں
 اور اسکے کانٹے بٹھے نہ کاٹے جائیں سوائے
 چارے کے۔

جہاں کا ناکاٹنا ممنوع ہو وہاں بیزید نے کیسی کیسی ہستیوں کو شہید کیا پھر بھی اس کے
 تقدس میں فرق نہ آیا۔ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی صحیح حدیث سے آنکھیں بند

کر کے ابن تیمیہ اور یدمانی سورنہ کی من گھڑت پر ایمان لانا بے دینی نہیں تو اور کیا ہے
 اہل ہنسی و مسلم کی اس روایت کا مصداق کون ہے؟

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 لا یکید اهل المدينة احد الا
 انما عکما ینماع الملح فی السماء۔
 حضور نلیہ القلوۃ والسلام نے فرمایا جو کوئی
 مدینہ والوں سے مکر و فریب کرے گا وہ تک
 کی طرح گھل گھل کر ہلاک ہوگا۔

کیا یہ پیشین گوئی یزید پر نہیں صادر آتی کہ مختور سے ہی دونوں بعد وق و سل کی بیماری
 میں گھل گھل کر تباہ و ہلاک ہوا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 المدینہ حرام ما بین غیر الی ثور
 فمن احدث فیها ورثا او اول
 محدثا فعلیہ لعنتۃ اللہ والملئکۃ
 والناس اجمعین۔
 مدینہ طیبہ حرام ہے بمقدار غار سے ٹورتک
 جس نے اس میں ممنوعات کا ارتکاب کیا یا اسکے
 مریکب کو پناہ دی اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت
 فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی
 لعنت ہے۔

حدیث پر ایمان رکھنے والا کیا اب بھی لعنتی کے بجائے متقی اور پیریزگار سمجھے گا یا متقی
 اور پیریزگار کہنے والے کو بھی لعنتی کہے گا۔

منازلت و سنجیدگی سینے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو سدھارنے کے
 لئے ایک استاد رکھا تھا۔ ایک دفعہ وہ ان سے بھر گیا۔ اس واقعہ کو عباسی صاحب اس کی
 خوش بیانی اور حاضر جوابی کے تحت لکھتے ہیں۔

اخطأت یا غلام
 فقال یزید الجواد یعثر
 فقال مؤدب ای واللہ یضرب
 فیستقیم۔
 یزید کے اتالیق نے کہا اے لڑکے تو نے غلط کیا۔
 یزید نے کہا اسیل گھوٹا ہی ٹھوکر کھاتا ہے۔
 اتالیق نے کہا ہاں، واللہ کوڑا کھاتا ہے تو
 سیدھا ہو جاتا ہے۔

فقال یزید ای واللہ فیضرب
 انف سائسہ۔
 یزید نے کہا ہاں واللہ پھر تو اپنے سائیس کی
 ناک پھوڑواتا ہے۔

حالانکہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ استاد نے یزید کی کسی شرارت پر کہا کہ تم نے غلطی کی تو یزید جواب میں کہتا ہے کہ غلطی کی تو کیا جو اسماعیل ہیں اور اسمیل ہی کھوڑا ٹھوکر کھاتا ہے۔ استاد نے کہا وہ مار کر سیدھا کیا جاتا ہے۔ یزید بولا پھر مارنے والے کی ناک بھی توڑ ڈالتا ہے۔ یہ یزید کی بولی استاد کے مقابلہ میں "اگر سزا دی تو آپ کی ناک ہی تیر نہیں یہ ہے عشق یزید کہ تمام برائیاں خوبی دکھائی دیتی ہیں۔"

یزید کی بہترین خطابت کے سنن میں ایک واقعہ زیاد کا جبکہ وہ خزاں سے زرو جو ابرے کر آیا اور اپنے انتظام کی خوبی بیان کرنے لگا تو اپنے حقیقی چچا کے مقابلہ میں یزید نے جو بھیرنی محفل میں تقریر کی اسے عباسی صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

"امیر یزید نے امیر زیاد کو مخاطب کر کے کہا، اے زیاد تم نے یہ سب کیا تو تعلق کیوں ہے، کیونکہ ہم ہی تو ہیں جنہوں نے تم کو قبیلہ ثقیف کی ولاد (تعلق جلیبی درشتہ) سے بٹا کر قریش میں بلا دیا اور تسلیم گھس گھس و ندرت کا تہ سے منبر پر حاکم گورنر کی حیثیت میں پہنچا دیا اور زیاد فرزند غلام سے حرب بن ابیہ کے اخلاف میں شامل کیا تو پھر تم کیا دن کے لیتے ہو؟" خلافت معاویہ دینیہ

یہ ہے سارا، منہ فرزند و پچھلے نسب و عمل پر کلام کرنے کے بھیرنی محفل میں وہیل کرنے اور یہ ہے عباسی ساس کی عقیدت یزید کے ساتھ کہ بدترین کو بدترین و اعظما نہیں پھر اسی پر ختم نہیں کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی زبردستی اتنا اہلوا دیا۔
 مقال معاویہ لہ اجلس فداک حضرت معاویہ نے یزید سے کہا اب بیٹے جاؤ تم پہ ہمارے ماں باپ، قرآن۔
 ابی داہمی۔

واہ کیا نوب کہا، ایک واقعہ اور نقل کر دوں۔ ستر: امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید جب بائع دشت میں خطبہ پڑھنے آیا تو حضرت سائب سہابی نے اس خیال سے کہ یزید تم زدہ ہے کہیں رقت طاری ہو جائے اور خطبہ نہ پڑھ سکے تو میں پورا کر دوں گا۔ قرآن۔
 منبر اکرم بیچہ گئے مگر یزید کو کس کا غم وہ تو بہت دنوں سے اس کا آرزو مند تھا دیکھا کہ اس خلافت معاویہ و یزید میں درج ہے، صحابی کو قریب منبر دیکھ کر بولا۔

نہجائے اجرت تعلقہ اور بیٹی عبد
شہسار سلطانہ (ڈیپارٹمنٹ ڈیویڈینڈ)

یہ تین کتابیں ہیں۔ اسی کتاب تعلقہ معاویہ و یزید کی لی ہیں جو خاص یزیدی
ذہبیات میں بھی لکھی گئی ہیں اس سے برصغیر اندازہ لگا سکتا ہے کہ وہاں اس کے واقعی مالا
ہیں۔ ان کے پیروں کا کتنا بڑا انبار ہو گا۔

اپنے یزیدی تقریر کو سراتے ہوئے لکھتے ہیں۔
”لوگ اس تقریر کو سن کر ان کے پاس سے جدا ہوئے تو اس سے متاثر تھے کہ یزید
پر کسی ایک کو جس فضیلت نہیں دیتے تھے یعنی امیر المؤمنین ہونے کی حیثیت
سے“ (ڈیپارٹمنٹ ڈیویڈینڈ ۱۹۵)

ذہبیات۔ اسباب یزید کو صرف امام عالی مقام سے ہی افضل نہیں بتاتے بلکہ عام خلیفہ کے
شاہدین پر یزید کو فضیلت دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ اس کی تائید نقیب بہارہ والجمعینہ دہلی
پہلی دیوبند ہی سے کر رہے ہیں بلکہ حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانی بھی
سنوارے میں لکھتے ہیں۔

”امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک امیر المؤمنین یزید کی عظیم منزلت
فقہی تعلقہ معاویہ و یزید“

حالانکہ امام موسوف یزید سے دین کی بات تک لرنے کی اہازت نہیں دیتے جیسا پہلے
معلوم ہوا۔

عباسی صائب مقدمہ میں لکھتے ہیں جو تحسلی دیوبند میں شائع ہوا۔
”اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے
عام استصواب سے ہوا تو وہ امیر المؤمنین یزید ہیں“ (تہذیب دیوبند)

آگے لکھتے ہیں۔۔۔ ”پھر یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حضرت فاروق اعظم
کا تقریر تو بھوری سمجھا جائے تو غلی منہاج النبوت، لیکن امیر المؤمنین یزید کا تقریر
صائب کرام کے اس زبردست اجماع کے باوجود غیر بھوری اور بدعت سیدہ قرار

دیا جائے۔" (تہذیبی دیوبند)

اب رگب زیدیت پوہنی بھڑک اٹھی اور تعصب و حمایت یہاں تک کھینچ لایا کہ زیدیت
 کی سوسہ ہتھکڑی کو اگر نادر امانا تو پہلے حضرت امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت
 کو ڈبائے گا یا نہ کہے کیوں نہ ہو یہ بھی کرامت ہے فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کہ وہ
 غیظ اللہ نہ آفتابین ہیں۔

برہنہ۔ "ملا سیت زید کے لئے منوانا پاپا تو یوں بنیاد رکھتی۔
 "علمان بڑی میں جہاں ہی اکثریت اہل حق کی ہوتی اور یہ اکثریت یقیناً
 اہل حق و سلا سیت اور سن کاہر کردگی کے اعتبار سے تھی۔"
 اور یہ۔ امام غازی تقاسم کی طرف متوجہ ہونے تو جڑ ہی کھوکھلی کرنے چلے بکتے ہیں۔
 "نسب ہاشمی بزرگ کا نام اعمال نبوی کی فہرست میں شامل نہیں تھا حالانکہ ان میں
 سے بعض حضرات نے نیز حضرت ابوذر غفاری نے تقریباً خواسی کا اظہار کیا
 تھا مگر انتظامی امور میں عدم سلا سیت کی بنا پر منظور نہیں فرمایا گیا۔" (خلافت و مہاجرین)
 اور ان سے بعد ہی آیا۔ "غریب عبارت نقل کر دی گویا ہاشمیوں کی عدم سلا سیت کی دلیل
 ہے ائمہ اربعہ کا صحیح مطالعہ ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ کواں کہاں ہاشمی حضرات امیر بنا سکے۔
 مگر وہاں تو قسم در قسم یہ ہے کہ زیدیت کی منسبت کو بھی بائیں اور ہاشمیوں کی منسبت جہاں
 دلہائی پڑے۔ فوراً دفن کر دی جائے۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تدرستی فضائل و کمالات
 کے ساتھ تدرستی نسبی فضائل آئی تو اس کے بیان کا اندازہ دیکھئے۔

"سنت میں نے سلا سیت تلوار لیوں نہیں اٹھائی با سستی بس کی رعوت محض یہ تھی کہ ہا
 سنی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام اور حضرت علی کے فرزند ہونے کی حیثیت سے انہیں تبلیغ
 بنایا جائے۔" (خلافت و مہاجرین)

کیا یہ سنی تہذیبی ترقی ہے کہ حضرت امام حسین نے سوائے نواسہ اور فرزند ہونے کے
 کوئی دوسری خوبی تھی نہ نہیں اور یہ وہ زیدیت کی نا اہلی سامنے آئی تو بوش حمایت میں یہ بولی بولے
 بھکتے ہیں۔ اور یہاں تک طلب ہے کہ

المحمد شہ سے کروانا بن تک اور موطا سے لے کر ابن ماجہ تک کو نسبی
 آیت اور کونسی حدیث ہے جس میں باپ کے بعد بیٹے کی نفلت کی حرمت
 یا کرامت کا الٹی سبب نہیں ثابت کیا جاسکے۔" (تجلی مقدمہ خلافت معاریہ دینیہ)

یہاں آپ کو کرامت و حرمت کا ذیال ایما اور مدینہ طیبہ پر کلمہ کرنے والے عصمت
 درہا کرنے والے ائمہ معلّم پر دنا اور ابولہنے والے، غلانت کعبہ کو بلانے والے اور حرم
 میں سہلانوں کو شہید کرنے والے کے لئے کوئی آیت و حدیث حرمت و کرامت کی نہیں
 ملی اگر ہی تو یہ کہ تمام تاریخیں غلط ہیں تو پھر جناب نے تیرہ سو برس کے بعد یہ تحقیق کہا،
 سے کی۔ جو اب مزنیہ ہو گا اپنی عقل و عقیدت سے تو پھر نہ اسے تاریخ کیے اور نہ تہمتیں
 ایک نصیبت ہے جو کام کر رہی ہے بغض ہے جس کا اظہار ہو رہا ہے۔

(مولانا رفاقت حسین)

خلافت معاویہ و یزید

تحقیقی نظر میں

- ۱۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حضرت علی کی خلافت صحیح ہے یا نہیں؟ انہوں نے حضرت عثمان کا قتل کیا کیوں نہیں لیا؟
- ۲۔ یزید فاسق و فاجر تھا یا زاہد و متدین؟ اس کی خلافت درست تھی یا نہیں؟
- ۳۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے یا خطا پر؟ وہ شہید فی سبیل اللہ ہیں یا نہیں۔ بَيِّنُوا تَوَجَّرُوا۔

الجواب بعون الملک الوہاب

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا حدیفہ الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت فرمایا کہ "فتنوں کے متعلق کچھ بتاؤ" انہوں نے معمولی قسم کے چند فتنوں کا ذکر فرمایا۔

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دوبارہ پوچھا "یہ نہیں ان فتنوں کے متعلق بتاؤ جو سمندر کی موتوں کی طرح اُمنڈیں گے"

حضرت سیدنا حدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ "دونک باب معلق۔ آپ میں

اور ان میں دو واڑہ بند ہے۔"

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت کیا "کیفتم اہم ینکسر۔ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا؟" حضرت سیدنا حدیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا۔ "توڑا

جائے گا۔ اس پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "اذلا یغلق الی یوم القیامت۔ اب قیامت تک فتنوں کا سدباب نہ ہوگا۔"

چنانچہ تاریخ اسلام اٹھا کر دیکھو۔ حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم کی شہادت کے بعد ابن سبأ کی سازشوں سے جب فتنے اٹھنے شروع ہوئے تو تقریباً پودہ صدیاں گزرنے پر آئیں مگر فتنے بند نہ ہو سکے وہ ابن سبأ کی ذریت تھی جنہوں نے حضرت ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا۔ حضرت علی، حضرت طلحہ و زبیر اور امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپس میں لڑا دیا۔ وہ ابن سبأ کی ذریت تھی جو نہروان میں حضرت علی سے خروج کر کے شیر خدا کی ذوالفقار کا شکار ہوئی۔ وہ ابن سبأ کی ذریت تھی جنہوں نے ریحانہ رسول خالوادہ بتول کو کربلا کے میدان میں تہ تیغ کیا اور یہ بھی ابن سبأ کی کوشمہ سازلوں کا اثر ہے کہ آج بھی سیدنا علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے نور دیدہ لخت جگر فاطمہ ریحانہ رسول سید الشہداء شہید کربلا کے خلاف اپنا زور قلم دکھانے کی جرأت کی جا رہی ہے "خلافت معاویہ و زینید" کوئی نئی بات نہیں اسی نہروان خارجیت کے مہلک جراثیم سے پھر دنیائے اسلام کے امن و امان کو برباد کرنے کی ایک شرمناک جدوجہد ہے۔ امر وہوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت سیدنا علی اور حضرت سیدنا حسین شہید کربلا پر نکتہ چینی کی ہے اس کے جواب میں رافضی کو جرأت ہوگی وہ دیگر صحابہ کرام خصوصاً حضرت امیر معاویہ عمر بن عاص اور حضرات شیخین پر تبرا کرے گا۔ انی عننت بری و ربکم ان ترجموں۔

امر وہوی صاحب نے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حضرت سیدنا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خلافت مکمل نہیں۔ اس کی دلیل میں تین چیزیں پیش کی ہیں۔

"ایک یہ کہ یہ خلافت ابن سبأ کی تائید و اصرار اور ان کے اثر سے قائم کر دی گئی تھی۔ اس خلافت نے باوجود قدرت کے حضرت عثمان کا قصاص نہیں کیا۔ اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا۔"

صفحہ ۲ پر لکھتے ہیں۔

"یہ بیعت چونکہ باغیوں اور قاتلوں کی تائید بلکہ اصرار سے قائم ہوئی تھی اور یہ خلافت

ہی حضرت عثمان ذوالنورین جیسے محبوب اور خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی
گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی۔ نیز قاتلان عثمان سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا
اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان باقی تھا۔ اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے انکار کیا
اس لئے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی۔ مخلصاً۔

پہلی بات۔ آپ کا یہ کہنا اگر بجا ہے کہ یہ خلافت سبائیوں کے اثر سے قائم کی
گئی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت میں ان تمام
لوگوں کا ہاتھ تھا جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت قائم کرنے والے ہیں اور ایک
پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ اپنی خلافت خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائم کی لہذا وہ
بھی اس خون ناحق میں شریک ہیں۔ اب آئیے میں آپ کو بتاؤں کہ حضرت امیر المومنین
علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کس نے قائم کی اور اسی سے یہ بھی ظاہر
ہو جائے گا کہ اکابر صحابہ نے حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی
یا نہیں۔ علامہ ابن حجر مکی "سوانح محرقہ" میں فرماتے ہیں۔

علم ماموران الحقیق بالخلافة
بعد الائمة الثلاثة هو الامة
لمرتضى والولى المجتبی علی ابن ابیطالب
باتفاق اهل الحل والعقد علیہ کطلحہ
والذبیرو ابی موسیٰ و ابن عباس
وخزیمہ بن ثابت و ابی ہشیمہ
بن التھان و محمد بن سلمة و عمار بن
یاسر و فی شرح المقاصد من بعض
المتکلمین ان الاجماع انعقد علی
ذالک و وجہ انعقادہ فی زمن الشوری
علی انہالہ و لعثمان و هذا اجماع علی

گزشتہ باتوں سے معلوم ہوا کہ اہل حل و عقد
کے اجماع سے خلفائے ثلاثہ کے بعد خلافت
کے مستحق امام مرتضیٰ علی مرتضیٰ حضرت علی ابن
ابی طالب تھے یہ اہل حل و عقد حضرات طلحہ و
زبیر و ابو موسیٰ و ابن عباس و خزیمہ بن
ثابت و ابی ہشیمہ بن تھان و محمد بن سلمہ و
عمار بن یاسر ہیں۔ شرح مقاصد میں بعض
متکلمین سے ہے کہ خلافت مرتضیٰ پر
اجماع ہے اس طرح کہ حضرت عمر کی مشاوری
کیٹی میں باتفاق طے ہوا تھا کہ خلافت
حضرت علی یا حضرت عثمان کے لئے

انہ لوہا عثمان لکانست لعلی فحین
 خرج عثمان بقتله من ا
 بقیت لعلی اجماعاً. رصتہ

ہے اس سے ثابت ہوا کہ جب حضرت
 عثمان نہ ہوں تو خلافت حضرت علی کا حق ہے جبکہ عثمان
 نہ ہے تو حضرت علی کے مستحق اجماعاً ہے۔

امام جلیل اجل خاتم الحفاظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ الخلفاء میں ابن سعدؒ
 سے نقل ہیں۔

لویع علی بالخلافہ بعد الغد
 من قتل عثمان بالمدينة، فبايعه جميع
 من كان بها من الصحابة۔

حضرت عثمان کی شہادت کے دوسرے دن
 مدینہ طیبہ میں حضرت علی کی خلافت پر بیعت
 ہوئی مدینہ میں جتنے بھی صحابہ تھے سب
 نے بیعت کی۔

(تاریخ الخلفاء)

لیکن امر وہی صاحب کہیں گے کہ تاریخ الخلفاء کا کیا اغیار یہ تو تاریخ کی ادنیٰ کتاب
 ہے۔ شاید ان کے نزدیک کتاب کی عظمت کا دار و مدار کتاب کے حجم پر ہے لیکن یہ منطق
 انہیں کو مبارک ہو۔ کتاب کا ادنیٰ اعلیٰ ہونا حجم پر نہیں بلکہ مصنف کی جلالتِ علی پر ہے۔ امام
 اجل جلیل علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار میں جو مرتبہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں
 ان کی کتاب تاریخ الخلفاء اگرچہ بہت مختصر ہے مگر نہایت ہی مستند ہے۔ اگر کتاب کی
 حیثیت کا دار و مدار حجم پر ہو تو وہ دن دور نہیں کہ آپ کہیں کہ قرآن کریم کا حجم بہت
 چھوٹا ہے لہذا یہ ادنیٰ ہے اور بیماری بسوٹا کتاب کا حجم بڑا ہے لہذا یہ اعلیٰ ہے پھر
 کوئی آریہ آپ سے بیکھ کر یہ کہہ دے کہ چونکہ ویدوں کا حجم قرآن سے بڑا ہوا ہے لہذا
 وہ قرآن سے اعلیٰ ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ آئیے دیکھئے یہ امام ابو جعفر طہری
 اپنی کتاب الریاض النفرہ میں فرماتے ہیں۔

حضرت علیؑ وہاں سے اپنے گھر آئے سب لوگ
 حضرت علی کے پاس آئے کہ ان سے بیعت لیں
 حضرت علی نے فرمایا یہ تمہارا حق نہیں اہل
 بدر جسے پسند کریں وہ خلیفہ ہے پھر تمام

وخرج علی فاتی منزله وجاء الناس
 کلهم الی علی لیبايعوه فقال لهم لیس
 هذا الیکم انما هو الی اهل بدر
 فمن رھنی بہ اهل بدر فهو الخلیفہ

اہل بدر نے کہا کہ (کے نبی) آپ سے زیادہ
خلافت کا حق دار کوئی نہیں۔ اب حضرت
علیؑ مسجد میں آئے منبر پر چڑھے سب
سے پہلے حضرت طلحہ، زبیر، سعد
اور دیگر صحابہ نے بیعت کی۔

فلم یبق احد من اهل بدر الا قال
ما نرى احق لها منك بلما رى على
ذلك جاء المسجد فصعد المنبر وكان
اقل من سعد اليه وباعه طهخت والزبير
وسعد واصحاب محمد صلى الله
تعالى عليه وسلم۔

(ص ۱۲۶ جلد ۲)

۱۲۶

ان تمام جلیل القدر محدثین و علماء راسخین کی تصریحات سے واضح ہو گیا کہ حضرت علیؑ
کو مسند خلافت پر بٹھانے والے اصحاب بدر و دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
ہیں جن میں حضرت طلحہ و زبیر بھی شامل ہیں۔ اس کے برخلاف امر وہوی صاحب کی تحقیق
یہ ہے کہ یہ خلافت سبائوں قاتلان عثمان کے اثر سے قائم ہوئی۔ یہ تو کہنا خلافت تہذیب
ہو گا کہ امر وہوی صاحب نے فلفط لکھا لہذا مہذب رہنے کے لئے یہ ماننا ہی پڑے گا کہ امر وہوی
صاحب کے نزدیک اہل بدر اور وہ اصحاب رسول اللہ جنہوں نے حضرت علیؑ کو خلیفہ بنا یا
سبائی۔ باغی اور قاتل حسین ہیں۔ امر وہوی صاحب کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات بھی نہیں ہوگی
بنی امتیہ کی محبت میں سب کچھ گوارا ہے۔ ۴

ہر ستم ہر جفا گوارا ہے صرف کہہ دے کہ تو ہمارا ہے

حضرت عثمان کے قصاص کے معاملہ میں بات بالکل صاف ہے حضرت علیؑ کرم اللہ
وجہہ الکریم نے اس معاملہ میں کبھی انکار نہ کیا اور نہ پہلو تہی کی، قانون اسلام کے مطابق قصاص
اس وقت لیا جاتا جب کہ حضرت عثمان کے وارثین بارگاہ خلافت میں قانون کو متعین کر کے
ان پر دعویٰ کرتے کہ فلاں فلاں نے حضرت خلیفہ مظلوم کو شہید کیا ہے اور اس پر شرعی
گواہ لاتے جب عینی گواہوں کے بیان یا قائلین کے اصرار سے ثابت ہو جاتا کہ یہ لوگ
قاتل ہیں تب کہیں جا کر جرم ثابت ہوتا اور قصاص لینا فرض ہوتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔
حضرت عثمان کے کسی ولی نے کبھی بھی اس قسم کا نہ تو دعویٰ دائر کیا اور نہ کوئی ثبوت پیش کیا
حضرت علیؑ قصاص لینے تو کس سے لیتے۔ حضرت طلحہ و زبیر حتیٰ کہ خود حضرت امیر معاویہ نے

شکوہ کی تو کی مگر اس قسم کا کوئی دعویٰ بارگاہِ خلافت میں دائر نہیں کیا اگر دائر کیا تو امر وہی صاحب یا ان کے توارئین ثبوت لائیں۔ امر وہی صاحب کے سامنے انگریزی قانون ہے جس کے ماتحت کسی کے قتل کے بعد پولیس فرضی لوگوں کو پکڑتی ہے شبہ میں گرفتار کرتی ہے ماسٹی بیٹی ہے۔ پھر کسی پر مقدمہ چلاتی ہے۔ نیز تکہ پر بیٹھ گیا اور فرضی گواہ جج کی نظر میں صرح و قدح میں سالم رہ گئے تو قاتل کو پچھانسی ہو گئی ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ قاتل گلیچر سے اڑاتا ہے اور بے گناہ شخصہ دار پر ہوتا ہے۔

امر وہی صاحب چاہتے ہیں کہ حضرت علی بھی ایسا ہی کرتے۔ حضرت علی نے ایسا نہیں کیا لہذا وہ امر وہی صاحب کی نظر میں مجرم ہوئے وہ خلافت کے اہل نہیں ہے لیکن امر وہی صاحب کو معلوم ہونا چاہیے کہ اسلام کا قانون ایسا ظالمانہ نہیں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد سے اس کی امید ہو سکتی ہے کہ وہ اسلامی قانون کے برخلاف کسی دوسرے قانون پر عمل کرتے۔ قصاص حد سے ثبوت کے بعد حد جاری نہ کرنا اشد ظلم اظہر فجور اور افسق فسوق ہے۔ حدود الہی کے ترک کی نسبت مولائے مومنین صہر تیدالمربین کی طرف کرنا ابن تیمیہ جیسے مشہور اور اسکے اندھے مقلدین کا کام ہو سکتا ہے کسی سنی صحیح العقیدہ کا برگز نہیں ہو سکتا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق تھی۔ آپ حضرت طلحہ، زبیر اور امیر معاویہ کے مقابلہ میں مصیب تھے۔ اس کی تصریحات احادیث کریمہ میں بکثرت موجود ہیں۔

حدیث اول؛ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ارشاد فرمایا تھا۔

فقتلک الفئۃ الباغیۃ تجھے خلیفہ بحق پر خروج کر نیوالی جانشین کرے گی
حضرت عمار جنگ صفین میں شہید ہوئے یہ حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ کی خلافت حق تھی۔ حضرت امام زودی فرماتے ہیں۔

قال العلماء ہذا الحدیث حجتہ ظاہرۃ فی ان علیا کان محقاً صیبا
علماء نے فرمایا یہ حدیث کھلی ہوئی اس بات کی دلیل ہے کہ علیؑ حق و صواب

والطائفه الاخرى بغاۃ الکھم مجتهدون
فلا اثم علیہم۔ (جلد دوم ص ۲۹۶)
پر تھے اور دوسرے گروہ سے خط
اجتہادی ہوئی۔

حدیث دوم: امام بخاری نے حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا
وہ فرماتے ہیں۔

وفیکم الذی اجارہ اللہ من الشیطان
علی لسان نبیہ یعنی عمار۔
اور تم میں وہ ہیں جنہیں اللہ عزوجل نے شیطان سے
محفوظ رکھا اپنے نبی کے فرمان سے یعنی عمار۔

اسی کو مٹھوڑی تفسیر کے ساتھ امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت فرمایا۔
جب حسب فرمان حدیث حضرت عمار شیطان سے محفوظ ہیں تو ان سے خطا سرزد
نہیں ہو سکتی۔ یہ تمام معرکوں میں حضرت علی کے ساتھ رہے لہذا ثابت ہوا کہ حضرت علی حق
پر تھے۔ حضرت عمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی حق و باطل کا وہ معیار تھی جس کی
وجہ سے بہت سے وہ صحابہ کرام جو اس نزاع میں متردد تھے حضرت علی کی حقانیت کے
قائل ہو گئے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

ما اساء علی شئ الا انی
لم قاتل مع علی الفئۃ الباغیہ۔
اس سے زیادہ مجھے کوئی بات بُری معلوم
نہیں ہوئی کہ میں نے حضرت علی کے ساتھ ان
کے مخالف سے جنگ نہیں کی۔
(الریاض النضر ص ۱۳۲)

حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمار کی شہادت سے پہلے پہلے
معرکہ کارزار میں ہوتے ہوئے تھے۔ تلوار بے نیام نہیں کی تھی مگر حضرت عمار کی شہادت
کے بعد حضرت علی کی حمایت میں انتہائی جوش کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضرت
عمار کی شہادت کے بعد خود حضرت عمرو بن عاص حضرت معاویہ کا ساتھ چھوڑ رہے تھے
علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تطہیر الجنان واللسان میں فرماتے ہیں۔

بعض معتزلی علی ظہر لہم
من الاحادیث انہ الامام الحق
فندموا علی التحلف منہ کما
حضرت علی سے الگ رہنے والے صحابہ کرام
میں سے بعضوں پر حدیثیں ظاہر ہوئیں تو وہ
اس علیحدگی پر نادم رہے جیسا کہ گزر گیا

مرو منهم سعد بن وقاص۔ انہیں میں سعد بن وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
(صفحہ ۱۵۹) بھی ہیں۔

حدیث سوم: جنگ جمل میں جب دونوں فریق صف آرا ہو گئے تو حضرت علی نے حضرت زبیر کو بلایا۔ انہیں یاد دلایا۔ ایک دفعہ عہد رسالت میں ہم دونوں فلاں جگہ ساتھ ساتھ تھے۔ آنحضرت نے ہمیں دیکھ کر فرمایا۔ اسے زبیر رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے ہو۔ عرض کیا۔ کیوں نہیں یہ میرے ماموں زاد بھائی و اسلامی برادر ہیں۔ پھر مجھ سے دریافت فرمایا۔ اسے علیؑ! بولو کیا تم بھی انہیں محبوب رکھتے ہو۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اپنے بھوپھی زاد اور دینی بھائی کو کیوں نہ محبوب رکھوں گا۔ حضور اقدس نے ارشاد فرمایا۔ اسے زبیر! ایک دن تم ان کے مد مقابل ہو گے اور تم خطا پر ہو گے۔ حضرت زبیر نے اس کی تصدیق کی۔ فرمایا میں بھول گیا تھا اور صفیں بھاڑ کر میدان کارزار سے نکل گئے۔ (الریاض النضر ص ۲۳ و صواعق محرقة از حاکم و بیہقی ص ۷)

حدیث چہارم: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا۔
ایتنک صاحب الجمل الاحمد
تم میں کون سُرخ اونٹ والی ہے جس پر
بیخرج حتیٰ ننجھا کلوب الحواب
حواب کے کتے بھونکیں گے اس
فیتل حولھا قتلی کثیرة۔
کے بعد اس کے گرداگرد لاشوں کے
ڈھیر ہوں گے۔
(صواعق محرقة ازان برادر ابو نعیم ص ۷)

پناچہ حضرت ام المؤمنین مکہ سے چلیں جب حواب پہنچیں کتوں نے بھونکنا شروع کیا
حدیث یاد آئی۔ دریافت کیا کونسی جگہ ہے۔ لوگوں نے بتایا حواب ہے۔ یہ سن کر اپنا ارادہ فرسخ
فرمایا بس فتنہ پردازوں نے جب دیکھا کہ سارا معاملہ بگڑ رہا ہے تو فوراً بولے کہ یہ حواب
نہیں کسی نے آپ کو غلط بتا دیا ہے۔

حدیث پنجم: حضور نے ارشاد فرمایا ہے :-

اللہم ادر الحق معہ حیث
اسے اللہ! حق علیؑ کے ساتھ رکھو۔
(دار مشکوٰۃ) جہاں بھی جائیں۔

حضور کی یہ دعا یقیناً مستجاب ہوئی اور ہر میدان میں حق حضرت علی کے سختار رہا۔
 ان احادیث سے خوب واضح ہو گیا کہ حضرت مولائے مومنین صہر خاتم النبیین حضرت علی رضی
 شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق تھی اور ان پر تصدراً قصاص نہ لینے کا یا قتل عثمان
 میں کسی طرح شریک ہونے کا الزام غلط ہے۔ اس معاملہ میں بھی وہ حق پر تھے۔ ان کے
 محاربین سے خطا، اجتہادی واقع ہوئی۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ خلفاء کون ہیں؟

ارشاد فرمایا :-

خلفاء ابو بکر و عمر و عثمان و علی ہیں بسائل نے
 حضرت امیر معاویہ کے بارے میں دریافت کیا۔
 فرمایا حضرت علی کے زمانہ میں حضرت علی سے بڑھ
 کر کوئی دوسرا خلافت کا حقدار نہیں تھا۔

ابو بکر و عمر و عثمان و علی
 قلت فمعاویہ قال لم یکن احد احق
 بالخلافة فی زمان علی من علی۔
 (صواعق محرقہ از بیہقی ابن عساکر)

اب آئیے اس بحث کو حضرت امام نووی محرم مذہب شافعی شارح مسلم رحمۃ اللہ علیہ
 واسعتہ کے بیان پر ختم کر دوں۔ صحیح مسلم شریف جلد دوم ص ۲۶۲ پر فرماتے ہیں :-

حضرت عثمان کی خلافت اجماعاً صحیح ہے۔
 وہ ظلماً شہید کیے گئے ان کے قاتل فاسق ہیں
 ان کے قتل میں کوئی صحابی شریک نہیں ہوا
 انہیں کھینے چرواہوں ادھر ادھر کے رذیل اڈ
 نیچے درجے کے لوگوں نے شہید کیا۔ حضرت علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت بھی بالاجماع
 صحیح ہے۔ اپنے عہد میں وہی خلیفہ
 تھے کسی دوسرے کی خلافت
 نہیں تھی۔

اما عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 فخلافة صحیحہ بالاجماع و قتل
 مظلوما و قتلہ فسقہ ولم یشارك
 فی قتلہ احد من الصحابة و انما قتلہ
 همج و رعاء من غوعاً لقبائل و
 سفلة الاطراف والارذال و اما علی
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ فخلافة صحیحہ
 بالاجماع و کان هو الخلیفة فی
 وقته لا خلافة لغيره۔

امروہوی صاحب نے اپنی کتاب میں اس پر بہت زور باندھا ہے کہ یزید پلید

فتح سنت، متدین، زاہد، عابد و کبار تابعین میں تھا۔ بڑا مدبر، بیدار مغز اور مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ اس کی طرف نسق و فحور، کفر و الحاد کے بارے میں جتنی روایتیں ہیں سب وضعی ہیں۔ امر دہوی صاحب یزید کی محبت میں اس درجہ خود رفتہ ہیں کہ انہیں احادیث صحیحہ اور کبار صحابہ اور تابعین کے ارشادات تک نظر نہیں آتے۔ آپ نے تحریر کیا ہے کہ "یزید کے معاصرین میں صرف عبداللہ بن زبیر اسے بُرا بھلا کہتے تھے مگر وہ خود آنکھ سے دیکھتے نہیں تھے لہذا ان کی بات قابل اعتبار نہیں۔ لیکن اس کے برخلاف تیرہ سو برس کے بعد یزید کے فضل و کمال کو اس طرح بیان کرتے ہیں گویا آپ یزید کے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے۔ آپ نے اپنی ساری تحقیقات کی بنیاد اس پر قائم کی ہے کہ سوانے ابن عمیر اور ابن خلدون کے سارے مؤرخین روایت پرست تھے۔ تحقیق و جستجو سے انہیں کوئی غرض نہیں تھی۔ اندھا دھند جو کچھ سنا نقل کر دیا۔ سب سے پہلا محقق ابن خلدون سے اور دوسرے آپ جیسے فنکار، اسی بنا پر آپ نے جگہ جگہ ابن خلدون کو سراہا ہے اور امام ابن جریر طبری جیسے جلیل القدر مسلم الثبوت امام کو شیعہ کہہ کر ناقابل اعتبار کر دیا۔ طبری اتنے پایہ کے امام ہیں کہ ابن خزیمہ محدث کہتے ہیں کہ دنیا میں کسی کو ان سے بڑھ کر عالم نہیں جانتا۔ ان بعضوں نے یہ الزام رکھا ہے کہ یہ شیعوں کے لیے حدیثیں وضع کرتے تھے اس کا جواب علامہ ذہبی جیسے فن رجال نے ان زور دار الفاظ میں دیا ہے۔

هذا رجم باطن الكاذب بل ابن جریر
من كبار الائمة الاسلام المعتمدین - اماموں سے ایک امام کبیر ہیں۔

انتہایہ ہے کہ موجودہ صدی کے مشہور مؤرخ جناب شبلی اعظم گڑھی کو سیرت النبی کے مقدمہ میں طبری کے بارے میں لکھنا پڑا۔ تاریخی سلسلہ میں سب سے جامع اور مفصل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے۔ طبری اس درجہ کے شخص ہیں کہ تمام محدثین ان کے فضل و کمال و ثناء اور وسعت علم کے معترف ہیں لیکن بُرا ہو جو شش تعصب کا کہ جملہ ائمہ محدثین کی معتد علیہ ذات کے بارے میں امر دہوی صاحب کی رائے یہ ہے کہ وہ بالکل ہی غیر معتبر اور ناقابل قبول ہیں یقیناً امام طبری کا یہ کارنامہ کہ انہوں نے امر دہوی صاحب کے لائق امیر

کے کرتوتوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یزیدیوں کے نزدیک جرم نامحشودہ ہے۔ رہ گیا ابن خلدون تو چونکہ ان کے یہاں نیچر یا نہ اسباب پرستی پر بہت زور ہے لہذا اس زمانے کے روحانیت سے محروم تاریخ داں اسے بہت اچھالتے ہیں مگر حقیقت کیا ہے وہ اس سے ظاہر ہے کہ وہ خود فارحیوں کا بھائی معتزلی تھا۔ چنانچہ مولوی عبدالحی لکھنوی اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۲، میں لکھتے ہیں — ”علامہ عبدالرحمن حضرت معتزلی معروف بہ ابن خلدون“

سُبْحَانَ اللَّهِ! کیا خوب تحقیق ہے کہ ابن جریر طبری جیسے امام زماں کی باتیں محض اس بنا پر مردود کہ وہ یزید کے معاصر نہیں تھے شیعہ تھے مگر ان کے صدیوں بعد کے ایک معتزلی کی بات شیر مادر سے تفویض تو اے چرخ گردان تقو!

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ امر دہوی صاحب نے جس کے بیان کو اپنی افتاد طبع کے مطابق پایا اسے محقق، مدقّق اور صحیح العقیدہ مانا اور جس کی بات اپنے رجحان طبع کے خلاف پائی اسے بد مذہب اور سطحی نظر والا کہہ دیا۔ یہی وہ تحقیق ہے، یہی وہ ریسرچ ہے جس کا ڈھنڈورا پیٹا جا رہا ہے۔ یزید پلید کے بارے میں جو احادیث وارد ہیں پہلے انہیں سنیں۔ پھر اس کے کرتوت دیکھیں۔ پھر امت کا فیصلہ۔

حدیث اول: امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔

هَلَكَةُ امْتِي عَلَى بَيْدَى غَلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ ذَكَرَ مِرْوَانَ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ غَلْمَةٌ فَقَالَ ابُو هُرَيْرَةَ لَوْ شِئْتُ انْ اَقُولُ بِنِي فَلَانَ بِنِي فَلَانَ لَفَعَلْتُ فَكَنتُ اَخْرَجَ مَعَ جَدِي الِى بِنِي مِرْوَانَ حِينَ مَا مَلَكُوا بِالشَّامِ فَاذْ اَرَاهُمْ غُلَمَانًا اَحَدًا نَا قَالَ لَنَا عَسَى هُوَ لَابِ السُّنَنِ يَكُونُونَ مِنْهُمْ قَلْنَا اَنْتَ اَعْلَمُ -

میری امت کی ہلاکت قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ عمرو بن کحیی نے فرمایا کہ ان پر خدا کی لعنت ہو۔ مردان لونڈا ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو کہ میں بتا دوں کہ وہ فلاں بنی فلاں بنی فلاں ہیں تو میں بتا سکتا ہوں عمرو بن کحیی فرماتے ہیں کہ میں شام اپنے دادا کے ساتھ جاتا تھا۔ میں نے انہیں نوخیز چھوکر دیکھے یہ انہیں میں ہوں گے۔ شاگردوں

نے کہا آپ خوب جانتے ہیں۔

امروہوی صاحب کان کھول کر نہیں۔ یہ ابو مخنف کی روایت نہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ سب کا نام لے کر بتا سکتا ہوں اور انہوں نے اشاروں سے بتا بھی دیا کہ وہ کون ہیں۔

حدیث چہارم دیکھیں۔ آپ کے حضرت مروان بن حکم کو عمرو بن کعبی جیسے جلیل القدر محدث تابعی فرماتے ہیں کہ۔ مروان انہیں ملعونین میں ہے اور آپ کے محمد وعین بنی امیہ کو اس حدیث کا مصداق ٹھہراتے ہیں بنی مروان نے امت میں جتنی تباہی مچائی ہے وہ سب تقلید ہے۔ آپ کے لائق امیر زید کی اس لیے یہ کبھی ممکن نہیں کہ اس حدیث کے مصداق یہ ظالمین تو ہوں اور ان کا پیش رو نہ ہو اگر میرا یہ قیاس آپ کو نہ بھاتا ہو تو آئیے شارحین کے ارشادات جلیلہ سنئے۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں۔

احادیث یعنی جوان ہوں گے ان کا پہلا
یزید علیہ ما استحق ہے اور یہ عموماً بوڑھوں
کو شہروں کی امارت سے اتارتا تھا۔ اپنے
کم عمر رشتہ داروں کو والی بناتا تھا۔

قوله احداثا ای شبانا دادلہم
یزید علیہ ما استحق وكان غالباً یزوع
الشیوخ من امارۃ البدان الکبار و
یولیہا الا صاعر من اقادیرہ۔

(حاشیہ بخاری ص ۱۲۶)

ملا علی قاری مرتبہ میں فرماتے ہیں :-

غلمہ سے مراد وہ نوجوان ہیں جو کمال عقل کے
مرتبہ تک نہیں پہنچے ہیں اور وہ نوعمر جو
وقار والوں کی پرواہ نہیں کرتے ظاہر ہے کہ
وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور حضرت علی و
حضرت امام حسین سے لڑے۔ مظہر نے فرمایا
کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو خلفاً
راشدین کے بعد جیسے یزید اور

قوله علی یدی غلمۃ ای علی ایدی
شبان الذین ما وصلوا الی مرتبہ
کمال العقل واحداث السن الذین لا
مبالاة لہم باصحاب الوقار و
الظاہران المراد ما وقع بین عثمان
وقتلہ و بین علی والحسین ومن قاتلہم
قال المظہر لعلہ ارید بہم الذین کانو
بعد الخلفاء الراشدین مثل یزید و

عبدالملک بن مروان وغیرہ۔

عبدالملک بن مروان وغیرہما۔

دیکھئے سارے شارحین اسی پر متفق ہیں کہ غلمتہ قریش میں یزید ضرور داخل ہے۔

حدیث سوم: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور رحمۃ اللعالمین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:-

لو گوستر سال کی ابتداء اور چھو کروں کے امیر ہونے سے خدا کی پناہ مانگو۔

تعوذ وباللہ من راس السبعین

وامارة الصبیان۔ (مشکوٰۃ ص ۲۲۳ جلد ۲)

امارة الصبیان کی شرح میں ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں:-

امارة الصبیان سے جاہل چھو کروں کی حکومت

ای من حکومت الصغاد الجہال

مرا ہے جیسے یزید بن معاویہ اور حکم بن مروان کی

کین مدین معاویہ و اولاد حکم بن

اولاد اور ان کے مثل ایک روایت ہے کہ

مروان و امثالہم قیل راہم النبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں انہیں اپنے

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مناہہ

منبر پر کھیل کود کرتے ملاحظہ فرمایا ہے۔

یلعبون علی منبرہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

منبر پر کھیلنے والی حدیث کو خاتم الحافظ علامہ اجل سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں

بھی روایت فرمائی ہے۔

حدیث چہارم: صواعق محرقة میں علامہ ابن حجر مکی ناقل ہیں۔

یزید کے بارے میں مذکور بالا باتیں جو حضور

وکان مع ابی ہریرۃ رضی اللہ

اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتائی ہیں اس کا

تعالیٰ عنہ علم من النبی صلی اللہ تعالیٰ

علم حضور کے بتانے سے حضرت ابو ہریرہ کو بھٹکا

علیہ وسلم بما من عنہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وہ دعا فرمایا کرتے۔ اے اللہ! سنہ کی ابتدا

وسلم فی یزید فانہ کان یدعوا للہم

اور چھو کروں کی بادشاہت سے تیری پناہ چاہتا

انی اعوذ بک من راس الستین وامارة

ہوں۔ اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ یہ سنہ

الصبیان فاستجاب اللہ لہ فتوفاه سنۃ

میں فوت ہو گئے۔ امیر معاویہ کا انتقال اور یزید

تسع واربعین وکانت وفاة معاویہ و

کی حکومت سنہ ۴۰ میں ہوئی۔

ولایتہ ابنہ سنۃ ستین۔

”هلكتہ امتی علی یدی علمہ قریش“ کے ذیل میں گزرا کہ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا تھا کہ اگر کو تو میں فلاں بن فلاں کا نام بتا سکتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہ نے کھلے بندوں تو نام نہیں لیا مگر سنیہ کی ابتداء اور چھوڑوں کی امارت سے پناہ مانگ کر نہایت جلی غیر مبہم اشارہ فرمادیا کہ اس سنیہ میں جو امارت قائم ہوگی اس سے پناہ مانگتا ہوں اور وہ یزید کی حکومت تھی۔ لہذا ثابت ہو گیا کہ امت کو برباد کرنے والے چھوڑوں کا سرکردہ یزید ہے ان احادیث کو نقل فرما کر شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

”اشارت بزبان یزید بے دولت کرد کہ ہم درساں ستین برسیر شقاوت نشست

واقعہ حرہ در زبان شقاوت نشان او وقوع یافت“ (مذب القلوب ص ۳۳)

حدیث پنجم : علامہ اجل سیوطی تاریخ الخلفاء میں اور امام ابن حجر مکی صواعق محرقة

میں شیخ محمد صبغان اسعات الراغبین میں مسند ابو یعلیٰ سے راوی۔

لا يزال امر امتی قائماً بالقسط
میری امت کا معاملہ برابر درست رہے گا
حنی یكون اول من يتلمه رجل من
یہاں تک کہ پہلا ہی شخص اس میں رخنہ اندازی
بنی امیہ یقال له یزید۔
کرے گا۔ وہ بنی امیہ کا ایک فرد یزید ہوگا۔

علامہ ابن حجر تطہیر الجنان میں اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں۔

رجالہ رجال الصیح الا ان
اس کے راوی صحیح راوی ہیں صرف

فیه النطاقاً۔
اس میں النطاق ہے۔

حدیث ششم : یہی حضرات اپنی اپنی کتابوں میں بحوالہ مسند دو بانی حضرت ابو درداء

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، وہ فرماتے ہیں۔

سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا
علیہ وسلم اول من یبدل سنتی رجل
سے کہ پہلا شخص جو میری سنت بدلے گا بنی امیہ
من بنی امیہ یقال له یزید۔
کا ایک شخص ہوگا جس کا نام یزید ہے۔

ان احادیث میں اگرچہ بعض ضعیف ہیں مگر ان کو دوسری روایات اور تعلق علماء سے تقویت

ہے لہذا قابلِ محبت ہیں۔

امروہوی صاحب کے لائق زاہد امیر کے بارے میں خود نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سن چکے آئیے خود نبی امیہ کے ایک سرد کی رائے سنئے۔

صواعق محرقة اور تاریخ الخلفاء میں نوفل بن فرات سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔

کنت عند عمر بن عبد العزیز
فذكر رجل يذيد قال امير المؤمنين يزيد
بن معاوية فقال تقول امير المؤمنين
فامر به فضرب عشير بن سوطا۔
(صواعق محرقة وتاريخ الخلفاء)

میں عمر بن عبد العزیز کی بارگاہ میں تھا ایک شخص
نے یزید کا ذکر کیا۔ اسے امیر المؤمنین کہہ دیا۔
حضرت عمر بن عبد العزیز نے اسے ڈانٹا اور کہا
امیر المؤمنین کہتا ہے، حکم دیا اسے۔ بیس
کوڑے مارے گئے۔

یزید کے معاصرین میں عبد اللہ بن حنظلہ غسیل ملائکہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں وہ فرماتے ہیں۔
والله ما خرجنا على يزيد حتى خفنا
ان نرمى بالحجارة من السماء انه
رجل ينكح امهات الاولاد والبنات
والاخواف ويشرب الخمر ويندع الصلوة۔
(الصواعق محرقة ص ۱۳۳۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۴۶)

ہم نے یزید کی بیعت اس وقت تک نہیں
توڑی جب تک ہمیں یہ خوف نہ ہوا کہ
سنگ سار نہ کر دیئے جائیں۔ وہ شراب پیتا
تھا اور نمازیں ترک کرتا تھا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ابن جوزی سے ناقل ہیں کہ :-

۵۶۲ھ میں یزید پلپید نے عثمان بن محمد بن ابوسفیان کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں کے
لوگوں سے بیعت لے عثمان نے اہل مدینہ کی ایک جماعت یزید پلپید کے پاس بھیجی
یزید کے پاس سے جب یہ جماعت پلٹی تو یزید کی برائیاں کھلے بندوں کرنے لگی۔
اس کی بے دینی، شراب خوری، مناسی و ملاہی کا ارتکاب، کتے بازی اور دیگر
برائیوں کو واشگاف کرنے لگی۔ ان سے یہ حالات سن کر باقی اہل مدینہ بھی یزید
کی بیعت و اطاعت سے بیزار ہو گئے۔ اس جماعت میں ابن منذر بھی تھے وہ

کہتے تھے۔ بخدا یزید مجھے ایک لاکھ درہم دیتا تھا لیکن میں نے سچائی چھوڑ کر ان کے سامنے سر نہ جھکایا، وہ شراب خور اور تارک الصلوٰۃ ہے نیز یہی شیخ ابن جوزی سے وہ اور ابو الحسن مذاہبی سے نقل فرماتے ہیں۔

یزید پلید کے فسق و فساد کے دلائل ظاہر ہونے کے بعد اہل مدینہ منبر پر آنے اور اس کی بیعت توڑ دی۔ عبداللہ بن عمر و بن حفص مخزومی نے اپنا علمامہ سر سے اتار کر کہا اگرچہ یزید مجھے انعام و اکرام دیتا ہے مگر وہ دشمن خدا دم اسکر ہے۔ میں نے اس کی بیعت توڑی۔ اتنے زور و شور کے ساتھ بیعت توڑنے کا مظاہرہ ہوا کہ مجلس دستاروں اور جوتوں سے بھر گئی۔

امروہوی صاحب ابن منذر اور ان کے ہمراہی ابو مخنف سے سن کے تو نہیں فرما رہے ہیں یہ تو یزید کے معاصر اور اس کے حالات کے چشم دید گواہ ہیں۔ دیکھئے یہ آپ کے لائق زاہد امیر کے بارے میں کیا بتا رہے ہیں۔ یزید پلید کے زہد و ورع، علم و فضل کا خطبہ پڑھنے والے امروہوی صاحب یزید کے کارنامے نہیں۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی جذب القلوب میں فرماتے ہیں۔ حضرت امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سب سے شیخ اذ قلع جو واقعہ یزید پلید بن معاویہ کے زمانے میں رونما ہوا واقعہ حرہ ہے اس کو حرہ واقعہ اور حرہ زہرہ بھی کہتے ہیں جس زمانہ میں مدینہ طیبہ آبادی و رونق میں مرتبہ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ بقیہ صحابہ اور انصار و مہاجرین و علماء کبار تابعین سے مالا مال تھا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کو شامیوں کے لشکر عظیم کے ساتھ اہل مدینہ سے لڑنے کے لیے بھیجا۔ یزید نے حکم دیا کہ اگر وہ لوگ میری اطاعت کر لیں تو فہار نہ جنگ کروستج کے بعد تین دن تک مدینہ ہمارے لیے مباح ہے مسلم بن عقبہ آیا۔ مقام حرہ پر پڑا و ڈالا۔ اہل مدینہ تاب مقابلہ

نہ دیکھ کر خندق کھود کر محصور ہو گئے۔ دامر وہوی صاحب کے صحابی مروان کی وسیع کاروائیوں کی بدولت، یزیدی مدینہ میں گھس آئے۔ پہلے پہل حرم نبوی کے پناہ گزینوں نے بڑی شد و مد کے ساتھ مدافعت کی مگر تابہ کے عبداللہ بن مطیع رئیس قریش مع اپنے سات فرزندوں کے شہید ہو گئے۔ آخر میں شامی درندے اس حرم پاک میں گھس پڑے۔ نہایت بیدردی کے ساتھ قتل عام کیا۔ ایک ہزار سات سو ہاجرین و انصار صحابہ کرام اور کبار علمائے تابعین کو، سات سو حفاظ کو اور دو ہزار ان کے علاوہ عوام ان اس کو ذبح کیا۔ نہ بچے بوڑھے، نہ مرد نہ عورتیں، مال و متاع جو کچھ ملا سب لوٹا۔ ہزاروں دوشیزگان حرم مصطفیٰ کی عصمت دری کی۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑائے۔ روضہ جنت میں گھوڑے باندھے۔ گھوڑوں کی لید و پیشاب سے اسے ناپاک کیا۔ تین دن تک اہل مدینہ کو یہ جرات نہ ہو سکی کہ مسجد نبوی میں جا کر نماز و اذان ادا کرے اور نہ ان یزیدی درندوں کو اس کی توفیق ہو سکی۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک نوح لی گئی۔ تکاد السموت یبقطرون و تنشق الارض تنخر الجبال ہذا۔ قریب ہے کہ آسمان ٹوٹ پڑے زمین پھٹ پڑے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ جان اس کی بچی جس نے ان الفاظ میں یزید کی بیعت کی۔

ثم دعا الی بعة یزید وانہم
اعبد له فی طاعة اللہ ومعصیة
فاجابہ الا واحد امن قریش
فقتل۔ (تطییر الجنان ص ۱۳۴)

مدینہ تین دن لوٹنے کے بعد یزید کی اس
بیعت کی دعوت دی کہ یہ لوگ یزید کے غلام
ہیں اللہ عزوجل کی اطاعت و معصیت
میں ہے ان درندوں کے ظلم و ستم سے

مردوب ہو کر سب نے یہ بیعت کر لی۔ ایک قریشی نے نہیں کی تو اسے قتل کر دیا گیا۔ سعید بن مسیب کو کبار تابعین اور قرار سبہ میں ہیں پھر ان سے یزید کی بیعت یعنی چاہی انہوں نے فرمایا حضرت ابوبکر و عمر کی سیرت پر بیعت کرتا ہوں۔

ابن عقبہ نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے ان کے جنون کی گواہی دی جب کہیں جا کر ان کی جان بچی۔ پھر یزید کے حکم کے بموجب یزیدی لشکر مکہ معظمہ پر حملہ آور ہوا اس ارض پاک کا جس کے جنگلی جانور کو اٹھا کر اس کی جگہ سایہ میں نہیں بیٹھ سکتے محاصرہ کر لیا۔ آتش بازی کر کے کعبۃ اللہ کے پردہ اور چھت کو جلا دیا۔ فدیر اسماعیل کے سینک جل گئے اسی اثناء میں ان سارے مظالم کے بانی مبنی یزید کو اپنے کیفر کردار تک پہنچنے کا وقت آگیا اور وہ اپنے ٹھکانے گیا۔

اب آئیے علماء رباعہ کے فیصلے یزید کے بارے میں سنئے۔ باپ کے احوال کو بیٹے سے زیادہ تیرہ صدی کے بعد والا نہیں جان سکتا۔ معاویہ بن یزید کو جب اس پلید کے تخت پر بٹھایا گیا تو انہوں نے جو خطبہ دیا وہ بغیر ابو مخنف کی وساطت کے تو تاریخ کی کتابوں میں یوں مروج ہے۔

پھر میرے باپ کو حکومت دی گئی وہ نالائق تھا۔ تو اسے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لڑا۔ اس کی عمر کم کر دی گئی وہ اپنی قبر میں گناہوں کے وبال میں گرفتار ہو گیا۔ پھر رو یا او کہا ہم پر سب سے زیادہ گراں اس کی بُری موت اور بُرا ٹھکانا ہے۔ اس نے عمرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کیا۔ شراب حلال کی اور کعبہ کو برباد کیا۔

ثم قلد ابی الامر وکان غیر اهل له ونازع ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقست عمره وانثر عقبه وصاد فی قبره وھینا بذنوبه ثم بکی وقال ان من اعظم الامور علینا علمنا لیسو مضرعه وبتس تقلیه وقد قتل عتره رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم وایاح الخمر و حزب الکعبه۔ (صواعق ص ۱۳۳)

امام الاولیاء کرام سیدنا العظیم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-
 ما ادراک ما وقعتہ العرة ذکرنا الحسن... فقال واللہ ما کاد ینجو منهم واحد قتل فیہا خلق من الصحابة ومن تمیں پتہ ہے واقعہ حرا کیا ہے۔ واللہ بہت کم اہل مدینہ اس سے بچے۔ صحابہ کرام اور ان کے علاوہ ایک خلق کثیر مقتول ہوئی۔

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ -

غَيْرِهِمْ فَإِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ -

(صواعق ص ۱۳۲ تاریخ الخلفاء ص ۱۳۶)

امام ذہبی فرماتے ہیں :-

یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا جو کچھ کیا۔
باوجود شراب پینے منکرات کا ارتکاب کرنے
سے لوگ اس کے خلاف ہو گئے اور اس کی
بیعت مہتوں نے توڑ دی۔

لَمَا فَعَلَ يَزِيدٌ بِالْأَهْلِ الْمَدِينَةِ
مَا فَعَلَ مَعَ شَرِبِ الْخَمْرِ أَيَّانَهُ الْمُنْكَرَاتِ
اشْتَدَّ عَلَيْهِ النَّاسُ وَخَرَجَ عَلَيْهِ غَيْرَ
وَاحِدًا (أَيْضًا)

یہی وجہ ہے کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابن جوزی وغیرہ اس پر لعنت کو
جائز قرار دیتے ہیں چنانچہ ابن سبیط جوزی نے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی ہے جس کا
نام الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید ہے۔ صواعق ص ۱۳۲ شیخ احمد صبان اسعاف
الراغبین میں تحریر کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل نے یزید کو کافر کہا اپنے علم و
دراغ کے اعتبار سے وہ کافی ہیں ان کے علم و
دراغ اس بات کے مستقنی ہیں کہ یزید کو کافر اس
وقت کہا ہوگا جبکہ صریح موجب کفر باتیں اس
سے واقع ہوئی ہوں گی۔ ایک جماعت کا جن میں
ابن جوزی وغیرہ ہیں یہی فتویٰ ہے یزید کے
فسق پر اجماع ہے۔ بہت سے علماء کرام نے
یزید کا نام لے کر اسے لعنت کرنے کو جائز رکھا
ہے۔ امام احمد سے بھی یہی مروی ہے ابن جوزی
نے بتایا کہ قاضی ابو یعلیٰ نے مستحقین لعنت
کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے اس میں
یزید کا بھی نام ذکر کیا ہے۔

قال الامام احمد بكفره وناهيك
به ورعا وعلما تقتضيان انه لم يقل
ذالك الا لما ثبت عند امر ربيعة
وفعت منه توجب ذالك ووافعه
على ذالك جماعة كان الجوزي وغيره
واما فسقه فتد اجمعوا عليه واجاز
قوم من العلماء لعنه بخصوص
اسمه وردى ذالك عن الامام
احمد قال ابن الجوزي صنف القاضي
ابو يعلى كتابا فيه من يستحق اللعنه و
ذكر منهم يزيد -

(ص ۱۴۵)

جب حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کو کافر کہا۔ اس پر لعنت کرنے کو جائز فرمایا تو اس سے امر و ہوی صاحب کی اس تحقیق کی قلعی کھل گئی جو انہوں نے امام موصوف کے حوالے سے اس کے صاحب ورع کے بارے میں کی ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح عقائد میں جو درس نظامی کی مشہور و معروف کتاب ہے فرماتے ہیں۔

والحق ان رضا یزید یقتل الحسین
واستبشارہ بذالک و اہانۃ اہل النبی
علیہ السلام مما نواتر معنا و ان کان
تفاصیلہ آحاداً فمحن لا تنوقت فی شانہ
بل فی ایمانہ لعنة اللہ علیہ و علی انصارہ
و اعوانہ۔ (صفحہ ۱۱۰)

حق تو یہ ہے کہ یزید کی رضا قتل حسین پر اور
اس کا اس پر خوش ہونا اہل بیت نبوت کی توہین
کرنا متواتر المعنی اگرچہ اس کی تفصیل آما د ہے
بس ہم اس کے معاملہ میں توقف نہیں کرتے بلکہ
اس کے ایمان میں (وہ یقیناً کافر ہے) اس پر
اس کے اعوان و انصار پر اللہ کی لعنت ہو۔

اگرچہ علماء محتاطین نے یزید کے معاملہ میں سکوت فرمایا ہے کہ کفر کے لیے جس درجہ کا ثبوت
درکار ہے وہ نہیں ہے یہی ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اور ہم بھی اسے کافر
کہنے سے سکوت کرتے ہیں لیکن عرض یہ ہے کہ جس بد نصیب کے بارے میں اتنے جلیل القدر
آئمہ اور علماء کفر کا فتویٰ دیں، اسے لائق فائق، زاہد وہی کہے گا جو دینی امور سے غافل و
نااہل ہوگا۔ امر و ہوی صاحب نے ام حرام بنت سلمان کی حدیث سے یزید کے فضل و کمال
کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ یہ کہ قسطنطنیہ پر پہلے آوروں کے لیے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وآلہ وسلم نے مغفرت کی بشارت دی ہے یہ حملہ یزید کی سرکردگی میں ہوا لہذا نیزہ یزید بھی
اس کا ہے۔ چونکہ حدیث میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو اس بات پر دلالت کرے کہ یہ
بشارت ہر فرد کے لیے ہے۔ لہذا انہوں نے طرح طرح کی حکایتیں کہی ہیں۔ علامہ
ابن حجر۔ بارے میں یہ لکھا ہے۔

علامہ ابن حجر نے فتح الباری شرح بخاری میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ یہ حدیث
حضرت معاویہ اور ان کے فرزند امیر یزید کی منقبت میں ہے۔ محدث المہلب

کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال المهلب في هذا الحديث
منقبة معاوية لانه اول من غز
البحر ومنقبة لولده لانه اول من
غزا مدينه قيص۔

اس حدیث کے بارے میں (محدث المہلب) نے فرمایا کہ یہ حدیث منقبت میں ہے حضرت امیر معاویہ کے کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے بحری جہاد کیا اور منقبت میں ہے ان کے

فرزند (امیر یزید کے) کہ انہوں نے ہی سب سے پہلے مدینہ قیسر قسطنطنیہ پر جہاد کیا (ص ۱۲)

پہلی خیانت اس عبارت میں یہ ہے کہ اس حدیث سے حضرت معاویہ اور ان کے تاحلت بیٹے یزید دونوں کی منقبت ثابت کرنے کی نسبت سید الحافظ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے حالانکہ یہ غلط ہے۔ علامہ ابن حجر نے مہلب کا یہ قیاس نقل کر کے اسے رد فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علامہ موصوف یزید کو لائق مغفرت نہیں مانتے۔ بخاری کے حاشیہ پر وہیں موصول ہے۔

مہلب کے قیاس کو ابن تبین اور ابن المنیر نے یوں رد کیا کہ عموم کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ دلیل خاص سے کوئی نکل نہ سکے اس لیے کہ حضور کا ارشاد "مغفور لہم" اس چیز کے ساتھ مشروط ہے کہ اہل لشکر مغفرت کے اہل ہوں گے اگر کوئی غازیوں میں سے اس کے بعد مرتد ہو جائے تو وہ اس بشارت کے عموم میں ہرگز داخل نہیں ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ "مغفور لہم" کی بشارت انہیں کو شامل ہے جس میں مغفرت کی اہلیت ہے۔

وتعقبه ابن التبن و ابن المنیر
بما حاصلہ انہ لا یلزم من دخلوہ
فی ذالک العموم انہ لا یخرج احد
بدلیل خاص اذ لا یختلف اهل العزائم
قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم
مغفور لہم مشروط بان یکونوا من
اهل المغفرة حتی لو ارتد احد
من غزا بعد ذالک لم یدخل فی
ذالک العموم اتفاقا فدل علی ان
المراد مغفور لہم لمن وجد مشروط
المغفرة فیہ منہم۔

اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ مغفور لہم کی بشارت انہیں لوگوں کو شامل ہے

جو لشکر کشی کے وقت مسلمان رہے ہوں اور آخر دم تک ایمان پر ثابت رہے ہوں۔ اگر کوئی اس جنگ کے وقت مسلمان تھا بعد میں کافر ہو گیا تو با اتفاق علماء اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اگر غزوہ کے بعد کوئی ایسا امر پایا گیا جو منافی مغفرت ہو تو وہ محروم رہ جائے گا اور ہم اور پر ثابت کر آئے کہ یزید سے اس غزوہ کے بعد بہت سے ایسے امور سرزد ہوئے جن پر علماء نے کفر کا فتویٰ تک دے دیا ہے لہذا وہ اس بشارت کا مستحق نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز و روزہ اور دیگر اعمالِ صالحہ کے لیے اعلیٰ اعلیٰ جزاؤں کا بیان ہے کیا جو بھی خواہ بد مذہب، بے دین ہی کیوں نہ ہو نماز پڑھے تو وہ اس اجر کا مستحق ہو جائے گا۔ نہیں ہرگز نہیں۔ اعمال پر اجر کا دار و مدار، ایمان حسن نیت اور مقبولیت پر ہے، ایمان نہیں خالصاً لوجه اللہ نہیں تو وہ قائل کبھی اجر کا مستحق نہ ہوگا اسی طرح اس حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ قسطنطنیہ کے جہاد کا اجر مغفرت ذنوب ہے لیکن یہ اجر ایمانِ خلوص کے بعد ملے گا جس میں دونوں باتیں نہ ہوں وہ یقیناً محروم رہے گا۔

امروہوی صاحب علامہ ابن حجر کی طرف مہلب کا قول منسوب کرنا اور ان کے رد کو نظر انداز کر دینا بھی آپ کے نزدیک تحقیق کا اعلیٰ معیار ہے رد کرنے والوں کو قائل بنانا وہ تحقیق ہے جس کی داد آپ کے اکابر مولوی رشید احمد گنگوہی اور خلیل احمد انبیٹھوی ہی دے سکتے ہیں۔ اسے خلافتِ معاویہ و یزید کے تحقیق بتانے والو! دیکھو یہ ہے تمہارے محقق کی کمال تحقیق ۛ

دوسری خیانت علامہ ابن حجر نے اوجیوا کی شرح میں فرمایا تھا ای فعلوا فعلا وجب لہم بہ الجنة۔ انہوں نے ایسا کام کیا جس کی وجہ سے جنت واجب ہو گئی اس میں سے فعلوا فعلا بضم کر کے صرف وجبت لہم بہ الجنة کو نقل کیا۔ کترہیونت سے بھی جب کام چلتا نظر نہیں آیا تو ترجمہ میں یہ عظیم تحریف کی یعنی ان سب غازیوں کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ وجبت لہم بہ الجنة۔ میں ایسا کوئی لفظ نہیں تھا جو کلیت پر دلالت کرتا ہو لہذا آپ نے ترجمہ میں سب غازیوں کو پچر لگا دی تاکہ مغفور لہم کے ترجمہ میں بھی یہ پچر فٹ ہو جائے۔

اسے دین کے دشمنوں! تم یزید کی یزیدیت پر اپنا دین و ایمان منڈا بیٹھے ہو تو منڈائے رہو! عادیث و قرآن کو کھیل نہ بناؤ مگر کیا کرو گے تم تو پیروان کے ہو جنہیں اللہ جل و علیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے منبر پر اچھلتے کودتے دیکھا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یزید کے بارے میں امت کا اتفاق ہے کہ وہ فاسق و فاجر تھا امام احمد بن حنبل اور ابن جوزی وغیرہ اسے کافر بھی کہتے ہیں۔ اس پر لعنت کو بھی جائز فرماتے ہیں۔ یہ بالکل نلط ہے کہ وہ زاہد و عابد تھا۔ تمام تاریخ چھان ڈالنے اس کے زاہد قناعت کا ایک پہلو نہیں ملے گا۔ اگر تھا تو امر وہوی صاحب نے اسے نقل کیوں نہیں کیا بلکہ خود امر وہوی صاحب کے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ یزید سرگز زاہد نہیں تھا صنف پر بکتے ہیں۔

”حضرت ابو درود جیسے زاہد صحابی سے بہت مانوس تھے۔ ان کی ساجزادی کو نکاح کا پیغام بھی دیا تھا وہ یزید کو پسند کرتے تھے مگر اپنی بیٹی ایسے گھرانہ میں بیابنے کو تیار نہ تھے جہاں کام کام کے لئے خادمہ موجود ہو۔ پھر انہوں نے اپنی بیٹی یزید ہی کے ایک ہم جلیس کے عقد میں دے دی“

امر وہوی صاحب ہمیں سر دست اس سے بحث نہیں کرنا ہے کہ ابو درود یزید کو پسند کرنے تھے یا نہیں۔ یزید ان سے مانوس تھا کہ مرعوب اتنا تو ثابت ہو گیا کہ اس زاہد خدا پرست نے اپنی نورِ نظر کو یزید کے گھر جانے دینا اس لئے نہیں گوارا کیا کہ وہاں کام کاج کے لئے خادمہ تھی۔ کام کاج کے لئے خادمہ کا ہونا زہد کے کس درجہ میں داخل ہے۔ بولیں حضرت ابو الدرداء نے گھر میں خادمہ کے ہونے کو زہد کے منافی جانا یا نہیں گھر میں خادمہ رکھ کے آپ کے لائق فائق امیر زاہدین کے زمرے میں رہے یا نہیں؟ خلافت معاویہ و یزید کا اصل موضوع یہ ہے کہ رسیانہ رسول جگر گوشہ بتول امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاطر و باغی تھے اور یزید پلید اور اس کے لشکر واسے حق پر تھے لیکن اسے ثابت کرنا آسان کام نہیں تھا جیسے مثال ایک قتل چھپانے کے لئے دیسوں قتل کر ڈالتا ہے اسی طرح امر وہوی صاحب کو خالوادہ نبوت کا خون ناحق چھپانے کے۔ یہ سینکڑوں

امت مسلمہ کے مسلمات کو ذبح کرنا پڑا ہے۔ آپ نے بعض آلِ رسول و حسبِ یزید میں وہ جوش و خروش دکھایا ہے جس کی داد ابنِ طہم یا ابنِ زیاد ہی دے سکتا ہے۔

آپ نے پہلے یزید کو زائد و فاضل۔ مدبر سپاہی اور عنانِ ثابِت کیا پھر اس کی خلافت کو حق بنایا۔ پھر امامِ عالی مقام کی خطا ثابِت کی پھر واقعہ شہادت کی سینکڑوں جزئیات کو غلط بتایا۔ حد یہ کہ واقعہ شہادت کو اس طرح بیان کیا جیسے یہ کوئی اتفاقی معمولی سا واقعہ ہو جیسے چلتے چلتے پاؤں تلے چیونٹی مسلی جائے۔ مگر یہ سب اس وقت ثابت نہیں ہو سکتا تھا جب تک کہ ائمہ سیر و تاریخ پر کچھ وزن اچھا لا جائے۔ اس کے لئے آپ نے امام ابنِ جریر طبری کو شیعہ بنایا۔ ابو محنف کو دشمن کذاب کہا۔ ابنِ مندون تک کے تمام ائمہ سیر کو اندھا مقلد بنایا۔ جگہ جگہ روایت کو درایت کو تزیح دی قیاس سے تاریخی واقعات ثابت کئے وغیرہ وغیرہ جب کہیں جا کر ان کے لائق زائد امیر یزید کا دامن ان کے خیال میں خالوارہ رسول کے خونِ ناحق سے صاف ہوا۔

اگر ہم ان تمام باتوں پر انگ انگ سیر حاصل بحث کریں تو اس کے لئے دفتر چاہیے اس لئے ہم ان تمام جزئیات سے قطع نظر کرنے ہوئے صرف اصولی باتوں پر گفتگو کر کے اس بحث کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔

”یزیدِ خلافت کا اہل نہیں تھا“ ہمارے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ یزیدِ فاسق و ناجر تھا جس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔ اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔ خلافتِ نیا رسول ہے۔ خلیفہ وقت کے ہاتھ میں مسلمانوں کا دین بھی ہوتا ہے دنیا بھی ہوتی ہے۔ فاسق کافسق و فجور اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں خدا کا خوف نہیں۔ وہ اپنی ہوس پستی میں حدودِ شریعت کا لحاظ نہیں کرتا اس لئے فاسق کا یہ منصب سوچنے میں دین و ملت کے برباد ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کسی بھی فاسق و ناجر کو یہ منصب سونپنا امامِ عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درست نہیں تھا۔ دوسرے یہ کہ فاسق کو خلیفہ بنانے میں فاسق کی تنظیم ہے اور فاسق کی تنظیم و تکویم ناجائز اور گناہ ہے اس لئے حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یزید کی خلافت درست نہیں تھی۔ علامہ عبد العزیز ناٹلسی

قدس سرہ حدیثہ نمبر ۱۰ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

قال اللہ فانی فی شرح جوہرہ
فی شرط الامامۃ انها خمسۃ الاسلا
والبلوغ والعقل والحریۃ وعدم
لفسوق بمجارحة ولا اعتقاد لان الفاسق
ولا یصلح الاموال دین ولا یوثق باوامرہ
ولواہمیہ والظالم یختل بہ اموال دین
والدنیا فکیف یصلح للولایۃ ومن
الوالی لدفع شرہ الیس یعجیب استرعا
الغنم الذئب رصا لخصا

افانی نے شرح جوہرہ میں فرمایا امامت (کبریٰ)
کی شرطیں پانچ ہیں۔ مسلمان، بالغ، عاقل، آزاد
اعتقاداً عملاً فاسق نہ ہونا۔ اس لئے کہ فاسق
امردین کی صلاحیت نہیں رکھتا اور نہ اس لئے
اوامر و نواہی پر وثوق کیا جاسکتا ہے ظالم سے
دین و دنیا کا امر برباد ہو جائیگا تو کس طرح والی
بنانے کے لائق ہے اس کے شر کو دور کرنے
کے لئے کون والی ہوگا۔ کیا بھڑٹیسے بھڑ
کی چرواہی تعجب انگیز ہے؟

حضرت امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں جو معرکتہ الارا خطبہ دیا تھا اسے ناظرین سُنیں
اور حسداً توفیق دے تو حق قبول کریں۔

ان الحسین خطب اصحابہ واصحاب
الحرب بالبیضۃ فحمد اللہ واثنی علیہ
ثم قال ایہا الناس ان رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قتال من رای
سلطانا حیاً مستحلاً معصراً اللہ
ناکثاً بعہد اللہ مخالفاً لسنة رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ليعمل
فی عباد اللہ بالاثم والعدوان
فلم یعر علیہ یفعل ولا قول کان
حقاً علی اللہ ان یدخلہ مدخلہ
الان هؤلاء قد لزموا طاعة الشیطان

امام عالی مقام نے مقام بیضہ میں اپنے اور
حُر کے ساتھیوں کو خطبہ دیا۔ اللہ کی حمد و ثنا کی
پھر فرمایا۔ اے لوگو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم نے فرمایا ہے جس نے ایسے بادشاہ
کو دیکھا جو ظالم ہو۔ اللہ کی حرام کی ہوتی چیزوں
کو حلال کرتا ہو۔ عہد الہی توڑتا ہو۔ سنت رسول
کی مخالفت کرتا ہو۔ اللہ کے بندوں میں ظلم
و تعدی کے ساتھ حکومت کرتا ہو اور دیکھنے
والوں کو اس پر قولاً یا عملاً غیرت نہیں آئی تو خدا
کو یہ حق ہے کہ اس بادشاہ کی جگہ (دوسرا) میں
اس (مدہن) کو ڈال دے۔ میں تمہیں آگاہ کرتا

وتركوا طاعة الرحمن واطهرو الفساد
عطلوا الحدود واستاثروا بالفسق و
حلوا حرام الله وحرّموا حلال الله
وانا احق من غير-

ہوں ان لوگوں (یزید اور یزیدوں) نے شیطان
کی اطاعت کی رحمن کی اطاعت چھوڑ دی فساد
مچایا۔ حدود الہی کو بیکار کر دیا۔ مال غنیمت میں
اپنا حصہ زیادہ لیا۔ حرام کو حلال اور حلال کو
حرام کیا میں غیرت کرنے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ صدقت یا سیدی جزاک اللہ عنی
وعن جمیع المسلمین خیر الجزائر۔

یہ خطبہ اگرچہ ابو محنف سے مروی ہے لیکن ابو محنف وضا کذاب غیر متشد نہیں ہیں اگر
امروہوی صاحب یا ان کے حواریں ابو محنف پر کبھی جرح کی زحمت گوارا نہ کریں گے تو
انشاء اللہ المولیٰ تعالیٰ ہم بھی آگے نہ بڑھیں گے۔

دوسری بات یہ کہ امام نے اس خطبہ میں جو حدیث پڑھی ہے اس کی تائید دوسری
متفق صحیح حدیثوں سے ہوتی ہے اس لئے اس کے موضوع جاننے کی کوئی وجہ نہیں۔ امام
نے اس خطبہ میں یزیدوں کے ایک ایک کرتوت کو مجمع عام میں بیان فرمایا مگر کسی کو ان
باتوں کی تردید کی جرأت نہیں ہوئی جس سے ثابت ہو گیا۔ حرام کو حلال کرنا حلال کو حرام
کرنا۔ حدود الہی کو معطل کرنا۔ مال غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لینا۔ مخضریہ کہ شیطان کی
اطاعت کرنا یزید اور یزیدوں کا شعار ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں حدیث کو سامنے
رکھتے کیا اس حدیث کے سامنے ہوتے ہوئے ابن شیر خدا چپکے سے یزید کے
ہاتھوں میں ہاتھ دیتے؟ یہی وہ رمز ہے جسے خواجہ خواجگان سلطان الہند خواجہ

غریب نواز نے اپنی مشہور رباعی میں ظاہر فرمایا ہے۔

شاہ ست حسین بادشاہ ست حسین دین ست حسین دین پناہ ست حسین
سردار نہ داد دست در دست یزید حقت کہ بناؤ کا اللہ ست حسین

ایسے جابر اور ناسق بادشاہ کی عادت بد کی تغیر کے دو طریقے تھے۔ ایک قول
سے ایک فعل سے۔ دیگر صحابہ کرام نے قول سے کیا۔ امام عالی مقام نے فعل سے کیا۔ فعل
سے کرنا افضل تھا۔ نواسہ رسول کے شایان شان افضل پر عمل کرنا تھا وہی انہوں نے کیا۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یزید کے جو حالات امام عالی مقام کے علم میں تھے اس کے پیش نظر نہ اس کی خلافت درست تھی اور نہ فرمان رسول کے پیش نظر امام کو خاموش رہنا ممکن تھا تو امام نے جو کچھ کیا حق کیا۔ یزیدیوں نے امام کے خلاف جو کچھ کیا وہ سب ظلم و عدوان تھا۔ آئیے اب احادیث کریمہ سے امام عالی مقام کا حق پر ہونا ثابت کریں

حدیث اول مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۵ پر سلمیٰ سے مروی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں حضرت ام سلمہ کے پاس حاضر ہوئی انہیں روتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔ آپ کیوں روتے ہیں انہوں نے ارشاد فرمایا۔

رأيت رسول الله صلى الله
تعالى عليه وسلم تعى في المنام وعلى
رأسه ولحيته ثواب فقلت مالك
يا رسول الله قال شهدت قتل الحسين
آلفا۔

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب
میں دیکھا کہ سر اقدس اور ریش مبارک گرد آلود
ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول کیا بات
ہے ارشاد فرمایا ابھی حسین کے مقتل میں
تشریف فرما تھا۔

حدیث دوم حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں

مرأيت النبي صلى الله تعالى عليه
وسلم فيما برى النائم ذات يوم بنصف
النهار اشعث اغبر بيده تاروة
فيماد فقلت بابي انت اهي ما هذا
قال هذا دم الحسين واصحابه
ولم ازل التقطه منذ اليوم فاحصى
ذلك الوقت فاجد قتل ذلك الوقت
ايضا ص ۵

میں نے ایک دن خواب میں حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا۔ دوپہر کو وقت
زلفق مبارک منتشر چہرہ انور پر گرد ہے
دست مبارک میں ایک شیشی ہے جس میں
خون ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرے
ماں باپ فدا ہوں۔ یہ کیا ہے؟ ارشاد فرمایا
یہ حسین اور ان کے ساتھیوں کا خون ہے
جسے آج جمع کرتا رہا ہوں۔ ابن عباس کہتے ہیں

میں نے یہ وقت خیال میں رکھا۔ حضرت حسین اسی وقت شہید ہوئے
حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقتل میں تشریف لانا، خون کے قطروں کا

جمع فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ امام اور اصحاب امام کا ہر قطرہ خون حمایت حق و باطل میں بہسا تھا اور اگر یزیدی حق پہ ہوتے تو اس نوازش کے مستحق وہ تھے نہ کہ امام اگر آپ کہیں کہ نواسے تھے اس رشتہ سے تشریف لائے تھے تو عرض ہے کہ اللہ کے نبی کی یشان نہیں ہو سکتی کہ وہ حق کے مقابلہ میں باطل پرست نواسہ کو نوازے اس کی حوصلہ افزائی کرے۔ اگر حق یزید کے ساتھ ہوتا تو یقیناً حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم امام عالی مقام کے مقتل میں ہوتے اور ان کا خون جمع فرماتے۔ رہ گئے علماء کے نصوص تو آپ نے اوپر پڑھ لیا کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر آج تک تمام ائمہ دین اور علمائے متین نے یزید کے ظلم و ستم، فسق و فجور حتیٰ کہ بعضوں نے کفر کی تصریح کی ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باطل پر تھا اور امام عالی مقام حق پر تھے۔ اطمینان مزید کے لئے تمہید امام ابو شکور سالمی کی سند پیش کروں۔ یہ کتاب عقائد کی اتنی مستند ہے کہ حضرت نظام الدین محبوب الہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے درس میں پڑھا ہے۔

قال اهل السنة والجماعة ان
الحسين رضي الله تعالى عنه كان الحق
في جده وقد قتل ظلما۔

اہل سنت و جماعت نے فرمایا کہ حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق پر تھے اور وہ
ظلماً شہید ہوئے۔

پھر حضرت معاویہ اور یزید میں فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان معاویہ کان عالما من غیر
فسق وکانت فیہ الدیانة ولولو
یکن متد بنا لکن لا یجوز العلم معہ
وکان عادلا فیما بین الناس ثم بعد
علی کان اما ما علی الحق عادلا فی دین
اللہ و فی عمل الناس وکان یزید
بخلات هذا لانه روی انه شرب
الخمر وامر بالملاهی والغناء ومنع

حضرت امیر معاویہ عالم تھے فاسق نہیں تھے
ان میں دینداری فقی اگر یہ دیندار نہ ہوتے
توان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی عادل تھے
حضرت علی کے بعد امام حق تھے دین اور
معاملات ناس میں عادل تھے برخلاف یزید کے
کہ اس کے پاس میں مروی ہے اس نے شراب
پی۔ با جا لگا جا بجوایا۔ اہل حق کو حق سے
محروم رکھا۔ دین میں فسق ہو

الحق علی اہلہ وفسق فی دینہ۔

گیا۔

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ یزید فسق و فجور و عدوان کی وجہ سے خلافت کا اہل نہیں تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس کی بیعت نہ کرنا حق تھا۔

امام کی خطا کے استدلال اور اس کے جوابات

امروہوی صاحب نے امام کے خطا پر ہونے کے ثبوت میں وہ حدیثیں پیش کی ہیں جن میں امیر کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم وارد ہے ارشاد ہے۔

”سنو اور مانو اگرچہ وہ حبشی غلام کیوں نہ ہو وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں

”اول الامر (امیر کے لئے رنگ و نسل۔ اس عبارت میں آپ نے اہل سنت کے اس

اجماعی مسئلہ کا خلاف کیا ہے کہ خلیفہ کے لئے قریشی کا ہونا شرط ہے) حدیث میں ہے۔

الائمة من قریش۔ یعنی خلفائے اسلام قریش سے ہیں۔ خلافت کے لئے قریشی ہونا شرط

ہے اس پر تمام اہل سنت کا اجماع ہے اس کے خلاف معتزلی نے کہا ہے مگر ابن خلدون معتزلی

کی اندھی تقلید نے امروہوی صاحب سے اہل سنت و جماعت کے اس اجماعی مسئلہ کا بھی

خون کرا دیا ہے۔ معلوم نہیں حُبِ یزید کس کس کھاڑی میں گرائے گی۔

پہلا جواب ان احادیث میں امیر سے مراد خلیفہ نہیں بلکہ والی ملک یا والی فوج ہے۔

علامہ عینی عمدۃ القاری اور حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

ہذا فی الامراء والعمال والائمة

بہ امر اور عمال کے بارے میں ہے ائمہ اور

خلفاء کے بارے میں نہیں اس لئے کہ خلافت

قریش کے لئے ہے دوسرے کو اس میں

والمخلفاء فان الخلافۃ فی القریش لا

یدخل فیہا لغيرہ۔

دخول نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ یزید جب امیر ہوا اور امیر فوج ہوا تو امام عالی مقام نے اس کی ماتحتی

قبول کرنے پر کوئی اعتراض نہ کیا کہ امیر فوج و حج کے لئے فسق و فجور سے محفوظ رہنا۔ امام

کے نزدیک شرط نہیں اور خلافت کے لئے شرط ہے۔ لہذا اسے امیر فوج تو تسلیم کیا

خلیفہ تسلیم نہیں فرمایا۔

دوسرا جواب یہ کہ خلیفہ کی اطاعت اس وقت لازم ہے جب کہ اس کی خلافت شرعاً صحیح ہو۔ اگر اس کی خلافت شرعاً درست نہ ہو تو اس کا حکم وہ نہیں جو ان احادیث میں وارد ہے چنانچہ عبادہ بن مسامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں وارد ہے۔

وان لا تازعوا اهلہ الا مواہلہ کہ ہم خلافت کے اہل سے منازعت نہ کریں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساری تائیدیں اس کے لئے ہیں جو خلافت کا شرعاً اہل ہو اور اس کی خلافت شرعی حیثیت سے ثابت ہو پہلے کے بیانات سے ثابت ہے کہ امام کے نزدیک یزید کی خلافت صحیح نہیں تھی لہذا اس کی اطاعت لازم نہیں تھی۔ امر وہی صاحب نے یزید کے برحق ہونے کی دلیل پیش کی ہے۔

”یزید کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولیعہد کر دیا تھا جیسکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ بنایا تھا۔ جیسے صدیق اکبر کے استخلاف سے حضرت عمرؓ کی خلافت درست تھی اس طرح حضرت امیر معاویہؓ کے ولی عہد کرنے سے یزید کی امارت درست ہو گئی۔“

جواب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جب صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو سب نے با اتفاق قبول کیا اور اسے سراہا۔ صرف ایک صاحب نے عذر کیا کہ ”وہ بہت ورشت مزاج ہیں“ حضرت ابو بکر صدیق نے اس کا جواب یہ دیا کہ ”ان کی ورشتی میری نرمی کی وجہ سے تھی جب ساری ذمہ داری ان کے سر آن پڑے گی تو وہ نرم ہو جائیں گے۔“

ابن عساکر نے یسار بن حمزہ سے روایت کیا ہے کہ صدیق اکبرؓ نے اپنی عدالت کے جھرد کے سے سر نکال کر لوگوں سے پوچھا کہ میرے استخلاف پر تم لوگ راضی ہو، تو لوگوں نے جواب میں کہا۔ ”اے خلیفہ رسول اللہ ہم سب راضی ہیں۔“

حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کھڑے ہوئے اور کہا ”عمر کے علاوہ کوئی دوسرا ہوگا تو ہم راضی نہ ہوں گے۔“

راضی نہ ہوں گے۔“

صدیق اکبر نے جواب دیا۔ ”وہ عمر ہی ہیں۔“ حضرت صدیق اکبر کے وصال کے بعد پھر سارے صحابہ اور تابعین نے بلا نیکر منکر حضرت عمر کے ہاتھ پر بیعت کی۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر نے اپنے بیٹے کو ولی عہد نہیں کیا تھا۔ برخلاف یزید کی ولی عہدی کے کہ حضرت امیر معاویہ نے جب دمشق میں لوگوں کو اس کے لئے جمع کیا تو لوگوں نے وہاں بھی بڑے شہد و مد سے مخالفت کی، اس کا اعتراف امر و ہوی صاحب کو بھی ہے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں۔ یہ اجتماع ہوا جس میں ہر خیال کی نمائندگی تھی بعض نے مخالفانہ تقریریں بھی کیں۔

”مدینہ آئے تو اعیان صحابہ مثلاً حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، ابن عمر

ابن عباس، ابن زبیر اور حضرت حسین نے دور و اس پر اعتراضات کئے۔ حضرت

عبدالرحمن نے صاف صاف کہا (اپنے بیٹے کو ولی عہد کرنا) قیصر و کسری کی سنت

ہے۔ (تاریخ الخلفاء) حضرت عبداللہ بن زبیر نے یہاں تک کہہ دیا۔ نبی کریم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے لے کر حضرت عمر تک جو طریقہ خلیفہ کے تقرر کا تھا

اس میں سے کوئی ایک طریقہ اختیار کرو تو ہمیں منظور ہے، ان کے علاوہ ہمیں

کوئی جدید طریقہ منظور نہیں۔ (ابن اثیر)

حضرت امیر معاویہ کے بعد جب یزید نے اپنی بیعت یعنی سپاہی تو بھی حضرت حسین اور

ابن زبیر نے صاف انکار کر دیا۔

یہی اعیان اہل عد و عقد تھے جو یزید کی امارت پر نہ امیر معاویہ کے زمانہ میں راضی ہوئے

نہ ان کی وفات کے بعد راضی ہوئے اس لئے یزید کی امارت شرعاً درست نہ ہوئی اس موقع

پر امر و ہوی صاحب نے یہ ٹھیک مارا ہے کہ ”یزید کی ولی عہدی کا قیام ۵۶ھ کا ہے اور

حضرت عبدالرحمن ۵۳ھ میں وفات پا گئے۔ پھر انہوں نے اس پر اعتراض کب کیا۔ ۵۵ھ

پر لکھتے ہیں۔

ابن جریر طبری نے بیان کیا ہے کہ یہ واقعہ ۵۶ھ کا ہے حالانکہ ان پانچ قریشی حضرات

میں سے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر تو اس وقت بھی زندہ نہ تھے۔ اس سے تین سال قبل ۳۳ھ میں وفات پا چکے تھے۔ یہ اعتراض امر وہی صاحب کے فن تاریخ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ آپ نے خود لکھا ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ جیسے مدبر صحابی نے یہ تحریک پیش کی (ص ۲۲)

حضرت مغیرہ بن شعبہ کا وصال ۳۳ھ میں ہو گیا تھا لہذا یہ ضروری ہے کہ ۳۳ھ سے قبل یہ مسئلہ پیش ہو چکا ہو۔ ۳۳ھ میں حضرت عبدالرحمن کا وصال ہوا۔ ولی عہدی کا مسئلہ پیش ہونے کے بعد تین سال تک وہ زندہ رہے اور اس درمیان میں ولی عہدی کا مسئلہ برابر چلنا رہا۔ ہو سکتا ہے اس طویل مدت میں انہوں نے کبھی اعتراض کیا ہو۔ یہ کیا ضروری ہے کہ ۳۳ھ ہی میں انہوں نے اعتراض کیا ہو۔

تیسرا فرق یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہر طرح خلافت کے اہل تھے اور یزید ہر طرح نااہل۔ اس سے حضرت عمر کا انتخاب درست اور یزید کی ولی عہدی درست نہ تھی۔ علماء نے جہاں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ خلیفہ سابق کے استخلاف سے امارت ثابت ہوتی ہے وہاں اہل کی بھی قید لگائی ہے۔ عوائق محرقہ ص ۵ پر ہے۔

امامت دو طرح ثابت ہوتی ہے۔ ایک تو	الإمامة تثبت إما بنص من إمام
یہ کہ خود امام کسی اہل کے خلیفہ بنانے کی	على استخلاف واحد من أهلها
تصریح کرے۔ دوسرے اہل عقد و حل کسی اہل	إما بعقدها من أهل العقد والحل لمن
کو مقرر کر دیں۔	عقدت له من أهلها.

یزید میں اہلیت نہیں تھی جس کا بیان گزر چکا۔ لہذا اس کو ولی عہد کرنا درست نہیں

تھا۔

تیسری دلیل یہ کہ امت کی اکثریت نے یزید کی بیعت کر لی تھی اور نصیبہ گزرتا

رائے پر ہونا ہے لہذا یزید کی خلافت حق اور امام کا بیعت کرنا خطا۔

جواب اول۔ یہ قانون اسلام نہیں انگریزوں کا ہے۔ اگر آپ کسی انگریز کی ہٹھی دیکھتے اور اس قانون سے مدد لیتے تو اسے انگریز مان لیتے مگر آپ بانی اسلام کی جائنثی کے

مسئلہ کو اس انگریزی قانون سے نہیں طے کر سکتے اسے خالص اسلامی اصول سے طے کرنا ہوگا۔ علماء ملت تو یہ فرماتے ہیں۔

الواحد علی الحق هو السواد الاعظم۔ ایک حق پرست ہی سواد اعظم ہے۔

آپ کے اس قانون کو اگر حق مان لیں اور عیسائی یہ کہہ بیٹھے۔ آئیے آپ کے اس قانون سے اسلام و کفر کا فیصلہ کر دیا جائے اور ووٹ لیا جائے جس کی طرف زیادہ ووٹ ملے وہ مذہب حق پر ہوگا تو بولیں آپ اس صورت میں اکثریت کے فیصلے کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ پھر ہے حب الشئ یعنی ویصمہ..... حب بزید میں آپ کو کچھ سوچانی نہیں دیتا۔ آپ کو بزید کی حقانیت کا راگ الاپنے سے کام ہے۔ اگرچہ اس کی رو میں دین و دنیا سب بہہ جائیں۔

مثالیاً۔ حالت جبر و اکراہ کے احکام اور ہیں۔ اور اختیار کے اور۔ اسی طرح بزید کی بیعت نہ کرنے میں جان و مال، عزت و ناموس کی بربادی کا اندیشہ تو یہ تھا۔ بزید پلید اس پر تادہ بھی تھا۔ واقعہ کربلا۔ واقعہ حرہ۔ احصاء مکہ معظمہ اور احراق کعبہ مقدسہ اس پر شاہد عدل ہیں ایسی صورت میں رخصت یہ تھی کہ بزید کی بیعت کر لی جاتی۔ عزیمت پر تھی کہ بیعت نہ کی جائے اس رخصت پر عمل کرنے میں ثواب تھا نہ عذاب۔ عزیمت پر عمل کرنے میں ثواب تھا۔ نواسہ رسول کے لئے شایان شان عزیمت پر عمل کر کے جنت کا دولہا بننا تھا، انہوں نے عزیمت پر عمل کیا۔ دیگر صحابہ کرام اور تابعین عظام نے رخصت پر عمل کیا اس پر ان سے کوئی مواخذہ نہیں جس طرح حالت اکراہ میں کلمہ کفر زبان پر جاری کرنے کی رخصت ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ الا من اکفر و قلبہ مطمئن بالایمان۔ اور عزیمت یہ ہے کہ جان دے دے مگر کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔ عزیمت پر عمل کرنا بہتر ہے اور رخصت پر عمل کرنا نوالا گنہگار نہیں۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین و ملت فاضل بریلوی قدس سرہ نے الحج المومنہ میں فرماتے ہیں۔

اب دو صورتیں تھیں یا بخوف جان اس پلید کی وہ ملعون بیعت کر لی جاتی کہ بزید کا حکم ماننا ہوگا اگرچہ خلاف قرآن و سنت ہو۔ یہ رخصت تھی ثواب کچھ نہ تھا

نال اللہ تعالیٰ۔ الا من اکره و قلبہ مطہن بالایمان۔ یا جان دیدی جانی اور وہ ناپاک نہ کی جاتی۔ یہ عزیمت تھی اور اس پر ثوابِ عظیم اور یہی ان کی شانِ رفیع کے شایان تھی اسی کو اختیار فرمایا۔ (ص ۹۶)

جو تھی ذیل حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ نے حضرت

امام کو خروج سے منع فرمایا۔ ان حضرات کا خروج سے منع فرمانا اس بات

کی دلیل ہے کہ یہ خروج ناجائز تھا۔

جواب۔ واقعہ صحت اتنا ہے کہ جب حضرت امام نے مکہ سے کوثر جانے کا عزم محکم فرمایا تو ان حضرات نے حضرات امام کو کوثر جانے سے اس بنا پر روکا کہ اہل کوثر دنیا باندا ہے بنائیں ان پر ائمہ و نہ کیجئے وہ عین موقع پر دعا دیں گے اور آپ کو اکیلے چھوڑ دیں گے۔

انروہوی صاحب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روکنے کا برس شدہ مدرسے سے تذکرہ کیا ہے بس لئے اس واقعہ کے اثبات کے لئے ان کے الفاظ کو نقل کرتا ہوں۔

بائتہ میرنگن ہے کہ تم اپنی عورتوں اور بچوں کے سامنے شہید کئے جاؤ گے جیسا کہ عثمان شہید ہوئے حضرت امام نے نہ مانا تو ابن عباس روئے۔

واللہ انی ووطنک مستقل بین
نسانک و ابنائک کما قتل عثمان
فلم یقتل منہ فبکی ابن عباس۔
تاریخ الخلفاء ص ۱۲۴

جب امام نہ مانے اور کوثر کے لئے روانہ ہو گئے تو ابن عمر فرمایا کرتے۔

حسین نے مانے چلے گئے حالانکہ میری جان کی قسم اپنے والد بھائی کے معاملہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔

ثمینا حسین بالخروج ولعمری
دقد مران فی ایہ واخیه عبرۃ
الیمت۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حج کے موقع پر اسی عرائی نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا کہ حالت احرام میں مکئی مارنا کیسا ہے تو فرمایا۔

اهل العراق يسألون عن قتل
الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول الله
وقال النبي صلى الله عليه وسلم هما
رِجَانَتَايَ مِنَ الدُّنْيَا (بخاری)

اہل عراق مکھی کے مار ڈالنے کے بارے میں
پوچھتے ہیں اور انہوں نے نو اسٹہ رسول کو
شہید کیا حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
انکے بارے میں فرمایا وہ میرے پھول ہیں۔

اگر امر وہوی صاحب کی تحقیق کے بموجب حضرت امام کا کوفہ جانا خطا ہوتا اور امام
بہ حق پہ خروج ہوتا تو ان کا قتل کیا جانا حق تھا اس پر ابن عمر عقیول پر تعریض نہ کرتے
بلکہ انہیں داد دیتے کہ تم نے اچھا کیا تم کو مولیٰ عزوجل جزا دے ایک زبردست باغی کو
قتل کر کے انت میں اتحاد و اتفاق قائم کر دیا بیساکہ امر وہوی صاحب تیرہ سو سال کے بعد
داد دے رہے ہیں اسی سے معلوم ہو گیا کہ یہ پید پید باطل پر تھا، امام عالی مقام کا
اس کی بیعت سے انکار کرنا حق تھا اور امام کی شہادت خون ناحق تھی۔

اب واضح ہو گیا کہ ابن مضرات کا کوفہ جانے سے روکنا اس بنا پر نہیں تھا کہ یہ لوگ
امام کے اس اقدام کو باطل جانتے تھے اور یزید پید کی بیعت کو حق بلکہ اس بنا پر تھا
کہ کوئی لائق اعتبار نہیں، اس شق کو مزید تقویت ابن عباس کے اس بملہ سے ہوتی ہے۔

”آپ بجائے کوفہ کے یمن چلے جائیں۔ وہاں کے لوگ آپ کے والد کے محب

نماس ہیں ایک وسیع ملک ہے وہاں قلعے اور گنائیاں ہیں اور وہ بالکل

الگ تنگ ہے وہاں بیچھ کر لوگوں کو دعوتی خطوط لکھو، ہر طرف داعی بھجو

اس طرح امن و عافیت کے ساتھ تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا“ (طبری)

اگر ابن عباس کے نزدیک یزید کے نملات کوئی تحریک بغاوت تھی تو پھر یمن جا کر اس

بغاوت کو پھیلانے کا کیوں مشورہ دے رہے تھے یہ کونسی منطق ہے کہ کوفہ جانا بغاوت و

خروج ہوا اور یمن جانا امن و اتحاد۔ یہ ایسی منطق ہے جو اسی دماغ میں آسکتی ہے جو سب یزید

اور بعض اہل بیت نبوت سے ماؤنٹ ہو چکا ہو پھر یہی ابن عباس امام سے یہ بھی فرماتے

ہیں۔

وہاں اگر عقیول نے شامی حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا ہو اور اپنے

دشمنوں کو وہاں سے نکال دیا ہو تو بخوشی باؤ لیکن اگر عراقیوں نے تم کو ایسی حالت میں بلایا ہے کہ ان کا حاکم موجود ہے۔ اس کی حکومت قائم ہے اور اس کے عمال خراج وصول کرتے ہیں تو یقین مانو کہ انہوں نے تم کو محض جنگ کے لئے بلایا ہے مجھ کو یقین ہے کہ یہ سب تم کو دھوکا دے جائیں گے تم کو جھٹلائیں گے۔ تمہاری مخالفت کریں گے اور تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ دیں گے اور جب تمہارے مقابلہ کے لئے بلائے جائیں گے تو تمہارے سب سے بڑے دشمن ثابت ہوں گے۔ (طبری جلد ہفتم)

کیا کوثر میں حاکم ہوتے ہوئے جانا خروج و بغاوت ہے اور حاکم کو قتل کرنے کے بعد وہاں جانا بغاوت ہے نہیں؟ کیا امیر پر حق کے مقرر کردہ حاکم کو قتل کرنا اور شہر سے نکالنا بغاوت و خروج نہیں؟ الغرض جن حضرات نے بھی منع کیا، کوثر جانے سے منع کیا اور اس بنا پر منع کیا کہ آپ کے پاس ہر سامان نہیں، فوج نہیں۔ آپ رخصت پر عمل کریں۔ کوفیوں پر مت اعتماد کریں۔ وہ لائق اعتماد نہیں، ایسے وقت، غدار ہیں۔

یہ دونوں روایتیں طبری کی ہیں جنہیں آپ نے شیعہ کہہ کر ناقابل قبول قرار دیا ہے لیکن یہ حَبِ یَزِیدِ کے نثار کی ترنگ ہے جیسا کہ ہم پہلے امام ذہبی کے قول سے ثابت کر آئے کہ ان پر شیعہ مونس کا الزام بھوٹا ہے اور انہیں ناقابل اعتماد کہنا غلط ہے وہ کہلاتے معتدین میں سے ہیں لہذا ان کی روایات محض اس بنا پر نہیں رد کی جاسکتی ہیں کہ یہ طبری نے بیان کیا ہے لہذا قابل قبول نہیں۔ آپ جب کہ دلائل متابہ سے ثابت ہو چکا کہ یَزِیدِ کی حکومت شرعاً درست نہ تھی۔ لہذا نہ تھی۔ لہذا نہ تھی۔ اس کے بالمقابل حضرت سید الشہداء حق پر تھے، تو یہ ثابت ہو گیا کہ حضرت امام اور رفقاء سے امام کے ساتھ یَزِیدِ نے جو کچھ کیا۔ مسلم دُخوان تھا اور یہ لوگ شہید فی سبیل اللہ تھے۔

امروہوی صاحب نے شہادت کے سلسلہ میں بہت سی مسلم القوت جزئیات سے محض قیاسات ناسدہ سے انکار کر دیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو کسی آئندہ ملاقات میں ہو گی۔ اصولی طور پر انہیں عرض ہے کہ تاریخی واقعات کو قیاسات سے نہیں ثابت کیا جاتا

بلکہ روایات سے۔ بس اذقات ایسا ہوتا ہے کہ واقعات ایسے رونما ہو جاتے ہیں کہ عقل
 ذکاوت رہ جاتی ہے کہ کیسے کیا ہو گیا۔ تقدیر کا ہمیشہ تدبیر کے موافق ہونا ضروری نہیں۔ پھر ہر
 شخص کے قیاس کا صائب ہونا لازم نہیں اگر تاریخی واقعات کو اپنے قیاسات سے ثابت
 کرنے کی بدعت پر عمل کریں گے تو بہت سے مسلم الثبوت واقعات کے ثبوت ہی میں
 دشواری ہو جائے گی

کیا یہ عقل میں آنے کی بات ہے کہ مرکز توحید کعبہ میں تین سو سا مہذبت رکھے جائیں
 کیا یہ عقل میں آنے کی بات ہے کہ چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی پھینکی ہوئی ننھی ننھی کنکریوں
 سے اربیتہ الاثرم کا لشکر ہمال ہو جائے؟ کیا ہر شخص کے عقل میں آنے کی بات ہے کہ نام
 البینین کا پاپا ابولسب کافر مرے مگر ان کے ثبوت میں عسوس روایات موجود ہیں لہذا کسی
 کی عقل میں آئے یا نہ آئے ماننا پڑے گا مثال کے طور پر آپ نے محض یہ ثابت کرنے
 سے کہ امام عالی مقام پر تین دن تک پانی بند نہیں کیا گیا۔ اپنا یہ قیاس پیش کیا ہے۔

”امام عالی مقام مکہ معظمہ سے آٹھ ذی الحجہ کو نہیں بلکہ دس ذی الحجہ کو پہلے

پہنچے اور راستے میں تیس منزلیں ہیں لہذا امام دس محرم کو کربلا میں جلوہ نہراہو

اسی دن شہید ہو گئے نہ تین دن کربلا میں قیام رہا نہ تین دن پانی بند رہا“

امردہوی صاحب نے بجائے آٹھ کے دس ذی الحجہ کی روانگی پر قیاس پیش کیا ہے

”کیا یہ ممکن تھا کہ امام حج چھوڑ کر کوئٹہ چل سیتے ایسی کیا جلدی تھی“

امردہوی صاحب نے ایسی جذباتی دلیل پیش کی ہے کہ عوام اسے فوراً قبول کرنے لگے

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ آپ نے یہاں کتنی ہوشیاری سے کام لیا ہے۔ حضرت امام راج

بارہا ادا فرما چکے تھے۔ حج فرض ذمہ میں نہیں تھا۔ یہ حج اگر ادا بھی فرماتے تو بھی نفل ہوتا۔

دوسری طرف کو فیول نے یزیدی استبداد کے ازالہ کے لئے ہر ممکن مدد کا یقین دلایا تھا۔

ایسی صورت میں ازالہ منکر فرض تھا۔ مینۃ المسئلہ پڑھنے والا بھی بانٹا ہے کہ نفل پر فرض کی

ادائیگی کو مقدم رکھیں گے۔ اگر حضرت امام نے اس فرض کی اہم ادائیگی کے لئے ایک نفل

ترک کر دیا تو اس میں کب گناہ لازم آیا۔ پھر یہ کہ امردہوی صاحب بھی یہ کہتے ہیں۔

”نحس بن سعد لڑتا نہیں چاہتا تھا لیکن پییدہ کی بیعت لینا اس کا مطمح نظر
تھا۔“

ایسی صورت میں قیاس یہ چاہتا ہے کہ پانی بند کر دیا جائے تاکہ امام تشکی سے جاں بلب
ہو کر چھوٹے چھوٹے بچوں کو ترپتے بلکنے دیکھ کر نہایت چھوڑ کر رحمت پر عمل فرمائیں۔

اسی طرح آپ نے بڑی طولانی بحث کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ
”مکہ سے کربلا کی تیس منزلیں ہیں اور دو منزلہ اور سہ منزلہ کسی طرح ممکن نہیں
لہذا ایک ایک دن میں ایک ایک منزل طے کرتے ہوئے تیس دن میں تیس
منزلیں طے کر کے دسویں محرم کو کربلا پہنچے۔“

واقعہ یہ ہے کہ غلبہ پر محبت یا بغض کا پردہ پڑ جانے کا کوئی نشان نہیں۔ پہلی منزل
بستان ابن عباس چوبیس میل ہے۔ دسویں ذی الحجہ کو رجم کے مراسم ادا کر کے کوئی شخص کس
نظر چوبیس میل طے نہیں کر سکتا۔ اور دسویں صاب کو کیا نہر کہ دسویں ذی الحجہ کو کیا کیا
مراسم ہیں۔

دسویں ذی الحجہ کو آفتاب نکلنے سے کچھ پہلے مزدلفہ سے چل کر منی آتا ہے۔ ہجرت القبۃ
پر کنکری مارنا ہے کنکری مار کر حجامت ہونا ہے۔ قربانی کرنا ہے۔ پھر مکہ معظمہ جا کر طواف
زیارت کرنا ہے۔ پھر نناد مردہ کی سعی کرنی ہے کیا کس بھی عقل مند آدمی کے سمجھ میں یہ بات
آسکتی ہے کہ ایک دن میں مزدلفہ سے چل کر منی آئے وہاں کے مراسم ادا کر کے پھر مکہ
مکرمہ جائے وہاں کے رسم ادا کر کے اتنا وقت بچے گا کہ حسینی قائلہ چوبیس میل کی مسافت
طے کر کے بستان ابن عباس پہنچ سکے یقیناً ایسا ممکن نہیں لہذا اور دسویں صاب کی تحقیق
کی بنا پر یہ لازم آئے گا کہ امام گیارہ ذی الحجہ کو مکہ سے پہلے اور گیارہ کو کربلا بلوہ فرما
ہوئے پھر دس کو شہادت کس طرح ہوئی؟

دوسرے یہ کہ گیارہ بارہ ذی الحجہ کو کنکریاں مارنا حج کے واجبات میں سے ہے
حج میں اگر نفل ہو گیارہ بارہ کی رمی واجب ہے۔ امام عالی مقام اگر حج نہ کرتے تو صحت
ترک نفل لازم آتا اور حج شروع کر کے گیارہ بارہ کی رمی پھوڑنے میں ترک واجب لازم

آئے گا یہ کہاں کی عقل مندی ہوگی کہ ترک نفل سے ترک واجب کے وبال میں مبتلا ہوں لہذا آپ کی جغرافیائی ریسرچ کی بنا پر لازم آئے گا کہ امام تیرھویں ذی الحجہ کو مکہ سے روانہ ہوئے اور تیرہ محرم کو کربلا میں پہنچیں۔

امروہوی صاحب آپ نے دیکھا! آب بندی کی روایت کو غلط ثابت کرنے کیلئے آپ نے جو قواعد مستخرج فرمائے وہ خود آپ کے مسلمات کو ڈھارسے ہیں۔ روایت پذیری چھوڑ کر درایت پرستی اختیار کرنے سے آدمی یونہی دلدلوں میں پھنستا ہے۔

ناظرین کے اطمینان کے لیے امروہوی صاحب کی ایک درایت کی قلعی کھول دی گئی۔ اس طرح دیگر درایتوں کو قیاس کر لیں۔ بشرط فرصت انشاء اللہ تعالیٰ ان کی اس قسم کی تمام درایتوں پر کبھی مفصل گفتگو ہوگی۔ اس تفصیلی گفتگو کے بعد سوالات مندرجہ بالا کے جوابات یہ ہیں۔

۱۔ یقیناً بلاشبہ ہی اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت حق ہے۔ پھر عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ہی خلیفہ برحق تھے۔ حضرت عثمان کے قصاص نہ لینے اور اس میں کسی قسم کی پہلو مٹی کرنے کا الزام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لگانا قطعاً درست نہیں۔

۲۔ یزید پلید اپنے فسق و فجور اور دیگر وجوہ شرعیہ کی بنا پر امام عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر ائمہ کے نزدیک یقیناً خلافت کا اہل نہیں تھا اس کی خلافت شرعاً درست نہیں تھی۔

۳۔ اس کے بالمقابل ریحانہ رسول حضرت امام عالی مقام حق پر تھے اور انہیں اور ان کے رفقاء کا قتل کرنا ظلم عظیم تھا۔ یہ حضرات مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

(مولانا شریف الحق اعظمی)

فتنہ خوارج

فتنوں کی اندھیاریوں میں سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم وہ روشن چراغ تھے جو آخری وقت تک یکساں نور افشاں رہے۔ تاریکیاں سمٹ سمٹ کر ان پر حملہ کرتیں مگر ناکام رہتیں۔ ظلمت پسند بڑھ بڑھ کر ان پر پھونکیں مارتے لیکن چراغ مرتضوی کی نو میں کھڑکھڑاہٹ بھی پیدا نہیں ہوتی۔ وہ زندگی کی آخری منزل تک اللہ کے دین اور اس کے رسول خاتم کی سنت پر مستقیم رہے اور ان کے پائے استقامت میں کبھی لغزش نہ آئی۔ ان کی ذات کو اللہ عزوجل نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آزمائش گاہ بنایا۔ ایک گروہ نے ان سے اتنی نفرت کی کہ انہیں کافر ٹھہرا دیا اور دوسرے گروہ نے اتنی محبت کی کہ خدا ٹھہرا دیا۔ یہ دونوں ہی گروہ حق سے دور اور دونوں ہی کے دل حب دنیا سے معمور تھے۔

”علی مرتضیٰ کو حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ پیش گوئی یاد تھی۔ فیک مثل من عیسیٰ۔ تم میں عیسیٰ علیہ السلام کی ایک مشابہت ہے۔ یہود نے ان سے نفرت کی حتیٰ کہ ان کی ماں پر بہتان باندھا نصاریٰ نے محبت میں ان کو وہ مرتبہ دیا جو ان کا نہ تھا“

”سیدنا علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ میری ذات میں دو طرح کے لوگ تباہ ہوں گے۔ ایک وہ جو میری محبت میں افراط سے کام لے کر مجھ کو وہ مرتبہ عطا کرے گا جو مجھے حاصل نہیں اور دوسرا وہ جسے میری عداوت مجھ پر بہتان باندھنے پر آمادہ کرے گی۔ (احمد بن حنبل)

اس حدیث کے مصداق بلاشبہ روافض و خوارج ہیں۔ اول الذکر نے محبت اہلبیت کو اول ثانی الذکر نے ان حکم الایہ کو آڑ بنایا۔ پھر دونوں نے اس آڑ میں وہ کارنامے انجام

دینے کہ دین و تقویٰ، ایمان و اخلاص در و کرب سے چنچ اٹھے۔

روافض نے علی مرتضیٰ کو معصوم قرار دے کر منصب نبوت پر بٹھایا اور اپنی خنثا ساز محبت کے نشہ سے مخمور ہو کر ان کے ممدوحوں کو خارج از اسلام کر دیا۔ حتیٰ کہ ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام تک میں اصول کفر پائے جانے کا دعویٰ کر دیا۔ اور خوارج نے دیگر صحابہ کے ساتھ بغض علی کو اپنا شعار بنایا اور اسے اس درجہ بڑھایا کہ ان کے نزدیک تکفیر علی علامت ایمان اور تحسین علی علامت کفر قرار پائی۔

حضرت شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کو حضور کو نہیں

علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بات بھی یاد تھی کہ

مجھے اس ذات کی قسم جس نے دانے اگانے اور جاندار مخلوق پیدا کی اور

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔

لا یحبنی الامومن ولا

مومن مجھ سے محبت کرے گا اور منافق

مجھ سے بغض رکھے گا۔

یبعضنی الامنافق۔

بغض کی انتہا یہ ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کے نور العین حسین علیہ السلام کو جام شہادت

نوش فرمائے صدیاں گزر گئیں مگر خروج کے ناہنجار فرزند آج بھی امام عالی مقام کو دنیا پرست

اور جاہ پرست قرار دے کر اپنے دل کی بھڑاس نکالے جا رہے ہیں۔

خوارج کا ظہور اگرچہ جنگ صفین میں ہوا اس لیے مورخین ان کی ابتدا

خوارج کی ابتدا وہیں سے کرتے ہیں مگر حقیقت میں ان کی بنیاد عہد نبوت میں پڑ گئی تھی

جب کہ ان کے زعم اول نے حب دنیا سے مخمور ہو کر عادلوں کے عادل پر بے انصافی کا

الزام لگایا تھا۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مال غنیمت

تقسیم فرما رہے تھے کہ عبد اللہ ذوی الخواہرہ شمی آیا کہنے لگا۔ یا رسول اللہ عدل

فرمائیے حضور نے فرمایا تیری خرابی ہو میں عدل نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا

حضرت فاروق اعظم نے عرض کی حضور اجازت دیں اس کی گردن اڑا دوں۔ فرمایا

ہنہ دو۔ اس کے کچھ ساکتی ایسے ہوں گے کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو انکی نمازوں

اور روزوں کے مقابل حقیر سمجھو گے۔ یہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے شکار سے تیرنجاست اور خون سے آلود ہونے بغیر نکل جاتا ہے۔ اس جماعت کی علامت ایک ایسا شخص ہوگا جس کا ایک ہاتھ یا ایک پستان عورت کے پستان کی طرح ہو گا یہ جماعت اس وقت نکلے گی جب لوگ دو جماعتوں میں بیٹے ہوں گے۔ ابو سعید خدری نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں میں نے یہ بات حضور سے سنی اور میں اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت علی نے جب ان لوگوں کو قتل کیا تو مقتولین میں سے وہ شخص ٹھیک اسی صفت کو نکال کر لایا گیا جس کی نشاندہی سرکار نے فرمائی تھی اور اسی شخص کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ ومنہم من بلکہ ترک فی الصدقات الایہ - (بخاری)

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں غزوہ حنین کے بعد حضور نے اشراف عرب کو عطیات دیئے تو ایک شخص نے کہا یہ ایسی تقسیم ہے جس میں عدل نہیں کیا گیا حضور کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو چہرہ اقدس تمٹھا اٹھا یہاں تک کہ سرخ ہو گیا فرمایا جب اللہ ورسول ہی عدل نہ کرے تو کون کرے؟ اللہ موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی اور انہوں نے صبر کیا۔ (مسلم)

۳۔ جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں حنین سے واپسی میں بمقام جبرائیل ایک شخص حضور نبوی آیا۔ باپ حال کہ بلال کی چادر میں چاندی تھی اور حضور اقدس اس کے لئے لوگوں کو ڈے رہے تھے۔ اس شخص نے کہا اے محمد عدل کرو۔ حضور نے فرمایا تیری خرابی ہو اگر نہیں عدل نہ کروں گا تو کون کرے گا۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کی حضور اجازت دیں اس منافق کی گردن اڑادوں۔ فرمایا معاذ اللہ! تب لوگ یہ کہیں گے میں اپنے ساتھیوں کو قتل کروں گا۔ بلاشبہ یہ اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں جو ان کے جگرے سے آگے نہیں پڑھتا۔ یہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے۔ (مسلم)

ان احادیث سے واضح ہوا کہ خوارج کا زعم اول جس کی نسل سے یہ گروہ ظہور کرنے والا

تھا۔ عہد رسالت میں موجود تھا۔ اب ان کے ظہور کے متعلق دو ایک حدیث ملاحظہ کیجئے۔
 ۴۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ
 عنقریب ایک جماعت نکلے گی لیکن ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔
 پس ایسے لوگوں سے تم جہاں ملو انہیں قتل کرو۔ ان کے قاتلوں کے لیے قیامت
 میں بڑا اجر ہے۔ (بخاری، خلاصہ)

۵۔ سل بن حنیف سے پوچھا گیا آپ نے خوارج کے متعلق حضور سے کچھ سنا ہے؟
 انہوں نے کہا حضور کو میں نے عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سنا۔ یہاں سے
 ایک قوم خروج کرے گی وہ اسلام سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جیسے
 تیر شکار سے۔ (بخاری، خلاصہ)

جنگ صفین میں حضرت معاویہ و حضرت علی کے درمیان جو معاہدہ ہوا اس میں یہ تھا کہ
 ”ہم اللہ کے حکم اور اس کی کتاب کی طرف رجوع کرتے ہیں اس کے
 سوا کوئی ہمیں جمع کرنے والا نہیں، اللہ کی کتاب ہمارے درمیان فاتحہ سے خاتمہ
 تک فیصلہ کن ہے، جس کو اللہ کی کتاب نے جاری و نافذ کیا اسے ہم جاری و
 نافذ کریں گے اور جس چیز کو اس نے مٹایا ہم اسے مٹادیں گے۔ پس حکمین
 (ابو موسیٰ اشعری و عمر بن العاص) جو بات کتاب اللہ میں پالیں اس پر عمل کریں گے اگر
 وہاں نہ ملے تو پھر رسول کی سنت عاویہ ان کے فیصلہ و حکم کا مرجع ہوگی۔ (کامل ابن اثیر)
 لیکن ابھی اس وثیقہ کی سیاہی بھی خشک نہ ہوئی تھی کہ خوارج نے اس کا انکار کر دیا اور
 لا حکم الا للہ کا نعرہ لگایا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ فریقین کے جھگڑے کو طے کرنے کے لیے انہیں خوارج نے تحکیم کو
 ماننے اور عراقیوں کی طرف سے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو حکم مقرر کیے جانے پر مجبور کیا تھا
 اور جب معاملہ طے ہو گیا جو کتاب و سنت کی رو سے بالکل جائز تھا تو انہیں خوارج نے اپنی
 حماقت اور شرارت سے لا حکم الا للہ کا نعرہ لگا کر تحکیم کو کفر قرار دے دیا کہ

”جب حکم اور فیصلہ صرف اللہ کا حق ہے تو پھر عمر بن عاص اور حضرت ابو موسیٰ

کا حکم بنایا بنایا جانا ناجائز ہے :

یہ استدلال اتنا نامعقول اور احمقانہ ہے کہ دین کی پوری عمارت زمین سے اٹکتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ براہ راست انسانوں سے مخاطب ہو کر نہ حکم دیتا ہے اور نہ اس کی اتاری ہوئی کتاب وجود ناطق ہے کہ خود تکلم کرے اور اپنا کوئی حکم یا فیصلہ سنائے جب حال یہ ہے تو امر و نہی و قانون و آئین کا یہ دفتر صرف زینت طاق ہی بن سکتا ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰ نے ان کے اس استدلال کے لغو اور باطل ہونے کے متعلق انہیں بہت سمجھایا۔ آپ نے فرمایا۔

”ہم نے انسانوں کو حکم نہیں بنایا بلکہ قرآن کو بنایا ہے اور یہ قرآن لکھی ہوئی کتاب ہے جو خود نہیں بولتی بلکہ اس کا تکلم انسان ہی کرتے ہیں“

پھر آپ نے ایک بڑے سائز کا قرآن مجید منگایا۔

فجعل يضرب بيده ويقول اور اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اے
ایہا المصحف حدث مصحف لوگوں سے باتیں کر لے۔

الناس - (فتح الباری بحوالہ احمد و طبری)

سیدنا علی مرتضیٰ کے ان جملوں اور عملی تشریح نے خوارج کے باطل استدلال کی حقیقت ان پر کھول دی مگر اس کے باوجود صفین سے واپسی پر بارہ ہزار خارجی حرد راہ میں خیمہ زن ہو گئے اور انہوں نے شیث بن رحبی کو اپنا امیر القتال اور عبداللہ بن الکواہریشکری کو امیر الصلوٰۃ مقرر کر لیا۔ جناب امیر نے اس موقع پر بھی انہیں شرارت سے باز رہنے کی تلقین کی اور ان سے پوچھا تمہارا لیڈر کون ہے؟

ابن الکواہر

”کس چیز نے تمہیں ہمارے خلاف خروج پر مجبور کیا؟“

”صفین میں حکم نے“

”حکم کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ کتاب و سنت کے مطابق فیصلہ کریں گے۔ اس کے

خلاف جائیں گے تو ہم ان کے حکم اور فیصلہ سے بری ہیں“

اچھا یہ بتائیے کہ آپ نے تحکیم کے لیے مدت کیوں معتد کی فوراً فیصلہ کیوں نہ کرایا۔

اس لیے کہ ناواقف علم حاصل کر لے اور عالم ثبات و استقلال حاصل کر لے اور شاید اس مدت میں اللہ اس امت کی اصلاح فرما دے۔

یہاں باتیں ختم ہو گئیں اور خوارج آپ کے حکم کے مطابق کوڈ میں آگئے لیکن ان کا مقصد کسی بات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا تو تھا نہیں۔ قرآن ان کے حلقوم سے اترتا تھا نہیں کہ اس کی حقیقت کو پاسکے، کوڈ میں آکر پھر انہوں نے وہی باتیں دہرائی شروع کر دیں جن کے تشفی بخش جواب دینے جا چکے ہیں۔ جب سیدنا علی مرتضیٰ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو مقام تحکیم پر بھیجنا چاہا تو خارجی پھر وہی لغو بول اٹھے لا حکم الا للہ۔ ان کے ایک لیڈر نے کہا، حکم کا حق صرف اللہ کو ہے آپ اپنی خطا سے توبہ کیجئے۔ وثیقہ چاک کیجئے اور جنگ شروع کر دیجئے۔ حضرت علی نے جواب دیا، جب ہم معاہدہ کر چکے ہیں تو پھر اسے کیسے توڑ دیں، اس پر ایک خارجی نے کہا وہ گناہ تھا اس سے توبہ لازمی ہے۔ اور اگر آپ تحکیم سے باز نہ آئے تو ہم آپ سے بوجہ اللہ جنگ کریں گے اس موقع پر آپ نے فرمایا۔

”تیری خرابی ہو تو کس قدر بد بخت ہے، میں دیکھ رہا ہوں کہ ہوائیں تجھ پر خاک ڈال رہی ہیں“۔ اور فرمایا ”شیطان نے تمہیں حیران اور خواہش کا بندہ کر دیا ہے، اللہ بزرگ و برتر سے ڈرو۔ تم جس دنیا کے لیے جنگ کر رہے ہو وہ تمہارے لیے بہتر نہیں“ (حطبری)

الغرض خوارج فتنہ انگیزی میں آگے ہی بڑھتے گئے یہاں تک کہ مسجد میں عین خطبہ کی حالت میں شر انگیزی کرنے لگے آخر کاریہ ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے خروج کا فیصلہ کیا اور نہروان کے پل کو اپنا مستقر تجویز کیا اور لڑتے بھرتے نہروان پہنچ گئے۔

یہاں ان کی شفاقت قلبی کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے: خوارج کی جہالت و بربریت: بصرہ کے خارجی نہروان کے قریب پہنچ چکے تھے

کہ ان کی جماعت کو ایک شخص نظر آیا جو گدھے کو ہانکتا ہوا لارہا تھا اور اس گدھے پر ایک خاتون سوار تھیں، خارجیوں نے انہیں پکارا، وہ گھبرا گئے۔ قریب آئے تو پوچھا تم کون ہو۔ انہوں نے جواب دیا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی جناب کا بیٹا عبد اللہ ہوں۔

ہم نے تمہیں ڈرا دیا ڈرو نہیں تمہیں امن ہے۔ اچھا ہمیں اپنے والد کی ایسی بات سناؤ جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہو اور ہمیں اس سے فائدہ پہنچے۔

مجھ سے میرے والد نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ انسان کا قلب مرجائے گا وہ شام کو مومن ہوگا اور صبح کو کافر اور صبح کو کافر ہوگا اور شام کو مومن۔

کیا ہم نے تم سے ایسی حدیث پوچھی تھی، اچھا بتاؤ ابو بکر و عمر کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے اور عثمان کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ وہ اول و آخر حق پر تھے۔

اچھا علی کے بارے میں کیا کہتے ہو، حکیم سے پہلے اور حکیم کے بعد۔

وہ تم سے زیادہ اللہ کا علم رکھتے ہیں۔ تم سے زیادہ دین کے محافظ اور بصیرت والے ہیں۔

یہ سن کر خوارج نے کہا، واللہ ہم تم کو اس طرح قتل کریں گے کہ اب تک کسی کو نہ کیا ہوگا اس کے بعد حضرت عبد اللہ کو گھیر کر گرفتار کیا اور ان کی بیوی کو جو حاملہ تھیں اور وضع حمل کا زمانہ قریب تھا لیے ہوئے ایک درخت کے نیچے آئے اور حضرت عبد اللہ کو بچھاڑ کر ذبح کر ڈالا پھر ان کی بیوی کی طرف متوجہ ہوئے۔ خاتون نے کہا۔ میں عورت ہوں کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے۔ لیکن بے رحموں نے ان کا پیٹ چاک کر ڈالا۔ ان کی جان لی اور بچہ کو بھی جو ان کے پیٹ میں تھا مار ڈالا۔ (ابن امین)

اس ایک واقعہ سے ہی خوارج کی شقاوت و قساوت کی پوری تصویر سامنے آجاتی ہے اور تفصیل کے لیے دفتر درکار ہے۔ بغرضیکہ خوارج بدستور فساد انگیزی میں مشغول رہے۔ انہوں نے قتل و غارت کا سلسلہ شروع کر دیا اور حق پرست مسلمانوں کی جان، مال، آبرو ان کی دست درازیوں سے خطرے میں پڑ گئی۔ ان حالات کا تقاضا یہ تھا کہ خوارج کے فتنہ کو دبا یا جائے سیدنا علی مرتضیٰ کی نگاہ حق میں سے یہ تقاضا محض نہیں رہ سکتا تھا اس سلسلہ میں صحیح مسلم کی روایت واضح اتنی ہے کہ اس پر کسی تاریخی روایت کو ترجیح نہیں دی جاسکتی اور یہاں صرف اسی روایت کے خلاصہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

”زید بن وہب کہتے ہیں میں نے حضرت علی کی فوج میں تھا جو خود ان کے ساتھ خوارج کی طرف روانہ ہوئی تھی۔ حضرت علی نے فوج کو مخاطب ہو کر فرمایا۔ اے لوگو! حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت سے ایک قوم نکلے گی جو قرآن پڑھتی ہوگی اس کی قرأت نماز اور روزوں کے مقابل تم اپنی نمازوں روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن پڑھیں گے اور سمجھیں گے کہ ان کے لیے نفع بخش ہے حالانکہ وہ ان پر وبال ہوگا وہ اسلام سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح شکار کو چھید کر تیر نکل جاتا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا ہے فوج ان سے مقابلہ کرے گی وہ صرف اسی عمل پر بھروسہ کر کے دوسرے اعمال سے بے پرواہ ہو جائیں۔ مجھے امید ہے کہ یہ وہی جماعت ہے جس کی نشاندہی حضور نے فرمائی تھی کیونکہ انہوں نے ناحق خون بہایا اور لوگوں کے اموال میں غارت گری کی ہے پس اللہ کا نام لے کر چلو۔ (مسلم شریف)

الغرض سیدنا علی مرتضیٰ کے شرارت اور جنگ سے باز آنے کی دعوت دی مگر انہوں نے ایک نہ مانی اور آپ کے لشکر پر حملہ کر دیا اور نتیجہ میں چند کے سوا تمام خارجی ڈھیر پھٹے۔ مسلم شریف میں ہے کہ :-

”حضرت علی کی فوج نے انہیں نیزوں پر رکھ لیا۔ خوارج یکے بعد دیگرے قتل ہوئے اور حضرت علی کی فوج کے صرف دو آدمی شہید ہوئے۔“

جنگ ختم ہونے کے بعد ذی الشہدہ کی تلاش ہوئی۔ آخر لاشوں کے ڈھیر میں وہ پڑا ہوا ملا۔ حضرت علی نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا اللہ نے سچ کہا اور اس کے رسول نے ہم تک حق پہنچایا۔

یہ تھے خارجی اور یہ ہے خارجیت جس کا نہایت ہی مختصر سا نقشہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا اگرچہ نہروان کے میدان میں خوارج کے اصل اور ان کے لیڈر مارے گئے لیکن جو فتنہ ایک بار سراٹھا لیتا ہے وہ ختم نہیں ہوتا۔ جو نہروان سے پچ گئے مختلف شہروں میں جا بسے اور وہاں انہوں نے اپنے باطل استدالات کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور اس طرح خارجیت ایک مستقل مذہب بن گیا۔ (علامہ محمود احمد رضوی)

یزید اور اس کا کردار

حدیث پاک کی مشہور کتاب "مشکوٰۃ شریف" ہے، اسی کتاب کا فارسی ترجمہ مختصر شرح کے ساتھ اشعۃ اللمعات کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے مترجم اور شارح حضرت شیخ دہلوی کی شخصیت بھی محتاج تعارف نہیں۔ آپ نے اشعۃ اللمعات کی چوتھی جلد کے "باب مناقب القریش و ذکر القبائل" کی ایک حدیث کی شرح کرتے ہوئے یزید پر روشنی ڈالی ہے پہلے اس حدیث کو پڑھیے پھر ان کی رائے پر مطالعہ کیجیے۔

عمران بن حصین سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حال میں وصال فرمایا کہ آپ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے ایک قبیلہ

حدیث - عن عمران بن حصین قال مات النبی صلی اللہ علیہ وسلم گفت عمران مروی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔ وھو کیرہ ثلاثہ احبار

و حالانکہ آنحضرت ناخوش میداشت سہ قبیلہ
 ایثقیف کہ حجاج بن یوسف ظالم مشہور ازاں
 جا است۔ و بنی حنیفہ کہ مسلمہ کذاب ازاں
 جا بود۔ و بنی امیہ کہ عبید اللہ بن زیاد کہ مباشر
 قتل امام حسین بن علی رضی اللہ عنہما شہید از
 ایشان بود کذا قبیل۔

ثقیف ہے جس قبیلہ میں مشہور ظالم حجاج بن
 یوسف گزرا ہے۔ دوسرا قبیلہ بنی حنیفہ ہے
 جس قبیلہ کا مسلمہ کذاب فرد تھا اور تیسرا
 بنی امیہ کا قبیلہ ہے جس قبیلہ سے اس ابن زیاد
 کا تعلق ہے جو امام شہید حسین بن علی رضی اللہ
 عنہما کی شہادت کا بانی و فاعل تھا۔

لوگوں نے حضور کے ان تینوں قبیلوں کے ناپسند فرمانے کی وجہ یہ قرار دی ہے کہ
 مذکورہ بالا تینوں افراد ایسے گزرے ہیں جن کے سیاہ کار ناموں کی وجہ سے حضور ان قبائل سے
 ناخوش تھے یہ حضرات حضور کے وقت نہ تھے مگر حضور کو ان کے کردار کا علم اللہ کی طرف سے
 قبل ہی ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ کے قلب مبارک پر یہ قبائل گراں تھے۔ اس سے حضور
 کی غیب دانی کا ثبوت ہم ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو بنی امیہ کی پسندیدگی
 کی علت محض ابن زیاد کو قرار دینی پسند نہیں ہے چنانچہ اس تو جہیہ پر اس طرح تنقید
 فرماتے ہیں :-

شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تنقید

و عجب است از این قائل کہ یزید
 راز گفت کہ امیر عبید اللہ ابن زیاد بود دہر
 چہ کرد با مردے در ضائے فے کرد باقی
 بنی امیہ ہم در کار ہائے خود تفسیر نہ کردہ اند
 یزید و عبید اللہ را چہ گویند و در حدیث آمدہ
 است کہ آنحضرت در خواب دید کہ بوذنہ با بر
 منبر شریف وے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازی
 می کند و تعبیر آن بہ بنی امیہ کردہ دیگر چیز ہا
 بسیار است چہ گوید۔

اس قائل کے حال پر تعجب ہے کہ یزید کا نام نہ لیا
 حالانکہ ابن زیاد کا بھی امیر یزید ہی تھا۔ ابن زیاد
 نے جو کچھ بھی کیا یزید کے حکم اور اس کی رضا سے
 کیا۔ ایک ابن زیاد اور یزید ہی کیا باقی بنی امیہ
 نے بھی اپنے اپنے سیاہ کار ناموں میں کوئی کمی
 نہیں کی ہے صرف یزید و ابن زیاد کو کیا کہا جائے
 دوسری حدیث میں ہے کہ سرکارِ دو عالم نے خواب
 دیکھا کہ آپ کے منبر شریف پر بند رکھیل سہے ہیں
 آپ نے اس خواب کی تعبیر بنی امیہ ہی کو

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

قرار دیا اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں بنی امیہ کے متعلق حدیثوں میں ہیں اس کے متعلق کیا کہا جائے۔

آپ نے دیکھا کہ حضرت شیخ نے یزید اور دوسرے اموی حضرات کے حالات کس تاسف و اندوہ کے ساتھ بیان فرمائے ہیں اور بنی امیہ کے کردار کے متعلق دوسری حدیثوں کی جانب دیگر چیز باسیار است، فرما کر اشارہ فرمایا ہے۔ کیا کسی متقی اور عادل خلیفہ برحق کے خلاف ایسی شہادتیں موجود ہیں؟ وہ بھی صرف مؤرخ محض کی گواہی نہیں ہے۔ یہ تنقید محض تاریخی زیب داستان کی بنیاد پر بھی نہیں ہے بلکہ حدیث کی جملہ احتیاطوں کی بنیاد پر مبنی ہے اس کا قلم چل رہا ہے جو محقق علی الاطلاق ہے جو فن حدیث میں بلند پایہ ہے جس کی علمی نگاہ سے علم، کلام، فقہ، عقائد، حدیث اور کوئی بھی فن اوجھل نہیں، پھر مذکورہ بالا حدیث کے مخرج بھی امام ترمذی ہیں جنہوں کے اپنی جامع ترمذی میں اس کو نقل کیا۔

یزید علامہ جلال الدین سیوطی کی نگاہ میں

شیخ دہلوی کے بعد محدث اعظم مفسر اکبر علامہ جلال الدین سیوطی کی کتاب "تاریخ الخلفاء" پڑھیے، دیکھیے کہ یزید کی کیا بھیانک شکل نظر آ رہی ہے۔ کیا ایسے جلال الملئہ والدین کی جلیل القد شہادت کے ہوتے کسی کے زورِ قلم سے یزید کا تقویٰ اور اس کی عدالت ثابت ہو سکتی ہے خود فیصلہ کیجئے۔

واخرج الرویانی فی مسندہ عن ابی الدرداء سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیہ یقال لہ یزید۔

رویانی نے حضرت ابو دردار سے اپنی مسند میں تخریج کی ہے کہ میں نے حضور کو یہ فرماتے سنا کہ میری سنت کا بدلنے والا پہلا شخص بنی امیہ سے ہوگا جس کو لوگ یزید کہا کریں گے۔

کیا متقی اور عادل اسی کو کہتے ہیں جو سنت رسول کو بدل ڈالے۔ تقویٰ و عدالت تغیر و تبدیلی سنت کا نام ہے؟

وقال نوفل ابی الفرات کنت عند عمر بن عبدالعزیز

نوفل بن ابوالفرات نے فرمایا کہ میں عمر بن عبدالعزیز

کے پاس حاضر تھا پس ایک شخص نے یزید کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کو امیر المؤمنین یزید ابن معاویہ کہا۔ یہ سننا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کا پارہ گرم ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تو یزید کو امیر المؤمنین

فذكر رجل يزيدي فقال امير المؤمنين يزيدي ابن معاوية . فقال تقول امير المؤمنين وامر به ف ضرب عشرين سوطاً .

کہتا ہے اور پھر آپ کے حکم سے اس قائل کو بیس کوڑے مارے گئے۔

حضرات! حضرت عمر بن عبدالعزیز بنی امیہ ہی کے چشم و چراغ ہیں مگر "طین" پر دین غالب ہے تو یزید کو امیر المؤمنین کہنا بھی برداشت نہ کر سکے اور تعزیراً بیس کوڑوں کی سزا دی۔ اس دور بے دینی میں یزید کو امیر المؤمنین خلیفہ برحق ہستی اور عادل کہنے والے کو کون سزا دے۔ کاش آج بھی وہ دور ہوتا تو نہ معلوم ان الفاظ کی توہین کے سلسلہ میں کتنے کوڑے لگوائے جاتے۔ اسلام کے اس مجددِ اول نے عباسی صاحب کے مدوح کی قدر نہ کی۔ نہ معلوم ان کو کیا کہیں گے جس طرح یزید کے مبدل سنت ہونے کی پیشین گوئی لسانِ نبوت سے ثابت ہے اسی طرح عمر بن عبدالعزیز کے مجددِ وحی سنت ہونے کی پیشین گوئی بھی موجود ہے یہ سب غیب دانی رسولِ پاک کی واضح علامتیں ہیں۔

حرہ کے دلہ روز واقعات کا بیان کرتے ہوئے علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ :-

اہل مدینہ کے خروج و خلع حکومت کا سبب یہ تھا کہ یزید بے شک و شبہ گناہوں میں حد سے زیادہ بڑھ جانیا والا بن گیا تھا چنانچہ واقدی نے چند طریقوں سے یہ روایت کی ہے کہ حضرت حنظلہ کے بیٹے حضرت عبداللہ نے بقسم فرمایا کہ یزید پر ہم لوگوں نے اس وقت خروج کیا جب ہمیں خوف ہو گیا کہ اس کی معصیت کوشیوں کی وجہ سے ہم لوگوں پر آسمان سے پتھر اڑا دیا جائے گا وہ ایسا گناہ کا مجسمہ بن گیا کہ

وكان سبب خلع اهل المدينة . ان يزيدي اسرف في المعاصي . واحسب ج الواقدى من طرق ان عبد الله بن حنظلة بن غسيل قال والله ما خرجنا على يزيدي حتى خفنا ان نومي بالحجارة من السماء انه رجل ينكح امهات الاولاد والبنات والامخوات ويشرب الخمر ويدع الصلوة قال الذهبي ولما فعل يزيدي باهل المدينة ما فعل مع شربه

الخمر واتیامہ المنکرات اشتد
علیہ الناس وخرج علیہ
غیر واحد ولم یبارک اللہ
فہ عمرہ - الخ

ماؤں، بیٹیوں، بہنوں سے نکاح کرتا اور شراب
پیتا اور نماز نہیں پڑھتا۔ علامہ ذہبی نے فرمایا
کہ جب یزید نے اہل مدینہ کے ساتھ شراب نوشی
اور ارتکاب منکرات کی علاوہ برا سلوک کیا اس

پر ہم لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا اور اس کے خلاف بہتوں نے خروج کیا اور قدرت نے پھر اس
کی زندگی و حیات سے برکت اٹھالی الخ۔

الغرض اس عبارت کو بغور پڑھیے اور فیصلہ کیجئے کیا ایسے کردار کا انسان متقی ہوگا۔
عادل ہوگا، خلیفہ برحق ہوگا۔ کون سے منکرات ہیں جو اس میں نہ تھے۔ اور کونسی نیکیاں اور
خوبیاں ہیں جو اس میں تھیں۔ ایسوں کا مداح کیسا اور کیا ہوگا۔

کیا اس کی عدالت و اتقا کے لیے کوئی دوسری مخصوص شریعت تھی جو اہل رسول و مدینہ۔
النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسی ایسی بے حرمتی کی گئی ہے جس کا اہل ایمان کس طرح تذکرہ
کرے، وہ مدینہ طیبہ اور اہل مدینہ جن کے متعلق سرکار نے فرمایا:-

من اخاف اهل المدينة اخافه الله
وعليه لعنة الله والملائكة
والناس اجمعين -
جس نے اہل مدینہ کو ڈرایا اس کو اللہ تعالیٰ
ڈرائے گا اور اس بد نصیب پر اللہ تعالیٰ اور جملہ
فرشتوں اور کل انسانوں کی لعنت ہوگی۔

اس نے صرف ڈرایا ہی نہیں بلکہ بہت سے صحابہ کرام کو سر زمین طیبہ میں حضور کے
روبرو قتل کیا اور مدینہ پاک کو لوٹا اور ہزاروں عصمت مآب اسلام کی بیٹیوں کی آبروریزی
کی ہے ان کرتوت پر لعنتوں کی کوئی حد ہوگی!

حرم مکہ شریف جس کی عزت و شرف یہ ہے کہ صرف سرکار کے لیے فسح مکہ کے دن چند
ساعتوں کے لیے قتال حلال کیا گیا ورنہ وہاں قتل و خون کا سوچنا کیسا بلکہ جوں چلیریک کو مارنے
کی اجازت نہیں، وحشی پناہ گیر جانور کے آرام و سکون میں خلل ڈالنے کی اباحت نہیں۔

مگر اس سنگ اسلام بد نصیب شقی ازلی یزیدی کا یہ کارنامہ ہے جس نے مدینہ منورہ کی
بے حرمتی اور لوٹ کھسوٹ کے بعد مکہ معظمہ کی ہتک حرمت کی خاطر لشکر کشی کرائی۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر سے لڑنے کے جو شش میں اس نے خانہ کعبہ کا بھی کچھ پاس ادب ملحوظ نہ رکھا۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں :-

یزیدی لشکر مدینہ طیبہ کی تاراجی کے بعد مکہ معظمہ آیا حضرت ابن زبیر کا محاصرہ کر لیا اور ان سے قتال کیا اور ان پر منجنیق کے ذریعہ آتشبازی کی۔ یہ واقعہ صفر مہینہ ۶۳ھ میں رونما ہوا جس آگ کے شعلوں سے کعبہ کے پردے اور اس کی چھت جل گئی اور اس مینڈھے کی دو سینگھیں بھی جل گئیں جو حضرت اسماعیل کے فدیہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت سے بھیجا تھا اور وہ

واقوا مکة فحاصرو ابن الزبير و قاتلوه و رموا بالمنجنیق في مفر سنة اربع وستين و اخترقت من شرارة نيرانهم استاره الكعبة و سقفها و قرنا الكعبش الذي فدى الله به اسماعيل و كان في السقف و اهلك الله يزيد في نصف شهر ربيع الاول من هذا العام۔

دونوں سینگھیں کعبہ کی چھت میں تھیں، اللہ تعالیٰ نے یزید کو اسی سال ربيع الاول کے نصف مہینہ گزرتے ہی ہلاک فرما دیا۔

دیکھنا یہ ہے یزید کا تقویٰ اور عدالت اور اس کی خلافت حقہ ان حقائق سے آنکھ میچ کر چھوٹ کا طومار باندھنا کس انسان کی سیرت ہوگی اس کا فیصلہ قارئین ہی فرمائیں۔ اولادِ رسول سے یزیدی ظلم کا آغاز ہوا خواب گاہِ محبوب کبریٰ تک پہنچا آخر حرمِ خدا تک آکر منتہی ہوا اور اس انتہائے ظلم کے ساتھ ظلم و عدوان کے عفریتِ اکبر کا بھی چراغِ زندگی بجھ کر خاک میں مل گیا۔ ذرا اس عبارت کو بھی پڑھ لیجئے۔ علامہ سیوطی لکھتے ہیں کہ

”حضرت امام عالی مقام حسین علیہ السلام جب کوفیوں کے مسلسل بلاؤں کے خطوط سے مجبور ہو کر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے ابھی راستہ ہی میں تھے کہ کوفیوں نے بے وفائی شروع کر دی“

یعنی کوفیوں نے حضرت کا ساتھ چھوڑ دیا، جس طرح کوفہ والوں کا برتاؤ اس کے پہلے حضرت علی کیساتھ ہو چکا تھا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

فخذ له اهل الكوفة كما هو شانهم مع ابيه من قبله۔

فلما رهبه السلاح عرض عليهم الا
 ستسلام والدجوع والمضئى الى يزيد
 فيضع يده ف يده ف نابوا
 الا قتلوا فقتل وجبى براسه فى
 طست حتى وضع بين يدي ابن
 زياد لعن الله قاتله و ابن زياد
 معه و يزيد ايضا -

جب اسلحہ جنگی کا سیلاب سامنے آگیا تو حضرت
 امام نے ان لوگوں کے سامنے صلح و سلامتی کا
 پیغام پیش کیا اور انقیاد کی دعوت دی۔
 جس کے لیے انہیں لوگوں نے مکہ کے گوشہ
 عافیت سے آپ کو زحمت تکلیف دی تھی
 اور یہ منظور نہ ہو تو جہاں سے تشریف لائے
 تھے وہیں لوٹنے دیں یا زید تک آزادانہ جانے
 دیں تاکہ اسی کے ہاتھ میں ہاتھ رکھ دیں گے بیچ میں دلالی کی ضرورت کیا، مگر شرارت کے تیلوں
 نے آپ کو شہید کرنے کے سوا کسی تجویز کو تسلیم نہیں کیا۔ اور بالآخر آپ شہید کیے گئے اور
 آپ کا سر پاک ایک طشت میں لایا گیا اور ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ اللہ کی لعنت ہو
 آپ کے قاتل پر اور ان کے ساتھ ابن زیاد پر اور زید پلید پر بھی۔

حضرت امام کی شہادت کے درد انگیز واقعات پر علامہ سیوطی نے جس کرب و اضطراب
 کا اظہار کیا ہے وہ اس عبارت سے روشن ہے۔

وفى قلبه قصة فيها طويل لا يجملى القلب
 ذكرها فان الله وانا اليه راجعون -
 یعنی آپ کی شہادت کے قصے دراز ہیں جس کے
 ذکر کو قلب برداشت نہیں کر سکتا۔

قارئین حضرات کے سامنے ان عبارتوں کے صرف اسی پہلو کو رکھتا ہوں کہ عادل،
 متقی، خلیفہ برحق پر لعنت کی بوچھاڑ ہو سکتی ہے۔ علامہ سیوطی کی نگاہ میں زید کیا ہے۔
 اس کے کردار کیسے ہیں خود غور فرمائیں۔

کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ حضرت امام علیہ السلام نے آخر زید کے ہاتھ میں ہاتھ
 دینے کی شرط کیوں رکھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر امام اس کی بیعت کو صحیح سمجھتے تو اول ہی
 دن مدینہ میں بیعت کر لیتے۔ مدینہ چھوڑ کر مکہ کیوں آتے۔ پھر زید کے نائبوں ہی کے
 ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔ بیعت کے لیے زید کے مخصوص ہاتھ ہی کی کیا ضرورت تھی۔ اس سے
 امام کا مقصد صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ ان عذاروں کے سامنے آپ یہ حقیقت رکھنا چاہتے

یہ کہ میں خود نہیں آیا تم نے اپنی بیعت لینے کے لئے بلوایا یہ کیا الٹا معاملہ ہے، بلا یا کس کام کے لئے اب بلا کر مجھ سے بیعت لے رہا ہے تم اگر اپنی سابق باتوں پر قائم نہیں ہو تو میری راہ سے الگ ہو جاؤ، میں واپس ہو جانا ہوں یا میں یزید سے براہ راست بات کر لیتا ہوں اس میں دخل دینا تمہارے منصب سے باہر ہے۔ علامہ سیوطی کی جتنی عبارتیں نقل کی گئی ہیں یہ سب تاریخ الخلفاء میں "یزید بن معاویہ ابو خالد الاموی" کے تحت عنوان موبود ہے جو دیکھنا چاہیں وہاں دیکھ لیں۔

دو عظیم محدثین کی گواہی کے بعد کچھ تاریخی شواہد بھی زیر نظر آجائیں تو اچھا ہے۔

تاریخ ابوالفداء جزو اول

عن الحسن البصری انه قال اربع
خصال کن فی معاویہ لو لم یکن فیہ
الا واحدۃ لکانت مریقتہ وہی
اخذ الخلفۃ بالسیف من غیر
مشاورۃ و فی الناس بقایا الصحابہ
ذوالفضلہ واستخارفہ وابنہ یزید
کان سکیراً خمیراً یلبس الحدیر ویضرب
الطنابیر

حضرت حسن بصری سے حضرت معاویہ کج خلق
جو ان کی تنقید منقول ہے وہ یہ ہے کہ حضرت
حسن بصری نے فرمایا کہ امیر معاویہ میں چار باتیں
ایسی تھیں کہ اگر ان میں کی ایک ہی ہوتی تو
بھی ان کی آخری ہلاکت کے لئے کافی تھی
چہ جائیکہ چار چار ہلاکت آفریں بائیں۔ ان
چار میں کی پہلی بات یہ تھی کہ امیر معاویہ نے
شورای کے بغیر بزور تلوار خلافت پر قبضہ کیا

حالانکہ اس وقت صاحب فضیلت کافی صحابہ موبود تھے، دوسری بات یہ ہے کہ انہوں نے
اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنا دیا حالانکہ یزید بڑا نشہ باز شرابی تھا۔ یہی لباس پہنتا اور طنبور
بجایا کرتا تھا۔

ہمیں اس وقت صرف یزید کی پارسائی، تقویٰ اور طہارت کے خلاف تاریخی ثبوت مہیا
کرنا ہے وہ اس عبارت سے واضح ہے کہ وہ بڑا ہی نشہ باز و شرابی تھا، اسے شرعی شرمات
کی کچھ پروا نہ تھی۔ حدود الہی سے بے باکانہ مکرانا تھا، اس کی عدالت و انصاف کی ثنا تو انہی
کرت وائے اس عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت حسن بصری نے جو امیر معاویہ کے متعلق

اپنی رائے ظاہر فرمائی ہے اس پر تنقید کا یہ موقع نہیں ہے اس لئے اس بات کو میں نظر انداز کرتا ہوں۔

تاریخ طبری. علامہ طبری نے حضرت ابن زبیر کی اس تقریر کو نقل کیا ہے جو آپ نے مکہ جلد ششم شریف کے اندر امام حسین کی شہادت کے بعد کی تھی اس تقریر کا وہ حصہ جس میں یزید کے مقابلہ میں امام حسین کی شخصیت دکھائی گئی ہے یہ ہے

والله لقد اتوه طويلا بالليل قياما
كثيرا في النهار صياما احق بما هم
فيه منه واولى به في الدين و
الفضل اما والله ما كان يبذل
بالقرآن الغنائم ولا بالبا من خشية
الله الحداء ولا بالصيام شربا
لحرام ولا بالمجالس في حلق الذكر
الراكض في تطلاب الصيد
يعرض بيزيد فسرف يلقون
غيا

اللہ کی قسم یزیدوں نے اس ذات گرامی کو
شہید کیا جس کا حضور الہی میں ملت کو قیام دراز
ہوتا تھا اور ہون کو کثرت سے روزہ دار رہتے
تھے وہ ان شخصیتوں سے زیادہ احق خلافت
تھے دین و نسل میں اس سے اولیٰ تھے اللہ کی
قسم حضرت حسین قرآن کے بدلے گانے میں مشغول
نہ تھے وہ اللہ کے خوف سے رونے کی بجائے
لوہ میں مشغول نہ تھے اور نہ روزہ کے بدلے
شراب نوشی میں محو تھے اور نہ ذکر خدا کی مجلسوں
کو چھوڑ کر شرکار کے محل داوہ تھے۔

ان باتوں کا تذکرہ کر کے حضرت ابید پر نے یزید کی طرف تعریض کی پھر آخر میں فرمایا کہ
عنقریب یہ بد بخت جماعت جہنم کی واوی غنی میں ڈالی جائے گی۔

اس عبارت کے مطالعہ سے یزید کی خوفناک زندگی اس کی بیباک اور بیخبر سیرت آنکھوں
کے سامنے آجاتی ہے حضرت امام قائم اہل اور سالم الشہار تھے۔ یزید کی رات شراب نوشی اور
دن شرکار بازی میں گزرتے تھے۔ امام حسین کا نصب العین قرآن تھا اور یزید کا مطمح نظر غنا
و نعمہ تھا۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے کون مناسب دین و دیانت ایسا ہوگا جو یزید کی
تقویٰ شکاری کا نزلہ دے گا وقت کی قلت کا ممل کی کثرت اور مضمون کے ارمان کی شبہت
نے مجبور کیا کہ اتنے ہی پر اکتفا کروں ورنہ یزید کے فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی اتنی دراز
کہانی ہے جو چند صفحوں میں سموی نہیں جاسکتی ہے۔ وَاللّٰمُ اَعْلَمُ بِالصّٰوَابِ۔

(مولانا سید الزماں)

خلافت معاویہ و یزید

تاریخ کی روشنی میں

برصغیر میں انگریزوں نے اپنی عیالیوں اور وسیعہ کاریوں سے جب پورے طور پر اپنے قدم جما لئے تو انہیں محسوس ہوا کہ ہندوستانی قومیں اور بالخصوص مسلمان سخت قسم کا مذہبی تشدد رکھنے والے لوگ ہیں۔ اپنی قومی دایات و اسلاف کی حرمت و عزت کی بقائے لئے جان دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے چنانچہ ۱۸۵۷ء کی جونا کام جنگ آزادی لڑی گئی۔ اسی مذہبی تشدد کا نتیجہ تھی جس میں مسلمان بہت زیادہ پیش پیش تھے۔ اس جنگ پر قابو پالینے کے بعد انگریزوں کا وہ احساس اور زیادہ قوی ہو گیا اور انہیں لگنے ہوئی کہ مسلمانوں کو اسلاف کے نقش قدم سے ہٹا کر اک نئی ڈگر پر لگانا چاہیے تاکہ ان کی مذہبی روح مردہ ہو جائے کیونکہ جب تک اسلاف سے وابستگی رہے گی دین کی خالص روح ان کے دل اور دماغ میں رہتی رہے گی اور ان کا تلی جوش ہمیشہ استوار رہے گا جس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ جب بھی ان کے مذہبی امور میں کسی قسم کی مداخلت ہوگی سر سے کفن باندھ کر پھر میدان میں نکل پڑیں گے۔ ان کے ایمانیات و روحانیات کا کتاب و سنت جو حقیقی سرچشمہ ہے براہ راست اس سے کسی طرح نہیں کٹ سکتے۔ اس لئے ان کا مذہبی جوش ختم کرنے کا واحد علاج یہی ہے کہ اسلاف سے ان کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔ اس کام کے لئے بعض لوگ انگریزوں کو نہایت آسانی سے بل گئے۔ انہوں نے ائمہ دین و سلف صالحین کی تشریحات کے خلاف، سوادِ اعظم سے الگ ہو کر دین کو مسخ کرنا شروع کیا۔ قرآن کریم کی تفسیر بالرائے میں نہ صرف اقوال ائمہ و آثارِ سماویہ بلکہ احادیث

نبویہ کے علی الرغم ایک نئی راہ پیدا کر لی اور انگریزوں کی محمد براری کا کما حقہ حق ادا کیا۔

اگرچہ وہ لوگ اپنے مقصد میں پورے طور پر کامیاب نہیں ہوئے تاہم ایک طبقہ کی فکری رو کو دوسری طرف موڑ دیا۔ یہ طبقہ ریسرچ اور تحقیق کا نام لے کر مذہبی اور غیر مذہبی ہر قسم کے مضامین میں حصہ لینے لگا یہاں تک کہ اپنی دماغی اہمیت سے قرآن کریم کے جو معانی و مطالب سمجھ لئے اسی کو بنیاد بنا کر عمارت تعمیر کرنا شروع کر دی۔ وہ آئمہ دین اور اساطین ملت جنہوں نے تحصیل علم میں عمریں صرف کر کے اسلام کی روح کو سمجھا اور دین کے چشمہ صافی کو ہر کدورت سے محفوظ رکھا ما انا علیہ واصحابی کو صراط مستقیم پر ہمیشہ گامزن رہے ان کے اقوال کی اس طبقہ کے نزدیک کیا حیثیت ہو سکتی ہے۔ اس کا تو خیال ہے کہ احادیث نبویہ کا پورا ذخیرہ دریا برد کر دینا چاہیے (معاذ اللہ) ڈاکٹر نلام بیلائی برقی وغیرہ کے لٹریچر دیکھ کر اس کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس وقت ایک نئی ریسرچ اور تحقیق سامنے آئی ہے اگرچہ اس میں بخاری مسلم وغیرہما کتب احادیث و تاریخ اور اقوال آئمہ و علمائے اسلام کو تحقیقی مواد کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ لیکن مذکورہ بالا ذہنیت پوری تحقیق میں جھلک رہی ہے کیونکہ سواد اعظم سے الگ چند مفروضے پر ریت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ نئی تحقیق محمود احمد غناباسی کی کتاب "خلافت معاویہ و یزید" ہے اس کتاب کا مرکزی نغظ جس پر پوری کتاب گردش کر رہی ہے یہ ہے۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سبائی گروہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کی کوشش و تائید بلکہ اصرار سے قائم ہوئی تھی اور اکابر صحابہ نے بیعت سے گریز کیا، اس لئے خلافت مکمل نہیں ہوئی اور قدرت کے باوجود قصاص نہیں لیا گیا۔ گویا امت میں جو انتشار پیدا ہوا اس کی ساری ذمہ داری آپ کے سر ہے۔

(۲) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح محض اس

وجہ سے تھی کہ خلافت کی دنگلگانی کشتی ساحل تک سلامتی کے ساتھ پہنچانے کی بدرجہ اہل بیت بمقابلہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں نہیں تھی اور یہ صلح اپنی پارٹی کی کمزوری اور پورے ہندو گوارہ کی وصیت کے پیش نظر تھی۔

یزید کی ولی عبدی جائزہ اور حق ہے کیونکہ اس پر صحابہ کا اجماع ہو چکا تھا۔ حتیٰ کہ حضرت امام حسین نے بھی ولی عبدی کی بیعت کر لی تھی جیسا کہ آپ کے طرز عمل سے ثابت ہوتا ہے۔

یزید کی بیعت خلافت پر جب تمام لوگ متفق ہو گئے تو چند نفوس کا بیعت سے انکار کوئی معنی نہیں رکھتا۔ لہذا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا یزید کی بیعت نہ کرنا اور کوفہ کی طرف رخ کرنا خلیفہ برحق کے خلاف بغاوت تھی جس کی پاداش میں ان کا ظلم نہیں بلکہ حق کے ساتھ قتل کیا گیا بنا یہیں اس سلسلہ میں یزید عمر بن سعد وغیرہ وغیرہ بے قصور ہیں اور امام پر کہ بلا میں پانی بند کرنا وغیرہ مظالم محض افسانہ ہیں۔

یزید کے کردار کے بارے میں قلم پر اپنی گندہ سے اب تک لوگ غلط فہمی میں مبتلا تھے یہ نہایت پاک طینت، پارسا، عمل گستر، مسلمانوں کا خیر خواہ، بہمہ صفات حسنہ منصف تھا، فتنہ حرہ کے مظالم کا یزید کے دامن تقدس پر کوئی دھبہ نہیں۔

انہیں مفروضات پر عباسی صاحب نے بزمِ توحش ایک تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے اور کتاب موقر کرنے کے لئے کثرت سے تاریخی شواہد اور استدلال میں زور پیدا کرنے کے لئے علماء اسلام کے اقوال پیش کئے ہیں لیکن ان کی حقیقت کیا ہے؟ کہیں ترجمہ میں خیانت کہیں عبارت کا مفہوم سمجھنے سے قاصر، کہیں عبارت میں تحریف، کہیں مفید مطلب کی تھوڑی سی عبارت لے لی گئی ہے حالانکہ سیاق و سباق کچھ اور بتا رہا ہے۔ کبھی کسی مورخ کو ناقابل اعتماد ٹھہراتے ہیں پھر اسی کو استشہاد میں پیش کرتے ہیں۔ سب سے عجیب چیز یہ ہے کہ طریق استدلال انتہائی پلچر ہے ایسی صورت میں جو نتیجہ نکلے گا اس کی حیثیت ظاہر ہے۔ الغرض تاریخی حیثیت سے یہ کتاب بالکل ساقط الاعتبار ہے۔ اس کو تاریخی کارنامہ قطعاً نہیں کہا

جاسکتا۔ ان امور کے بارے میں مناسب موقع پر کلام کیا جائے گا۔ فی الحال امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی خلافت کے بارے میں عباسی صاحب کی جو تحقیق ہے اس کے متعلق اجماعی اور صحیح موقف پیش کرنا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس مسئلہ پر جس انداز سے آپ نے خامہ فرسائی کی ہے اس کی اجازت، کتاب و سنت دیتی ہے یا نہیں پھر اس کی تالیفی حیثیت کیا ہے؟ کتاب کی ابتداء جہاں سے ہوتی ہے اس کا عنوان ”حضرت علی کی بیعت اور سبائی اپنی ہے اس کے تحت چند سطروں کے بعد آپ لکھتے ہیں۔

”یہ بیعت چونکہ باغیوں اور تاتلوں کی تائید سے بلکہ اصرار سے ہوئی تھی اور یہ خلافت ہی حضرت عثمان ذی النورین جیسے محبوب خلیفہ راشد کو ظلماً اور ناحق قتل کر کے سبائی گروہ کے اثر سے قائم کی گئی تھی نیز قاتلین سے قصاص جو شرعاً واجب تھا نہیں لیا گیا تھا اور نہ قصاص لئے جانے کا کوئی امکان باقی رہا تھا کیونکہ یہی باغی اور تاتل اور اس گروہ کا بانی مبنی عبد اللہ بن سبأ سبائین کے گروہ میں نہ صرف شامل بلکہ سیاست وقت پُر اثر انداز رہے، اکابر صحابہ نے بیعت کرنے سے گریز کیا اس لئے بیعت خلافت مکمل نہ ہو سکی“ (انتہی)

اس میں تین باتیں قابل لحاظ ہیں، اولاً آپ نے مولائے کائنات کا دامن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خون ناحق سے داغ دار کیا۔ ثانیاً موسوف کو حد شرعی قائم نہ کرنے کا مجرم ٹھہرایا۔ ثالثاً آپ کی خلافت قائم نہ ہو سکی۔ اللہ اللہ! جن کی ظہارت و پاکیزگی عدالت و نزاہت اور جنتی ہونے کی خداوند قدوس شہادت دے ان کی شان میں لایعنی مفروضے پر یہ جسارت۔

لقد رضی اللہ علی المؤمنین
اذ یبالیعونک تحت الشجرة فعلم
ما فی قلوبہم۔
بیشک اللہ راضی ہوا ایمان والوں سے جب
وہ اس درخت کے نیچے تمہاری بیعت کرتے
تھے تو اللہ نے جانا جو انکے دلوں میں ہے۔

اور سب سے اگلے پہلے مہاجر اور انصار اور
وہ لوگ جو بھلائی کیساتھ ان کے پیرو ہوئے
اللہ ان سے راضی ہو اور وہ لوگ اللہ
سے راضی ہوئے۔

تم میں برابر نہیں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ
سے قبل خیر اور بہادری کیا وہ لوگ تم سے ہیں
بڑے ہیں جنہوں نے فتح مکہ کے بعد خیر اور
جہاد کیا اور ان سب کیلئے اللہ جنت کا وعدہ
فرما چکا۔

بیشک وہ لوگ جن کے لئے ہمارا وعدہ
بھلائی کا ہو چکا وہ جہنم سے دور رکھے
گئے ہیں۔

متعدد حدیثوں میں سرور کائنات سلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام کی شان
میں لمن وثبتت سے سخت منع فرمایا ہے اور ان کے بنتی ہونے کی خبر دی ہے۔
امام ترمذی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن مغفل سے حدیث نقل کی ہے۔

تم میرے اصحاب کے بارے میں کچھ کہتے
ہوئے اللہ سے ڈرو ان کے میرے بعد اپنے
ظعن و تثبت سے نشانہ نہ بناؤ، جو شریکوں ان سے
محبت رکھتا ہے وہ مجھ سے محبت رکھنے
کے باعث اسے محبت کرتا ہے اور جو اسے
بغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ
سے اسے بغض رکھتا ہے جس نے انکو کلیف
پہنچائی اس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اور

والتابون الاذکون من
المہاجرین و الانصار و الذین
اتبعوہم باحسان رضی اللہ
عنہم و رضوا عنہم۔

لا یستوی منکر من الفق
من قبل الفتح و قاتل اولادک
اعظم و رحبتہ من الذین انفقوا
من بعد و قاتلوا و کلا وعد اللہ
الحسنی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ
مِنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِكَ عَنْهَا
مُبَعَّدُوْنَ۔

اللہ انہما فی اصحابی لا تتخذوا
من بعدی غرصا فمن اجبہد
فبغضنی اجہم ومن ابغضہم
فبغضنی ابغضہم ومن اذا ہم
فقد اذانی و من آذانی فقد
اذی الیہ و من آذی الیہ
یوشک ان یاخذہ۔

ترمذی ج ۲ صفحہ ۵۲۶

ہوئے۔ جو کتب بیعت پنپائی اس نے اللہ کو تکلیف پہنچائی اور قریب ہے کہ اللہ ان کو اپنی گرفت میں لے لے۔

حضرت جابر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیعت رسول کرنے والوں میں سے کوئی بھی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔

عن جابر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا يدخل النار احد ممن باء تحت الشجرة۔ (الرواؤد ج ۲ ص ۲۶۵، ترمذی ج ۲ ص ۲۲۶)

سوسنا سفرت علی کرم اللہ وجہہ سے اگر کوئی شخص اپنے دل میں تنگی محسوس کرتا ہو یا کسی قسم کی کدورت رکھتا ہو اسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی پر غور کرنا چاہیے۔

مساور حمیری نے اپنی والدہ سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کی بیعت میں گئی تو ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے حضرت علی سے منافق محبت کرے گا اور نہ مومن بغض رکھے گا۔

المساور الحمیری عن امه قالت دخلت علی ام سلمہ قسمتها تقول کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یحب علیاً منافق ولا یبغضہ مومن۔ (ترمذی جلد ۲ ص ۳۲۳)

تاریخ و سنت کی روشنی میں سواد اعظم، مذہب اہل سنت والجماعت کا اب تک اجماعی مسلک رہا ہے کہ اصحاب کرام کی شان میں کسی قسم کی تحقیر و تنقیض اور ان کے آپس کے مشاجرات پر کسی پر فضیلت کا رتبہ لگانا اپنی عاقبت خراب کرنی ہے۔

صحابی رسول کی پیروی ہمارے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔

اصحاب انجور یا یحرا قدیم میرے اصحاب تبارک کی طرح ہیں ان میں ہندو ہیں۔

اسی وجہ سے امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ متوفی ۲۴۱ھ نے مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں خاموش رہنے کی تصریح فرمادی ہے۔ قلب لاقطاب حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ غنیۃ الطالبین میں تحریر فرماتے ہیں۔

لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بناگ کرنا حضرت
طلحہ وزبیر و عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم سے
تو امام احمد علیہ الرحمۃ نے اس سے (اس کے
بارے میں نکتہ چینی کرنے سے) اور ان تمام لڑائی
جھگڑوں سے جو ان کے درمیان تھے باز رہنے
کی تصریح فرمادی ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ
قیامت کے دن ان جھگڑوں کو ان کے درمیان
سے دور کر دیگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے
اور ہم نے ان کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے
سب کھینچ لئے آپس میں بھائی کی طرح تختوں
پر روبرو بیٹھے ہوں گے۔

اما قتالہ مرضی اللہ عنہ بطحا
والذبیر و عائشہ و معاویہ فقد
نص الامام احمد رحمۃ اللہ علیہ
علی الامساک عن ذلک و جمیع ما شجر
بینہم من منازعہ و منافرة و
خصومة لان اللہ تعالیٰ یزل ذلک
بینہم یوم القیامۃ لما قال عز
جل و نزولنا ما فی قلوبہم من غل
اخوانا علی سُریر متقابلین۔

رغیۃ اللطائف جلد اول ص ۱۸۰۔

رابوایت والجواب جلد ۲ ص ۴۰۔

پھر اس کے بعد ص ۸۸ پر فرماتے ہیں۔

اور اہل سنت نے ان کے درمیان جو مخالفت
تھی اس سے باز رہنے اور ان کی برائی بیان کرنے
سے بچنے اور ان کے محاسن و فضائل کو ظاہر
کرنے اور جو اختلاف حضرت علی و طلحہ و زبیر و
عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم کا پیدا ہوا ان
کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنے کے
واجب ہونے پر اتفاق کیا ہے جیسا کہ ہم
پہلے بیان کر چکے ہیں۔

و اتفق اهل السنہ علی وجوب
الکف عما شجر بینہم و الامساک
عن مساویہم و اظہار فضائلہم
و معاسنہم و تسلیم امرہم
الی اللہ عز و جل علی ما کان و جری
من اختلاف علی و طلحہ و الذبیر
و عائشہ و معاویہ رضی اللہ عنہم
علی ما قدمنا۔

عباسی صاحب نے گری پڑی روایتوں کا جو انبار لگایا ہے، کتاب، سنت کے
سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ آپ نے ایک خیال قائم کر لیا۔ اس کی تائید میں سب کچھ کر
گزرے ہیں۔ نہ ان کے بارے میں غور کیا اور نہ صحت و سقم پر کھنے کی کوشش کی۔ امام

عبدالوہاب شمرانی فرماتے ہیں۔

ولا التفات الى، ايذكره بعض
احوال السير فان ذلك لا يصح و
ان صح فله تاويل صحيح وما احسن
قال عمر ابن عبدالعزيز رضي
الله عنه تلك دماء ظهر الله
تعالى منها سيوفنا فلا نخضب
بها السنتا۔

(البيوآقیت والحوابر جلد ۲ ص ۷۷)

بعض اہل سیر جن باتوں کو ذکر کرتے ہیں یہ آقابل
توجہ ہیں کیونکہ صحیح نہیں ہیں اور اگر صحت ثبوت
بھی ہو جائے تو صحیح تاویل ہو جائے گی کتنی اچھی
بات حضرت عمر ابن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے
فرمائی کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس
خون (جنگ ہبل و سفین) سے ہماری تلواروں
کو پاک رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو اس سے
الودہ نہیں کریں گے۔

خلافت علی کی شرعی حیثیت

عباسی صاحب نے جو مقدمات قائم کئے اور ان سے جو نتیجہ نکالا کہ "حضرت علی کی بیعت
خلافت مکمل نہ ہو سکی" اس کا مطلب یہ ہے کہ شرعاً یہ خلافت قائم نہیں ہوئی کیونکہ اگر یہ
مطلب لیا جائے کہ تمام اصحاب و المرأت کے مسلمان اس بیعت پر جمع نہیں ہو سکے تو
ظاہر ہے کہ اس کا کون منکر ہو سکتا ہے (خواہ موافق یا مخالف) کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے
ذریعہ اثر لوگوں نے بیعت نہیں کی تھی لہذا پہلی صورت کو متعین کرنے کے لئے آپ نے
"ازالة الخفاء" کے حوالے سے شاہ ولی اللہ صاحب کا قول مستعمل نقل کیا ہے۔

خلافت برائے حضرت مرتضیٰ قائم
نہ شد زیرا کہ اہل حل و عقد عن اجتهاد
ونصیحنا للحملین بیعت نہ کر د۔
خلافت حضرت مرتضیٰ کے قائم نہ ہونی
کیونکہ اہل حل و عقد نے اپنے اجتہاد سے
اور مسلمانوں کو بیعت کی غرض سے ان سے
بیعت نہیں کی۔

(ازالة الخفاء)

ناظرین پہلے اس خلافت کی شرعی حیثیت سمجھ لیں، اس کے بعد عباسی صاحب کے
حوالہ کی حقیقت ملاحظہ کریں۔

اس نلافیت کے شرناق ہونے کی خبر خود سرور کائنات نے اشدّۃ دیدی ہے۔

ابو ہریرہ نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
اکثر فرماتے۔ اے عمار تجھے باغی جماعت
قتل کریگی۔

اخرج الترمذی عن ابی ہریرۃ قال
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر
یا عمار نقیۃ الفئۃ باغیۃ۔

حدیث ۲ ص ۲۱

شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی کثرت و روایت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر روایاتوں
سے مروی ہے کہ حضور نے عمار سے فرمایا تجھے
باغی جماعت قتل کریگی۔ دوسرے لوگوں میں
اس کی روایت حضرت عمار و عثمان و ابن مسعود
و حذیفہ و ابن عباس سے کی گئی (رضی اللہ عنہم اجمعین)
اور واقعہ بتاتے ہیں کہ عمار نے عمار کے قتل کے
بارے میں وہ چیز جس پر اجماع کیا گیا ہے
کہ ۹۳ سال کی عمر میں ۳۱ھ میں حضرت علی
کی حمایت میں سفین میں قتل ہوئے اور وہیں
سفین میں دفن ہوئے۔

وقد تواترت الروایات عن النبی
صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال العمار
تقتلک الفئۃ باغیۃ۔ مروی ذالک
عن عمار و عثمان و ابن مسعود و
حذیفۃ و ابن عباس فی آخرین
وقال الواقدی والذی اجمع علیہ
قتل عمار انہ قتل مع علی بصفین
سنۃ سبع و ثلاثین و هو ابن
(۹۳) سنۃ و دفن هناك بصفین۔

(تہذیب التہذیب ج ۳، ص ۲۱)

اس حدیث کے پیش نظر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نلافیت حق

ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ انتخاب خلیفہ کا جو طریقہ اس بیعت خلافت سے پہلے رائج تھا
وہی طریقہ شوریٰ اس میں بھی اختیار کیا گیا تھا چنانچہ امام عبدالوہاب شعرائی فرماتے ہیں۔

اور بالا جماع امام حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت عمر ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مقرر
کرنے سے پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مقرر
کرنے سے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقرر

وکان الامام بالاجماع ابابکر
ثم عمر بنص ابی بکر رضی اللہ عنہ علیہ
ثم عثمان بنص عمر علیہ ثم علی بنص
جماعۃ جعل الامور شوریٰ بینہم

فازند اور بیستخلفن احدا۔
مقرر کرنے سے جس کے درمیان امر خلافت
شورشی کیا گیا تھا کیونکہ حضرت عثمان نے کسی
کو خلیفہ منتخب نہیں کیا تھا۔
(ایوانیت والخواہر جلد ۲ ص ۵۵)

شاہ دلی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔
فما لنبوت القصدت بوفات
النبي صلى الله عليه وآله وسلم و
المخلافۃ التي لا سيف فيها بمقتل
عثمان والمخلافۃ بشهادة علي كرم
الله وجهه وخلع الحسن رضى
الله عنه الى ان استقر امر
معاوية (جلد ۲ ص ۲۱۲)

پس نبوت ختم ہو گئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے وفات پا جانے سے اور وہ خلافت جس
میں تلوار نہیں چلی حضرت عثمان کی شہادت سے
اور خلافت ختم ہو گئی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ
الکریم کی شہادت اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی
دست برداری سے یہاں تک کہ حضرت معاویہ
کا امر ثابت ہو گیا۔

ان تصریحات کے بعد عباسی صاحب کے دعوے کی حقیقت مراب کی سی رہ جاتی ہے
اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے ازالۃ الخفاء سے شاہ صاحب کا جو قول نقل کیا ہے
اس میں آپ نے وہ خیانت کی ہے کہ دیانت و تقویٰ کے گلے پر کتہ چھری پھیر دی ہے
اسی کو آپ نے ریسرچ کا نام دیا ہے۔

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں جب مولائے کائنات کی خلافت کا بیج اور
حق ہونا تحریر فرماتے ہیں تو ازالۃ الخفاء میں کیسے لکھ سکتے ہیں "خلافت برائے حضرت
مرتنی قائم نہ شد" کیونکہ دونوں میں تضاد ہے لہذا یہ آپ کی کرامت کا نتیجہ ہے
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ سازہ کرتے

نمود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس خلافت سے اختلاف نہیں بھتا
مولائے کائنات کے مقابلہ میں اپنے آپ کسی طرح مستحق خلافت نہیں سمجھتے تھے ان کے
اختلاف اور بیعت نہ کر نیکی بنیاد دوسری وجہ تھی (عباسی صاحب آپ تک اسی غلط
فہمی میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ امام عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں۔

کماں بن شریف نے کہا کہ سہروردی علی اور
معاویہ کے درمیان جو نزاع تھی اس کا مطلب
یہ نہیں ہے کہ امارت میں نزاع تھی بیہیہ کہ
بعض لوگوں کو اس کا وہم ہو گیا۔ سہروردی
اس وجہ سے تھی کہ ثنائین عثمان رضی اللہ عنہ
کو ان کے خاندان والوں کو سپرد کر رہے تھے تاکہ
یہ لوگ ثنائین سے فتناس لیں۔

قال الکمال بن شریف وليس
لمراد بما شجر بين علي ومعاوية
المنازعة في الامارة كما توهمته
بعضهم انما المنازعة كانت بسبب
تسلح قتل عثمان رضي الله تعالى
عنه الى عشيرتهم ليقتصوا منهم
(البيوات والجواب جلد ۲ ص ۵۵)

(مولانا محمد شفیع اعظمی)

تمت بالخیر

اے کربلا کی خاک تو اس احسان کو نہ بھول
یہی ہے تجھ پر لاشِ حبرِ گوشہٴ رسول

تاریخِ کربلا

تَصْنِيفِ لَطِيفِ

مولانا قاری محمد امین القادری ضوی فظہ العالی
حضرت قاری محمد امین القادری ضوی فظہ العالی

مکتبہ نبویہ • گنج بخش روڈ • لاہور

افضل الصلوات على سيد السادات

فضائل درود

اردو ترجمہ

مولانا حکیم محمد صفیر صاحب فاروقی

مقدمہ ترتیب نو و حواشی

رانا خلیل احمد صاحب

پبلسیشنز نیویہ ۰ گنج بخش روڈ لاہور

شواہد النبوة

لنقوی زیقین اہل الفیض

حضرت العلام نور الدین عبدالرحمن جامی شہسہ

ترجمہ

بشیر حسین ناظم ایم۔ اے

مقدمہ

علامہ پیرزاں اقبال احمد فاروقی ایم۔ اے

ناشر

مکتبہ نبویہ - گنج بخش روڈ لاہور

مکتبہ نبویہ • گنج بخش روڈ • لاہور

